ضابطۂ حیات
از
شیخ الحدیث والتفسیر پیر سائیں
قادری نقشبندی
دامت برکاتہم العالیہ
غلام رسول قاسمی
ناشر
رحمۃ للعالمین پبلی کیشنز
بشیر کالونی سرگودھا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ضابطۂ حیات

تصنیف

شیخ الحدیث والتفسیر

پیر سائیں غلام رسول قاسمی قادری نقشبندی

دامت برکاتہم العالیہ

ناشر: رحمۃ للعالمین پبلی کیشنز بشیر کالونی سرگودھا 048-3215204

ملنے کا پتہ: مکتبہ رحمۃ للعالمین سیٹھی پلازہ اسلحہ والی گلی بلاک 5 سرگودھا

Mob:0300/6004816--Ph:0483010361

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ضابطہ

نام کتاب	ضابطۂ حیات
مصنف	شیخ الحدیث والتفسیر غلام رسول قاسمی قادری نقشبندی
کمپوزنگ	طارق سعید، محمد کاشف سلیم
صفحات	384
بارِ اول 1420ھ	تعداد-1,000
بارِ دوئم 1422ھ	تعداد-1,000
بارِ سوئم 1428ھ	تعداد-2,000
بار چہارم 1428ھ	تعداد-1,000
بار پنجم 1431ھ	تعداد-1,000
بار ششم 1431ھ	تعداد-1,000
ناشر	رحمۃ للعالمین پبلی کیشنز بشیر کالونی سرگودھا
ملنے کا پتہ	مکتبہ رحمۃ للعالمین سیٹھی پلازہ اسلحہ والی گلی بلاک 5 سرگودھا Mob:0300/6004816
پرنٹر	
قیمت	

فہرستِ مضامین

☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ

اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العَالَمِینَ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلیٰ سَیِّدِنَا وَمَولَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِہٖ وَاَصحَابِہٖ اَجمَعِینَ اَمَّا بَعدُ

الحمد للہ دینی مطالعہ رکھنے والے بے شمار احباب کی طرف سے اس کتاب کو پذیرائی ملتی رہی ہے مگر فقیر اسے ان دوستوں کے محض حسن ظن یا ناسمجھی پر محمول کرتا رہا لیکن بعض جید ترین علماء نے وقتاً فوقتاً اپنے طالب علم بھیج کر اس کتاب کے کئی نسخے منگوائے۔ حضرت علامہ محمد فضل رسول صاحب سیالوی نے نہایت مشفقانہ خیالات کا اظہار فرمایا۔ حضرت علامہ محمد انور صاحب قریشی نے فرمایا کہ میں خود اسی طرح کی کتاب لکھنا چاہتا تھا مگر تمہاری کتاب پڑھنے کے بعد مجھے لکھنے کی ضرورت نہیں رہی۔ شیخ الحدیث حضرت علامہ محمد اشرف صاحب سیالوی نے فرمایا کہ اس کتاب میں اچھی معلومات آ گئی ہیں۔ مفتی اعظم حضرت علامہ مفتی عبدالقیوم صاحب ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ نے بغیر کسی فرمائش کے از خود فقیر کے نام خط لکھا۔ انہوں نے لکھا

''آپ کی کتاب ضابطۂ حیات کا مطالعہ کیا۔ حکیمانہ فکر پر مبارک باد پیش کرتا ہوں''۔

عبدالقیوم ہزاروی

دنیائے اسلام کے اس عظیم سپوت کے اظہارِ خیال کے بعد فقیر اسے پہلی خوشخبری ''عَاجِلُ بُشریَ المُؤمِنِ'' سمجھتے ہوئے اللہ کریم جل مجدہ کی بارگاہ میں سربسجود ہو کر شکر گزار ہے کہ اس نے اپنے پیاروں کی زبان پر ایسے حوصلہ افزا کلمات جاری فرما دیے اور وہ بھی اس مسکین اور بے مایہ کی تصنیف کے حق میں جو کھرپے سے گھاس کاٹتے کاٹتے، جانور چراتے چراتے اور ان کا گوبر اکٹھا کرتے کرتے شباب کو پہنچا۔ مجھے میری اوقات معلوم ہے مگر کیا عرض کیا جائے اس رب ذوالکمال کے فضل کے بارے میں جو ہماری اوقات کو نظر انداز کرتا رہتا ہے اور اپنے بے پایاں فضل اور شان کریمی پر نگاہ رکھتا ہے۔

یارب تو کریمی و رسول تو کریم
صد شکر کہ ہستیم میانِ دو کریم

فقیر پر تقصیر غلام رسول قاسمی قادری

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الۡاَنۡبِیَآءِ وَالۡمُرۡسَلِیۡنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ

اسلام کی بنیادیں

نبی کریم ﷺ نے فرمایا

بُنِیَ الۡاِسۡلَامُ عَلٰی خَمۡسٍ شَھَادَۃِ اَنۡ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَنَّ مُحَمَّداً عَبۡدُہٗ وَ رَسُوۡلُہٗ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیۡتَاءِ الزَّکٰوۃِ وَ الۡحَجِّ وَ صَوۡمِ رَمَضَانَ

اسلام کی بنیاد پانچ چیزیں ہیں۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دینا۔ نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا (بخاری جلد ۱ صفحہ ۶، مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۲)۔

اس کتاب میں اسلام کی انہی پانچ بنیادوں کو قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

اس کتاب کے چھ باب ہیں۔

۱۔ لا الہ الا اللہ	۲۔ محمد رسول اللہ ﷺ
۳۔ نماز	۴۔ زکوٰۃ
۵۔ روزہ	۶۔ حج

باب اوّل

لا الٰہ الا اللہ

لا الٰہ الا اللہ

اللہ موجود ہے

دنیا کا ہر انسان اللہ تعالیٰ کو ماننے پر مجبور ہے۔زبان سے کوئی اقرار کرے یا نہ کرے اس کا حال ضرور اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ موجود ہے۔اللہ اپنی قدرت اور کاریگری سے ہر لحظہ پہچانا جا رہا ہے۔انسان اگر اپنے وجود پر غور کرے تو اس کا ہر ہر عضو اور بدن کا پورا نظام حیات اسے جھنجھوڑ کر اپنے خالق کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

اللہ کریم فرماتا ہے يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ یعنی اے انسان تجھے کون سی چیز نے تیرے رب کریم سے غافل کر دیا جس نے تجھے پیدا کیا، پھر تجھے سڈول بنایا، پھر تجھے اعتدال اور تناسب بخشا۔جس صورت میں چاہا تجھے مرکب کر دیا (الانفطار: ۶ تا ۸)۔

انسان اگر اپنے نہ ہونے کا زمانہ یاد کرے، پھر پیدا ہونا اور مرنا یاد کرے اور اس پر غور کرے کہ مرنے کے بعد لوگ کہاں چلے جاتے ہیں اور میں کہاں جاؤں گا، میرے ساتھ کیا ہوگا، تو اس کا ذہن لاعلمی اور بے بسی کے عالم میں کسی علیم وخبیر اور قادر مطلق ذات کی طرف منتقل ہو جائے گا جس کے پاس ان باتوں کا جواب موجود ہے۔

اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ یعنی تم اللہ کا انکار کس طرح کر سکتے ہو جب کہ تم نہیں تھے تو اس نے تمہیں پیدا کیا، پھر تمہیں مارے گا، پھر تمہیں زندہ کرے گا، پھر تم اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے (البقرۃ: ۲۸)۔

اپنی ذات سے باہر نکلے تو تختۂ زمین اور چاروں طرف پھیلا ہوا آسمان، یہ چاند،

ستارے، سورج، یہ بارش اور فصلیں، یہ دن رات کا آنا جانا، یہ کشتیاں اور جہاز، چاند سورج کا اپنے وقت مقررہ پر طلوع اور غروب ہونا، چاند کا ایک خاص حساب سے گھٹنا اور بڑھنا، سردی اور گرمی کے موسم گویا پوری کائنات ایک نظام کے تحت چل رہی ہے۔

اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَ الْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ بَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّ تَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ یعنی بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں، رات اور دن کے بدل بدل کر آنے میں، اور دریا میں چلنے والی کشتیوں میں جو لوگوں کیلئے فائدہ مند ہیں، اور اس پانی میں جو اللہ نے آسمان سے نازل کیا، پھر اسکے ذریعے سے مردہ زمین کو زندہ کیا اور زمین میں ہر طرح کے جانور پھیلائے، اور ہواؤں کے پھیرنے میں، اور ان بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان اللہ کے حکم کے پابند ہیں، ان تمام چیزوں میں عقلمندوں کیلئے اللہ کو پہچاننے کی نشانیاں موجود ہیں (البقرۃ: ۱۶۴)۔

ایک بڑھیا سے کسی نے پوچھا کہ تیرے پاس اللہ کے موجود ہونے کا کیا ثبوت ہے؟ اس نے کہا میرا چرخہ اس کا ثبوت ہے۔ جب تک اپنے چرخے کو خود اٹھ کر نہ گھماؤں اور اس میں روئی کا گالا نہ لگاؤں یہ کبھی سوت نہیں بناتا۔ جب ایک چھوٹا سا چرخہ میرے چلانے کا محتاج ہے تو زمین و آسمان کا یہ اتنا بڑا چرخہ کسی چلانے والے کے بغیر کیسے چل سکتا ہے؟

انسان اگر گھوم پھر کر دنیا کا جغرافیائی جائزہ لے تو دنیا کے مختلف جانور، میدان، پہاڑ، فرشِ زمین اور آسمان کی چھت اسے پکار پکار کر ان چیزوں کے خالق کی خبر دیتی ہیں۔

اللہ کریم فرماتا ہے اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَیْفَ خُلِقَتْ وَ اِلَى السَّمَآءِ كَیْفَ رُفِعَتْ وَ اِلَى الْجِبَالِ كَیْفَ نُصِبَتْ وَ اِلَى الْاَرْضِ كَیْفَ سُطِحَتْ یعنی کیا یہ لوگ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ اسے کیسا بنایا گیا ہے اور آسمان کی طرف نہیں دیکھتے کہ اسے

کس طرح اٹھایا گیا ہے اور پہاڑوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ انہیں کس طرح نصب کیا گیا ہے اور زمین کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح بچھائی گئی ہے(الغاشیہ:۱۷تا۲۰)۔

حضرت امام جعفر صادق ﷺ کا ایک خدا کے منکر سے مناظرہ ہوا۔آپ نے پوچھا کیا کام کرتے ہو؟اس نے کہا سمندری تجارت کرتا ہوں۔آپ نے پوچھا کیا تیری کشتی کبھی طوفان میں پھنسی؟اس نے کہا جی ہاں ایک مرتبہ پھنس گئی تھی۔آپ نے فرمایا کیا تو نے اس وقت سوچا تھا کہ کاش کوئی مجھے بچانے والا ہو۔اس نے کہا جی ہاں میرا ذہن واقعی کسی بچانے والے کی طرف چلا گیا تھا۔آپ نے فرمایا وہی تیرا خدا ہے جس کی طرف متوجہ ہونے پر تو مجبور ہو گیا تھا(تفسیر کبیر جلد۶ صفحہ۲۳۳)۔معلوم ہوا کہ خدا کا نہ ماننے والا بھی در پردہ خدا کو ماننے پر مجبور ہے۔

اللہ ایک ہے

اللہ ایک ہے وحدہٗ لاشریک لہٗ۔اگر خدا دو ہوتے تو ان کے ارادے مختلف ہونے کی وجہ سے بھی فساد ہو جاتا اور ان کا ارادہ ایک ہونے کی وجہ سے بھی فساد ہوتا۔اور اگر ایک ارادہ کرے اور دوسرا نہ کرے تو ایک کو دوسرے پر بلا وجہ ترجیح حاصل ہو جائے گی اور جس پر کوئی ترجیح حاصل کرے وہ خدا نہیں ہو سکتا۔اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا یعنی اگر اللہ کے سوا، زمین و آسمان کا کوئی خدا ہوتا تو فساد ہو جاتا(انبیآء:۲۲)۔

اللہ تعالیٰ کی توحید عقل سے ثابت ہے لہٰذا اگر کسی شخص کو ساری زندگی رسالت کا پیغام نہ مل سکا ہو تو اس کے مومن اور مغفور ہونے کے لیے اتنا کافی ہے کہ اس نے شرک نہ کیا ہو۔

توحید اور شرک

اللہ کو ایک ماننا توحید کہلاتا ہے۔ایک سے زیادہ خداؤں کو ماننا شرک کہلاتا ہے۔عیسائی تین خداؤں کو مانتے ہیں یہ شرک ہے۔مجوسی آگ کو خدا مانتے ہیں یہ بھی شرک ہے۔بت پرست بتوں کی عبادت کرتے ہیں یہ بھی شرک ہے۔مطلب یہ ہوا کہ اللہ کی طرح کسی اور کو ہمیشہ سے موجود سمجھنا یا عبادت کے لائق سمجھنا شرک ہے۔مشرکین مکہ کا شرک یہی تھا کہ وہ کہتے تھے مَا نَعْبُدُهُمْ

اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى یعنی ہم بتوں کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کردیں (الزمر : ۳)۔

یہ بتوں کی عبادت ان کا شرک تھا۔ اللہ کا قرب حاصل کرنا اچھی بات ہے مگر اس کی خاطر کسی کی عبادت کرنے لگ جانا شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا قرب فراہم کرنے کے لیے بُت نہیں بنائے بلکہ انبیاء علیہم السلام بھیجے ہیں۔ انبیاء، اولیاء، مشائخ اور اساتذہ کو اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے ہی مانا جاتا ہے۔ یہی اللہ کا بتایا ہوا طریقہ ہے۔ جبکہ بتوں کو ماننا ممنوع ہے اور ان کی عبادت کرنا تو نِرا ہی ظلم ہے۔ اللہ کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ ہی الوہیت کسی کو عطا ہو سکتی ہے۔ ہاں البتہ علم، قدرت، سننا، دیکھنا وغیرہ ایسی صفات ہیں جو اللہ نے اپنے بندوں کو عطا کر دی ہیں۔ اللہ کی صفات مستقل اور ذاتی ہیں جبکہ بندوں کی یہ صفات غیر مستقل اور عطائی ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہے لیکن اس نے بندوں کو بھی سمیع و بصیر بنایا ہے (الدھر:۲)۔ مخلوق کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے اِذن وعطا کے ساتھ پرندوں کو خلق کرتے تھے (آلِ عمران.۴۹)۔ کسی کو موت دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے لیکن حضرت عزرائیل علیہ السلام ملک الموت ہیں اور اللہ کے اِذن سے لوگوں کو موت دیتے ہیں (السجدہ:۱۱)۔ مردے زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے اِذن وعطا کے ساتھ مردے زندہ کرتے تھے (آلِ عمران: ۴۹)۔ اولاد عطا کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے مگر حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میں آپ کو بیٹا دینے آیا ہوں (مریم:۱۹)۔

معلوم ہوا کہ جہاں اللہ کا اِذن وعطا آجائے وہاں شرک ختم ہو جاتا ہے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی خوبصورتی

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے معنی ہیں کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے۔

لَآ اِلٰهَ (کوئی معبود نہیں) کے ساتھ مکمل نفی کر دینا اور اِلَّا اللّٰهُ (سوائے اللہ کے) کے ساتھ صرف اور صرف اللہ کی ذات کا اثبات کرنا توحید کے اقرار کا زبردست طریقہ ہے۔ ان الفاظ

میں جو کاٹ موجود ہے وہ دنیا کے کسی دوسرے مذہب کو نصیب نہیں۔ لَآ اِلٰہَ کی تلوار کے ساتھ مکمل نفی کردی گویا قلبِ مومن کے تمام زنگ کو کھرچ ڈالا۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا، ہر چیز کو صاف کرنے کا ایک آلہ ہوتا ہے اور دل کو صاف کرنے کا آلہ اللہ کا ذکر ہے (مشکوٰۃ صفحہ ۱۹۹، المستدرک صفحہ ۲۴۸) اور تمام ذکروں سے افضل لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا ذکر ہے (ترمذی جلد۲ صفحہ ۱۷۴)۔ لَآ اِلٰہَ کے ساتھ مکمل صفائی ہوگئی تو اب یہ گھر (یعنی دل) اس قابل ہو گیا کہ وہ معبودِ حقیقی اس میں آ بسے۔ لہٰذا اَب اس ذات کا اثبات کرتے ہوئے فرمایا اِلَّا اللّٰہُ۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی تلقین

امام احمد، بزار اور طبرانی وغیرہ نے سندِ حسن کے ساتھ نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ آپ نے پوچھا کیا یہاں کوئی اہلِ کتاب ہے؟ صحابہ نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا دروازہ بند کردو۔ ہاتھ اٹھاؤ اور سب کہو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ صحابۂ کرام نے ہاتھ اٹھائے اور کہا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے اللہ! تو نے مجھے یہ کلمہ دے کر بھیجا ہے اور اسی کو آگے پہنچانے کا حکم دیا ہے اور مجھ سے اس پر جنت کا وعدہ کیا ہے تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ پھر آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو فرمایا تم سب کو بخشش کی خوشخبری ہو۔ یہ پوری جماعت کو اکٹھے ذکر کی تلقین کرنے کا ثبوت ہے۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ نبی کریم ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے اللہ تک پہنچنے کا مختصر، آسان اور افضل راستہ بتائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا! اللہ کا ذکر دل میں بھی کرو اور بلند آواز سے بھی کرو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ذکر تو سب لوگ کرتے ہیں۔ میں نے تو خاص عنایت کے لیے عرض کیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے علی! میں نے اور مجھ سے پہلے انبیاء نے جو کچھ بتایا اس میں سب سے افضل لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا ذکر ہے۔ ایک پلڑے میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور دوسرے پلڑے میں ساری کائنات ہو تو یہ ذکر بھاری ہے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا مجھے ذکر دیجئے اور اس کا طریقہ سمجھائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اپنی آنکھیں بند کرو۔ نبی کریم ﷺ نے بھی آنکھیں بند کرلیں

اور بلند آواز سے تین بار لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ فرمایا اور حضرت علی ؓ سنتے رہے۔ پھر حضرت علی ؓ نے آنکھیں بند رکھتے ہوئے بلند آواز سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فرمایا اور نبی کریم ﷺ نے سنا۔

یہ ذکر اسی طرح سیدنا علی المرتضیٰ شیر خدا ؓ سے حضرت حسن بصری نے حاصل کیا۔ ان سے حضرت حبیب عجمی نے، ان سے حضرت داؤد طائی نے، ان سے حضرت معروف کرخی نے، ان سے حضرت سری سقطی نے اور ان سے حضرت جنید بغدادی نے حاصل کیا، اور یہ سلسلہ ہم تک پہنچا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین (الانوار القدسیہ از امام عبدالوہاب شعرانی جلد۲ صفحہ ۳۲۔۲۷) اور یوں ہی یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

اللہ پر ایمان لانے کے تقاضے

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا اولین تقاضا یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کی جائے اس کی یاد اور اس کا ذکر کیا جائے۔ اسی سے دعا مانگی جائے۔ اگر خطا ہو جائے تو اللہ سے معافی مانگی جائے۔ یہ حکم ہر خاص و عام کے لیے ہے۔

خواص کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اللہ سے انتہا درجہ کی محبت کریں۔ اسی پر توکل اختیار کریں اور اس کی رضا پر راضی رہیں۔

ذیل میں اللہ کے ذکر، استغفار، دعا اور اللہ سے محبت کی تفصیل پیش خدمت ہے۔

☆......☆......☆......☆......☆

ذِکرُ اللہ

ذکر کے لفظی معنی ہیں "یاد کرنا"۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا حکم قرآن کریم میں بار بار ہوا ہے۔ فرمایا

۱۔ اُذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْراً کَثِیْراً یعنی اللہ کا ذکر کثرت سے کرو (الاحزاب:۴۱)۔

۲۔ فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ یعنی تم میرا ذکر کرو میں تمہارا چرچا کروں گا (البقرۃ:۱۵۲)۔

۳۔ فَاذْکُرُوْا اللّٰہَ قِیَاماً وَّ قُعُوداً وَّ عَلیٰ جُنُوْبِکُمْ یعنی اللہ کا ذکر کرو۔ کھڑے، بیٹھے اور پہلوؤں کے بل (النسآء:۱۰۳)۔

ذکر کے علاوہ تقریباً اسی مفہوم میں قرآن مجید میں متعدد الفاظ استعمال ہوئے ہیں مثلاً تسبیح، تقدیس، تکبیر، حمد اور دعا وغیرہ۔

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہنی چاہیے کہ یہاں ذکر سے مراد محض اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے پاک اسماء کو بار بار دہرانا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ یعنی اور اپنے رب کے نام کا ذکر کر (مزمل:۸)۔

وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی یعنی اس نے اپنے رب کے نام کا ذکر کیا اور نماز پڑھی (الاعلیٰ:۱۵)۔

وَلِلّٰہِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنیٰ فَادْعُوْہُ بِھَا یعنی اللہ کے حسین نام ہیں اسے ان ناموں سے پکارو (الاعراف:۱۸۰)۔

محبوب کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا

۱۔ اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یعنی سب سے افضل ذکر لا الٰہ الا اللہ ہے (ترمذی جلد۲ صفحہ۱۷۶، ابن ماجہ صفحہ۲۶۹، المستدرک صفحہ۲۴۸)۔

۲۔ لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ عَلیٰ اَحَدٍ یَّقُوْلُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ یعنی قیامت اس وقت تک نہیں

آ ئے گی جب تک ایک شخص بھی اللہ اللہ کرنیوالا موجود ہوگا (مسلم جلد ۱ صفحہ ۸۴، المستدرک صفحہ ۲۲۸)۔

اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ کے ننانوے اسمآءِ حسنیٰ نبی کریم ﷺ نے خود بیان فرمائے ہیں۔ جو مشکوٰۃ شریف کے صفحہ نمبر ۱۹۹ پر مذکور ہیں۔ اسکے علاوہ بے شمار اوراد و وظائف اور ذکرِ الٰہی کے انداز ہیں جو کتبِ حدیث میں تفصیلاً بیان ہوئے ہیں بلکہ کتبِ حدیث میں ''ذکر'' کے نام سے مستقل ابواب موجود ہیں۔ مثلاً بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۴۸ پر فضل ذکر اللّٰہ، مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۴۳ پر فضل الذکر و الدعاء، ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۷۳ پر باب ماجآء فی الذکر، ابنِ ماجہ صفحہ ۲۶۸ پر باب فضل الذکر اور مشکوٰۃ صفحہ ۱۹۶ پر باب ذکر اللّٰہ و التقرب الیہ۔

لہٰذا یہ بات طے ہوگئی کہ ذکر اللہ سے مراد اللہ جل شانہٗ کے نام کی تسبیح اور اسی کے اسمِ پاک کو جپنا اور دہراتے رہنا ہے۔ ذکر کے لفظی معنی کی وسعت کے لحاظ سے قرآن مجید میں نماز وغیرہ پر لفظ ذکر کا اطلاق ہوا ہے۔ جیسے فَاسْعَوْا اِلیٰ ذِکْرِ اللّٰہِ وغیرہ۔ لیکن اصطلاح میں ذکر سے مراد بھی اوراد و وظائف ہیں۔ اسی لیے قرآن مجید میں نماز کا لفظ ذکر کے تغائیر میں استعمال ہوا ہے۔ فرمایا فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْراً (جمعہ: ۱۰) ''یعنی جب نماز پڑھی جا چکی ہو تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو''۔ اس آیت نے صاف طور پر ذکر کو نماز سے ممتاز کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتبِ حدیث میں بھی نماز، روزہ کے ابواب الگ ہیں اور ذکر کے ابواب الگ ہیں۔

انفرادی ذکر

اللہ کا ذکر فرداً فرداً بھی کیا جا سکتا ہے اور اجتماعی صورت میں بھی۔ انفرادی ذکر کا حکم قرآن مجید کی اس آیت میں ہے۔

اُذْکُرُوا اللّٰہَ قِیَاماً وَّ قُعُوْداً وَّعَلیٰ جُنُوْبِکُمْ یعنی اللہ کا ذکر کرو۔ کھڑے، بیٹھے اور اپنے پہلوؤں کے بل (النسآء: ۱۰۳)۔

حدیث شریف میں ہے۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيْ كُلِّ اَحْيَانِهٖ یعنی نبی کریم ﷺ ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے رہتے تھے (ترمذی جلد۲ صفحہ ۱۷۶، المستند صفحہ ۲۲۸)۔ یہ انفرادی ذکر ہے۔

گوشہ نشینی اور چلہ کشی کی اصل قرآن میں موجود ہے۔ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً (بقرہ:۵۱) اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اللہ کے حکم سے چالیس دن کے لیے کوہِ طور پر جانا صراحتاً مذکور ہے۔ اسی چالیس کے عدد سے چلہ ماخوذ ہے۔ نبی کریم ﷺ غارِ حرا میں تشریف لے جاتے اور وہاں پر طویل مدت تک قیام فرماتے تھے۔ اور اللہ کے ذکر و عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ رمضان شریف کے آخری عشرے کا اعتکاف بھی چلہ کشی ہی کی ایک صورت ہے۔ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ مکہ شریف سے مدینہ منورہ کی طرف صحابہ کرام کے ہمراہ سفر کر رہے تھے۔ راستے میں ایک پہاڑ کے پاس سے گزرے جس کا نام جُمدان ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

سِيْرُوْا هٰذَا جُمْدَانُ سَبَقَ الْمُفَرِّدُوْنَ ، قَالُوْا وَمَا الْمُفَرِّدُوْنَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ الذّٰكِرُوْنَ اللّٰهَ كَثِيْراً وَالذّٰكِرَاتُ یعنی جُمدان پہاڑ کی سیر کرو مفرد مرد اور عورتیں آگے نکل گئے ہیں۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ مفرد کون ہیں؟ فرمایا اللہ کا ذکر کثرت سے کرنے والے مرد اور عورتیں (مسلم، مشکوۃ صفحہ ۱۹۶، المستند صفحہ ۲۲۹)۔

اجتماعی ذکر

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ یعنی جو لوگ صبح و شام اپنے رب کا ذکر کرتے ہیں ان کے پاس بیٹھو (الکہف:۲۸)۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ کے فرشتے زمین میں گردش کرتے ہیں اور ذکر کرنے والوں کو تلاش کر کے ان کے گرد حلقہ بنا لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان ذاکرین کی مغفرت کا اعلان فرماتا

ہے اور جو کوئی ان کے پاس آ کر محض بیٹھ جائے اسے بھی ان کی برکت سے بخش دیا جاتا ہے (حاصل حدیث بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۴۸، مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۴۴، المستند صفحہ ۲۴۸۔۲۴۷)۔

ایک اور حدیث میں ہے۔

اِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا مِنْهَا قَالُوْا مَا رِيَاضُ الْجَنَّةِ قَالَ حِلَقُ الذِّكْرِ یعنی جب جنت کے باغیچوں کے پاس سے گزرو تو ان سے چر لیا کرو۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ! جنت کے باغیچوں سے کیا مراد ہے؟ فرمایا ذکر کے حلقے (ترمذی، مشکوٰۃ صفحہ ۱۹۸، المستند صفحہ ۲۴۸)۔

اجتماعی ذکر کے بے شمار فوائد ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ حاضرین محفل کی قلبی کیفیات کا انعکاس ایک دوسرے پر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مخصوص دائرہ (FLUX) جو ہر ذاکر کے گرد قائم ہوتا ہے اسکے برکات دیگر حاضرین تک بھی پہنچتے ہیں۔

خفی ذکر

دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہنے کا حکم قرآن میں موجود ہے۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِىْ نَفْسِكَ تَضَرُّعاً وَّخِيفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ یعنی اپنے رب کو عاجزی اور خوف کے ساتھ آہستہ آواز سے یاد کر (اعراف: ۲۰۵)۔

جہری ذکر

حدیث شریف میں ہے کہ اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِىْ وَاَنَا مَعَهٗ اِذَا ذَكَرَنِىْ وَاِنْ ذَكَرَنِىْ فِىْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهٗ فِىْ نَفْسِىْ وَاِنْ ذَكَرَنِىْ فِىْ مَلَاءٍ ذَكَرْتُهٗ فِىْ مَلَاءٍ خَيْرٍ مِّنْهُمْ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں۔ جب وہ میرا ذکر کرتا ہے تو میں اسکے پاس ہوتا ہوں۔ اگر وہ دل میں میرا ذکر کرے تو میں بھی تنہا اسے یاد کرتا ہوں اگر وہ محفل میں میرا ذکر کرے تو میں اس کا ذکر اس سے بہتر محفل میں کرتا ہوں (مسلم، بخاری، مشکوٰۃ صفحہ ۱۹۶، المستند صفحہ ۲۴۹)۔

اس حدیث میں ذکر فی النفس یعنی دل میں ذکر سے مراد خفی ذکر ہے اور ذکر فی الملاء یعنی سرِ محفل ذکر سے مراد ذکر بالجہر ہے۔ اسی لیے ذکر فی الملاء کو ذکر فی النفس کے مقابلے پر بولا گیا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ اُذْکُرُوا اللّٰہَ حَتّٰی یَقُوْلُوْا مَجْنُوْنٌ (مسند احمد، المستند صفحہ ۲۴۹) یعنی اللہ کا ذکر اس طرح کیا کرو کہ لوگ تمہیں پاگل کہیں۔ ظاہر ہے جہر کے بغیر مجنونیت کا الزام کوئی معنی نہیں رکھتا۔ الغرض ذکرِ خفی اور ذکر بالجہر دونوں طریقے شرعاً جائز و ثابت ہیں۔

نماز کے بعد ذکر بالجہر

بخاری جلد ا صفحہ ۱۱۶، مسلم جلد ا صفحہ ۲۱۸، مشکوٰۃ صفحہ ۸۸ پر "باب الذکر بعد الصلوٰۃ" کے نام سے مستقل ابواب موجود ہیں۔ ان ابواب میں سے ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

اِنَّ رَفْعَ الصَّوْتِ بِالذِّکْرِ حِیْنَ یَنْصَرِفُ النَّاسُ مِنَ الْمَکْتُوْبَۃِ کَانَ عَلٰی عَھْدِ النَّبِیِّ ﷺ یعنی بلاشبہ فرض نماز کا سلام پھیرتے ہی بلند آواز سے ذکر کرنا نبی کریم ﷺ کے زمانے میں رائج تھا (بخاری جلد ا صفحہ ۱۱۶، مسلم جلد ا صفحہ ۲۱۷، مشکوٰۃ صفحہ ۸۸، المستند صفحہ ۱۴۰)۔

میدانِ جنگ میں ذکر

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَۃً فَاثْبُتُوْا وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا یعنی اے ایمان والو! جب تم دشمن سے مقابلہ کرو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو (انفال: ۴۵)۔

عین میدان جنگ میں اللہ کا ذکر کثرت سے کرنے سے دشمن مرعوب و خائف ہو کر مغلوب ہو جاتا ہے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے لشکروں کی پہچان لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ اور یَا مُحَمَّدُ کے نعروں سے ہوا کرتی تھی (فتوح الشام صفحہ ۲۴۹ و صفحہ ۲۱۷)۔

ذکر کے فضائل اور اہمیت پر احادیث

۱۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بَسرٍ اَنَّ رَجُلاً قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ شَرَائِعَ الْاِسْلَامِ قَدْ كَثُرَتْ عَلَيَّ فَاَخْبِرْنِىْ بِشَيْءٍ اَتَشَبَّثُ بِهٖ قَالَ لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْباً مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ یعنی ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ اسلام کے احکام بہت سارے ہیں۔ آپ مجھے مختصر سی بات بتا دیں جس پر عمل کروں۔ فرمایا تیری زبان پر ہر وقت اللہ کا ذکر جاری رہنا چاہیے (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۷۵، المستند صفحہ ۲۴۷)۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ ذکر ایک نہایت جامع عبادت ہے۔ یہ تسبیح کی درمیانی ڈوری کی مانند ہے جس پر تمام موتی پرو دیے گئے ہوں۔

۲۔ عَنْ اَبِىْ مُوْسىٰ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَثَلُ الَّذِىْ يَذْكُرُ رَبَّهٗ وَالَّذِىْ لَا يَذْكُرُ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ یعنی حضرت ابو موسیٰ ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے رب کا ذکر کرنے والا زندہ کی طرح ہے اور ذکر نہ کرنے والا مردہ کی طرح ہے (مسلم، بخاری، مشکوۃ صفحہ ۱۹۶، المستند صفحہ ۲۴۷)۔

۳۔ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ وَ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَقْعُدُ قَوْمٌ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلٰئِكَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ یعنی حضرت ابو ہریرہ اور ابو سعید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب بھی کچھ لوگ مل کر اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو فرشتے ان کا گھیراؤ کر لیتے ہیں۔ رحمت ان پر چھا جاتی ہے۔ ان پر سکون نازل کر دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرشتوں میں ان کا ذکر کرتا ہے (مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۴۵، مشکوۃ ۱۹۶، المستند صفحہ ۲۴۷)۔

اس حدیث میں اجتماعی ذکر کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ فرشتوں اور رحمت خداوندی کا

گھیراؤ، نزولِ سکینہ اور بندوں کا مذکورِ خدا بن جانا بلاشبہ بڑی فضیلت کی باتیں ہیں۔

۴۔ عَنْ اَبِی الدَّرْدَاء قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلَا اُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرِ اَعْمَالِكُمْ وَاَزْكٰهَا عِنْدَ مَلِيْكِكُمْ وَاَرْفَعِهَا فِيْ دَرَجٰتِكُمْ وَخَيْرٍ لَّكُمْ مِنْ اِنْفَاقِ الذَّهَبِ وَالْوَرَقِ وَخَيْرٍ لَّكُمْ مِنْ اَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّكُمْ فَتَضْرِبُوْا اَعْنَاقَهُمْ وَيَضْرِبُوْا اَعْنَاقَكُمْ قَالُوْا بَلٰى قَالَ ذِكْرُاللّٰهِ یعنی ابودرداء ؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، کیا میں تمہیں بہترین عمل بتاؤں جو تمہارے اعمال سے افضل ہو، تمہارے مالک کو سب سے زیادہ پسند ہو، اور تمہارے درجات کو سب سے زیادہ بلند کرنے والا ہو، اور تمہارے لیے سونا اور چاندی کی خیرات کرنے سے بہتر ہو، کفار کی گردنیں کاٹنے اور ان سے اپنی گردنیں کٹوانے سے بھی افضل ہو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا حضور بتائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ اللہ کا ذکر ہے (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۷۵، ابن ماجہ صفحہ ۲۶۸، المستدرک صفحہ ۲۴۸)۔

اس حدیث میں ذکر کو تمام اعمال سے افضل، خدا کا پسندیدہ ترین عمل، رفع درجات کا باعث، سونے چاندی کی خیرات سے بڑھ کر اور حتیٰ کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے کرتے شہید ہو جانے سے بھی افضل قرار دیا گیا ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

یہاں قارئین کے ذہن میں یہ تعجب آ سکتا ہے کہ ذکرِ الٰہی، جہاد اور شہادت سے افضل کیسے ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تلوار کا جہاد جہادِ اصغر ہے جبکہ ذکر میں لَآ اِلٰـهَ کی تلوار کے ذریعے نفس اور شیطان جیسے گرگوں کے خلاف جہاد کیا جاتا ہے۔ اسی لیے اس جہاد کو نبی کریم ﷺ نے جہاد اکبر قرار دیا ہے (کنز العمال) ایک اور حدیث میں ہے کہ اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهٗ (مشکوٰۃ صفحہ ۱۵) یعنی بڑا مجاہد وہ ہے جس نے اپنے نفس کے خلاف جہاد کیا۔

جہادِ اصغر کا قتیل اگر شہید ہے تو جہادِ اکبر کا قتیل درجہ شہادت میں یقیناً فائق ہوگا۔

ترکِ ذکر پر وعیدیں

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِکْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَہٗ شَیْطَاناً فَھُوَ لَہٗ قَرِیْنٌ یعنی جو اللہ کے ذکر کو چھوڑ دیتا ہے ہم اس پر شیطان مسلّط کر دیتے ہیں پھر وہ اسے مشورے دیتا ہے (الزخرف: ۳۶)۔

گویا جو شخص اللہ کے ذکر میں غفلت کرے اس کا مشیر اور رہبر شیطان ہوتا ہے۔ مولا علی شیرِ خدا کرم اللہ وجہہ الکریم کا یہ فرمان اس آیت کی بہترین تفسیر ہے۔ آپ نے فرمایا مَنْ لَّمْ یَکُنْ لَہٗ شَیْخاً فَشَیْخَہٗ شَیْطَانٌ (صوفیا نے اسے حدیثِ مرفوع لکھا ہے جبکہ محدثین نے اسے مولا علی تک موقوف قرار دیا ہے) مراد یہ ہے کہ جس شخص کا کوئی مرشد نہ ہو (جس سے وہ ذکر اخذ کرے) اس کا مرشد شیطان ہے۔

محبوب کریم ﷺ نے بھی اس امر کی خوب وضاحت فرمائی ہے۔

۱۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ قَعَدَ مَقْعَداً لَمْ یَذْکُرِ اللّٰہَ فِیْہِ کَانَتْ عَلَیْہِ مِنَ اللّٰہِ تِرَۃٌ وَمَنِ اضْطَجَعَ مَضْطَجِعاً لَا یَذْکُرُاللّٰہَ فِیْہِ کَانَتْ عَلَیْہِ مِنَ اللّٰہِ تِرَۃٌ یعنی نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کہیں بیٹھا اور اپنے بیٹھنے کے دوران اس نے اللہ کا ذکر نہ کیا تو اس پر اللہ کی طرف سے افسوس ہے۔ اور جو شخص لیٹا اور اس نے اپنے لیٹنے کے دوران اللہ کا ذکر نہ کیا تو اس پر بھی اللہ کی طرف سے افسوس ہے (ابوداؤد جلد۲ صفحہ ۳۱۸)۔

۲۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَامِنْ قَوْمٍ یَقُوْمُوْنَ مِنْ مَجْلِسٍ لَا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ فِیْہِ اِلَّا قَامُوْا عَنْ مِثْلِ جِیْفَۃِ حِمَارٍ وَکَانَتْ عَلَیْھِمْ حَسْرَۃً یعنی نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگ کسی محفل میں جمع ہو کر اللہ کا ذکر کیے بغیر اٹھ جاتے ہیں ان کی مثال ایسے ہے جیسے وہ مردار گدھے پر سے اٹھ کر چلے گئے ہوں۔ اور یہ بات ان کے لیے حسرت اور پشیمانی کا باعث ہوگی (ابوداؤد جلد۲ صفحہ ۳۱۸)۔

۳۔ وَعَنۡهُ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ ﷺ مَا جَلَسَ قَوۡمٌ مَجۡلَساً لَمۡ يَذۡكُرُوا اللّٰهَ فِيۡهِ وَلَمۡ يُصَلُّوۡا عَلٰى نَبِيِّهِمۡ اِلَّا كَانَ عَلَيۡهِمۡ تِرَةً فَاِنۡ شَاءَ عَذَّبَهُمۡ وَاِنۡ شَاءَ غَفَرَلَهُمۡ یعنی نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب کچھ لوگ کسی جگہ اکٹھے بیٹھتے ہیں اور اللہ کا ذکر نہیں کرتے اور اپنے نبی پر درود نہیں پڑھتے تو یہ بات ان کے لیے حسرت و افسوس کا باعث ہوگی۔ اللہ کی مرضی ہے کہ انہیں بخش دے یا عذاب دے (ترمذی جلد۲ صفحہ ۱۷۵، مشکوٰۃ صفحہ ۱۹۸، المستدر صفحہ ۲۲۸)۔

قلب کی اس حالتِ غفلت کو قرآن قساوتِ قلب سے تعبیر فرماتا ہے فَوَيۡلٌ لِّلۡقٰسِيَةِ قُلُوۡبُهُمۡ مِنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ یعنی خرابی ہے ان دلوں کے لیے جو اللہ کا ذکر ترک کرنے کی وجہ سے سخت ہو چکے ہیں (الزمر: ۲۲)۔

ذاکرین کے مراتب

۱۔ اطمینانِ قلب

انسان کا محبوبِ حقیقی دراصل اللہ وَحۡدَهٗ لَا شَرِيۡكَ لَهٗ ہے۔ جب تک انسان اپنے اس محبوب کی طرف رجوع نہیں کرتا، اسکا قلب مضطرب رہتا ہے۔ خواہ اس اضطراب کا انسان کو شعور ہو یا نہ ہو لیکن جب وہ اتفاقاً یا شعوری طور پر کہیں یادِ الٰہی میں مشغول ہو جائے یا کسی ذکر کرنے والے کی صحبت میں چند لمحے بیٹھ جائے تو اسکے قلب کی پیاس بجھنے لگتی ہے اور وہ ایک اطمینان سا محسوس کرنے لگتا ہے۔ دنیا کے تمام ڈاکٹر اور طبیب جس مرض کا علاج تو کیا محض اس کی تشخیص تک نہ کر سکے، ذکر کی برکت سے اس کا درماں میسر آنے لگتا ہے۔ انسان ہزار پریشانیوں اور نفسیاتی الجھنوں سے بَری ہو کر خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ دل کی لَو جس ذات کے ساتھ اَزل سے لگ چکی ہے اسی کا نام اطمینان و تسکین فراہم کرتا ہے۔ حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ سُنیا دل میرے، رت قَالُوْا بَلٰی کو کیندی ہو

حُب وطن دی غالب ہوئی، ہک پل سَون نہ دیندی ہو

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ عرصہ دُراز تک عقلیات میں پھنسے رہے مگر بالآخر اگر اطمینان نصیب ہوا تو صحبتِ ذاکرین اور نگاہِ ولی سے ہوا۔

قرآنِ مجید نے ان تمام حقائق کو چند لفظوں میں بیان کر دیا ہے۔

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ یعنی خبردار! اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے (رعد: ۲۸)۔

۲۔ صفائے قلب

اطمینانِ قلب کے بعد قلب کی صفائی اور صقالت کا درجہ ہے۔ اللہ کا ذکر قلب کے زنگ کو کھرچنے کے لیے ریتی کا کام دیتا ہے۔ دل کے دروازے پر پڑا ہوا پرانے سے پرانا زنگ آلود تالا بھی اسم اللہ کی ضرب سے ٹوٹ جاتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ لِکُلِّ شَیْءٍ صِقَالَۃٌ وَصِقَالَۃُ الْقَلْبِ ذِکْرُ اللّٰہِ یعنی ہر چیز کی صفائی کے لیے آلہ ہوتا ہے اور قلب کی صفائی کا آلہ اللہ کا ذکر ہے (مشکوٰۃ صفحہ ۱۹۹، المستند صفحہ ۲۲۸)۔

۳۔ ارتقاءِ قلب

ارتقاءِ قلب سے مراد قلب کی کیفیت کا ارتقاء ہے۔ قلب کی صفائی کے بعد قلب فیض پذیر ہونے لگتا ہے۔ قربِ خداوندی کے مراحل طے کرنے لگتا ہے۔ یہ فیض طالبِ سلوک کے ظرف اور برداشت کے مطابق آہستہ آہستہ اسکے قلب پر وارد کیا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت حنظلہ اور حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما دونوں مل کر نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ حضرت حنظلہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں منافق ہو گیا ہوں۔ حضور کریم ﷺ نے فرمایا کیا کہہ رہے ہو؟ عرض کیا حضور جب آپ کے پاس حاضر ہوتے

ہیں تو قلب کی کیفیت اچھی ہوتی ہے مگر جب آپ سے دور ہوتے ہیں تو دنیا کا غلبہ ہو جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا

لَوْ تَدُوْمُوْنَ عَلٰی مَا تَکُوْنُوْنَ عِنْدِیْ وَفِی الذِّکْرِ لَصَافَحَتْکُمُ الْمَلٰئِکَۃُ عَلٰی فُرُشِکُمْ وَفِیْ طُرُقِکُمْ وَلٰکِنْ یَا حَنْظَلَۃُ سَاعَۃً سَاعَۃً ثَلٰثَ مَرَّاتٍ یعنی اگر تمہاری کیفیت ہر وقت وہی رہے جو میرے پاس اور ذکر کے دوران ہوتی ہے تو فرشتے تمہارے بستروں اور راستوں پر اتر کر تم سے مصافحہ کیا کریں۔ حنظلہ! بہتر یہی ہے کہ آہستہ آہستہ فیض ملے۔ آپ نے تین مرتبہ یہی فرمایا (مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۵۵، مشکوٰۃ صفحہ ۱۹۸، المستند صفحہ ۲۲۳)۔

اس حدیث میں "عِنْدِیْ وَفِی الذِّکْرِ" کے الفاظ قابل غور ہیں اور پھر سَاعَۃً وَسَاعَۃً بھی قابل غور ہیں۔ آخر وہ کون سا انقلاب تھا جو محبوب کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہی اور محفلِ ذکر میں قدم رکھتے ہی صحابہ کرام علیہم الرضوان کے دلوں میں برپا ہو جاتا تھا۔ اور آخر وہ کون سا سیلاب تھا جس کے تلاطم میں آہستگی پیدا کرنے کے لیے نبی کریم ﷺ آہستہ آہستہ کے الفاظ بار بار دہرا رہے ہیں۔

"لَوْ تَدُوْمُوْنَ" سے ظاہر ہے کہ قلبی کیفیات میں یہ تبدیلی حکمت و مصلحت پر مبنی ہوتی ہے۔ قلب کی ان دو حالتوں کو تصوف کی اصطلاح میں قبض اور بسط کہتے ہیں۔

۴۔ فنا و انتہائے قرب

قبض اور بسط کی ان کیفیات کے ذریعے قلب کا ارتقاء وصلِ الٰہی پر انتہا پذیر ہوتا ہے۔ وصل سے مراد یہ ہے کہ بندہ اپنی ذات کی مکمل طور پر نفی کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود اس بندے کے اعضاء بن جاتا ہے اور بندہ خدائی اعضاء کی قوت و طاقت کے ذریعے عمل کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے جب دشمن پر کنکریاں پھینکیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی یعنی اے محبوب جب آپ نے کنکریاں پھینکیں تو یہ آپ نے نہیں پھینکیں بلکہ اللہ نے پھینکیں (انفال:۱۷)۔

صحابہ کرام نے حدیبیہ کے موقع پر جب محبوب کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے دستِ اقدس

پر بیعت کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ یعنی جو لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے (الفتح:۱۰)۔

ایک حدیث قدسی میں اس مقام کو قدرے وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔

مَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّہٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ فَکُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَبَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ وَیَدَہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِھَا وَرِجْلَہُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِھَا یعنی میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرے قریب آتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اسکے کان، آنکھیں، ہاتھ اور پاؤں بن جاتا ہوں۔ وہ مجھ سے سنتا، دیکھتا، پکڑتا اور چلتا ہے (بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۶۳، المسند صفحہ ۲۴۳)۔

بقول حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ

ایہہ تن رب سچے دا حجرہ، وچ پا فقیرا جھاتی ہو
ناں کر منت خواج خضر دی، تیرے اندر آب حیاتی ہو
عشق دا ڈیوا بال ہنیرے، مت لبھی جھوک کھڑاتی ہو
مرن تھیں اگے مر دے باھو، جنہاں حق دی رمز پچھاتی ہو

۵۔ بقاء عبدیت

جب انسان اللہ تعالیٰ کی ذات میں فنا ہو جاتا ہے تو اگر وہ اسی فنا میں رک جائے تو اسے مجذوب کہتے ہیں۔ اور اگر وہاں سے لوٹ کر مقام عبدیت پر اتر آئے تو اسے سالک کہتے ہیں۔ عارف لوگ جو لطف ولذت عبدیت میں محسوس کرتے ہیں، فنائیت میں وہ لطف نہیں۔ ایسی عبدیت کو ہوش اور صحو کہا جاتا ہے۔ یہی سنت انبیاء علیہم السلام ہے۔ یہیں پہنچ کر صحیح معنی میں شریعت پر عمل

شروع ہوتا ہے۔ اتباع سنت کی چاشنی صرف اور صرف ان ہی لوگوں کو کماحقہٗ معلوم ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کی ہر ادا کو اپنانے کی اہمیت یہی لوگ سمجھتے ہیں۔ سنت ایسے لوگوں کے خُلق میں داخل ہو جاتی ہے وہ اس پر بلا تکلف عمل کرتے ہیں۔ محبوب کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس کے ساتھ انہیں ایسا تعلق اور ربط حاصل ہو جاتا ہے کہ یہ جو عمل بھی کرتے ہیں وہ ہی سنت ہوتا ہے۔

اس مقام پر پہنچ کر بندہ مذکورِ خدا ٹھہرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس کے چرچے کرتا ہے۔ مخلوقِ خدا اس بندے کے ذکر اور محبت میں لگ جاتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے اِنَّ اللّٰہَ اِذَا اَحَبَّ عَبْداً دَعَا جِبْرِیْلَ فَقَالَ اِنِّی اُحِبُّ فُلَاناً فَاَحِبَّہٗ قَالَ فَیُحِبُّہٗ جِبْرِیْلُ ثُمَّ یُنَادِیْ فِی السَّمَآءِ فَیَقُوْلُ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ فُلَاناً فَاَحِبُّوْہُ فَیُحِبُّہٗ اَھْلُ السَّمَآءِ ثُمَّ یُوْضَعُ لَہُ الْقُبُوْلُ فِی الْاَرْضِ یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو حضرت جبریل علیہ السلام کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں فلاں شخص سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو لہٰذا جبریل امین اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر آسمان میں اعلان کرتے ہیں کہ اللہ جل شانہٗ فلاں شخص سے محبت فرماتا ہے لہٰذا سب اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اسکے بعد زمین میں بھی اسے مقبولیت بخش دی جاتی ہے (مسلم، مشکوٰۃ ۴۲۵، المستند صفحہ ۲۴۱)۔

یہاں فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ کا کامل مظاہرہ ہوتا ہے۔ یعنی تم میرا ذکر کرو میں تمہارا چرچا کروں گا۔ اسی کے متعلق حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ

متاعِ بے بہا ہے درد و سوزِ آرزومندی
مقامِ بندگی دے کر نہ لوں شانِ خداوندی

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا ذکر

تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اسی کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی تبلیغ فرمائی ہے اور اپنی

اپنی اُمتوں کوتلقین فرمائی۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا یعنی ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب کی طرف یہ وحی بھیجی کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ (انبیاء:۲۵)۔

قرآن شریف میں کہیں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ، کہیں لَآ اِلٰهَ اِلَّا ھُوْ، کہیں لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا، کہیں لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وغیرہ الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ان سب کا مفہوم ایک ہی ہے۔یعنی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ۔ حدیث شریف میں بھی لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـہ کوتمام اذکار سے افضل قرار دیا گیا ہے۔فرمایا اَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ (ترمذی جلد۲ صفحہ ۱۷۶، المستدرک صفحہ ۲۲۸)۔طریقت کے تمام سلاسل میں اس ذکر کو یکساں مقبولیت حاصل ہے، مبتدی سے لے کر منتہی تک کے لیے کارگر ہے۔حضرت پیر سائیں محمد راشد روضے دھنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"طالب کو اولاً ذکر لسانی میں ذوق حاصل ہوتا ہے۔اسکے بعد ذکر قلبی سے، پھر فکر سے، پھر قرآن مجید کی تلاوت سے، پھر درود شریف سے، اسکے بعد تہلیل سے۔اس طرح اس کا ذوق درجہ بدرجہ ترقی پذیر رہتا ہے حتیٰ کہ اسکے اشغال میں آخری شغل تہلیل ہے۔یعنی لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰہ کہنا"۔
(ملفوظات شریف اردو صفحہ ۶۳)

اے میرے بھائی! اس کتاب کو پڑھنے کے بعد یہ کوشش کریں کہ آپ کی زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہے۔ بلکہ کسی مرشدِ کامل سے ذکر کی اجازت حاصل کریں اور اگر آپ نے مرشدِ کامل سے ذکر اخذ کرلیا ہے تو پھر اس گوہرِ بے بہا کی قدر کریں اور کبھی اس سے غافل نہ ہوں۔

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَسَلَّمَ

استغفار

انسان جب اپنی ذات سے لے کر آفاق تک کا جائزہ لیتا ہے تو اسکی نظر سب سے پہلے اپنی ذات پر پڑتی ہے۔ پھر اپنے اہل خانہ اور گھر بار پر، پھر علاقے اور ملک پر، پھر پوری دنیا اور پھر موت کے بعد کی زندگی پر۔ آج اہلِ اسلام کو ان تمام سطحوں پر جن پریشانیوں کا سامنا ہے۔ ذیل میں ہم ہر مشکل کے لیے الگ عنوان قائم کر کے اسکا حل قرآن وسنت کی روشنی میں پیش کرتے ہیں۔

جسمانی امراض

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَا اَصَابَكُمْ مِنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوْ عَنْ كَثِيرٍ یعنی تمہیں جو مصیبت بھی آتی ہے وہ تمہارے اپنے اعمال کی وجہ سے آتی ہے اور بہت سے گناہ تو اللہ تعالیٰ ویسے ہی معاف فرما دیتا ہے (الشوریٰ:۳۰)۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو محبوب کریم ﷺ نے فرمایا وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا مِنْ خَدْشِ عُوْدٍ وَلَا عَثْرَةِ قَدَمٍ وَلَا اِخْتِلَاجِ عِرْقٍ اِلَّا بِذَنْبٍ یعنی اللہ کی قسم اگر کسی کو خارش بھی ہوتی ہے یا کسی کا قدم بھی لڑکھڑاتا ہے یا کسی کی رگ بھی پھڑکتی ہے تو یہ سب کچھ کسی نہ کسی گناہ کی وجہ سے ہوتا ہے (خازن جلد۴ صفحہ ۹۸)۔

اور ظاہر ہے کہ گناہوں کا ازالہ وتدارک توبہ واستغفار ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا یعنی جو برا عمل کرے یا اپنے اوپر ظلم کر بیٹھے، پھر اللہ سے معافی مانگے تو اللہ کو معاف کرنے والا مہربان پائے گا (النساء:۱۱۰)۔

دوسری جگہ فرماتا ہے وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ یعنی اللہ ایسا نہیں ہے کہ یہ استغفار کر رہے ہوں اور وہ انہیں عذاب دینے لگے (انفال:۳۳)۔

استدراک

یہاں قاری کے ذہن میں یہ سوال آ سکتا ہے کہ جب گناہوں کی سزا دنیا میں ہی مل گئی تو پھر آخرت میں کس بات پر سزا ملے گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دنیوی تکالیف اخروی عذاب کی محض جھلک ہیں۔ دنیا میں تکلیف دینے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس سے اخروی عذاب کی شدت کا اندازہ کر لیں اور برے اعمال سے باز رہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ یعنی ہم انہیں بڑے عذاب سے پہلے چھوٹا عذاب ضرور چکھائیں گے تاکہ یہ باز آ جائیں (السجدہ:۲۱)۔

ایک اور جگہ فرماتا ہے كَذَٰلِكَ الْعَذَابُ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ یعنی ایسا ہوتا ہے عذاب اور آخرت کا عذاب تو اور بھی بڑا ہے (القلم:۳۳)۔

تنگدستی اور گھریلو مشکلات

محبوب کریم ﷺ نے فرمایا مَنْ لَزِمَ الْاِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللّٰهُ لَهٗ مِنْ كُلِّ ضِيْقٍ مَخْرَجًا وَمِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا وَرَزَقَهٗ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ یعنی جس نے استغفار کو لازم پکڑا۔ اللہ تعالیٰ اسے ہر تنگی سے نکال دے گا۔ اور ہر مشکل آسان کر دے گا اور اسے وہاں سے رزق دے گا جہاں سے وہ سوچ بھی نہیں سکتا (ابوداؤد، ابن ماجہ، مشکوٰۃ صفحہ ۲۰۴، المستند صفحہ ۲۵۶)۔

گویا یہ تنگدستی اور مشکلات بھی کسی نہ کسی درجے میں ہمارے ذنوب ہی کا نتیجہ ہیں اور اس کا بہترین علاج استغفار ہے۔

حکمرانوں کی زیادتیاں

اچھے یا برے حکمران بھی ہمارے ہی اعمال کے نتیجے میں برسرِ اقتدار آتے ہیں۔ حضور محبوب کریم ﷺ نے فرمایا كَمَا تَكُوْنُوْنَ كَذٰلِكَ يُؤَمَّرُ عَلَيْكُمْ یعنی جیسے تم خود ہو گے ویسے

ہی تمہارے اوپر حکمران آئیں گے (مشکوٰۃ صفحہ ۳۲۳)۔

ایک حدیث قدسی کے یہ الفاظ ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں بادشاہوں کا بادشاہ ہوں۔ حکمرانوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں، جب لوگوں کے اعمال اچھے ہوتے ہیں تو میں حکمرانوں کے دل انکے حق میں نرم کر دیتا ہوں اور جب لوگ میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں حکمرانوں کے دل انکے لیے سخت کر دیتا ہوں۔ اور جب تم حکمرانوں کو سختی کرتا ہوا دیکھو تو حکمرانوں کے خلاف کارروائی کرنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا بلکہ ایسے موقع پر میرے ذکر میں اور میرے سامنے آہ وزاری کرنے میں مصروف ہو جاؤ تاکہ میں تمہاری کفالت کروں (مشکوٰۃ صفحہ ۳۲۳)۔

اس حدیث پاک میں اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اسکے سامنے آہ وزاری دونوں چیزوں کو یکجا بیان کر دیا گیا ہے۔ قرآنِ مجید بھی اس بات کی تائید فرماتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوْا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ یعنی وہ لوگ جب گناہ کا کام کر بیٹھتے ہیں یا اپنی جان پر ظلم کر لیتے ہیں تو اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں (آلِ عمران: ۱۳۵)۔

دوسری جگہ ارشاد ہے

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ (محمد: ۱۹)۔

اس آیت میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور استغفار دونوں کو یکجا بیان فرمایا گیا ہے۔

پوری دنیا میں فساد

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ یعنی خشکی اور سمندر میں فساد لوگوں کے اعمال کی وجہ سے پھیل گیا۔ تاکہ اللہ انہیں ان کے اعمال کا تھوڑا سا مزہ چکھائے تاکہ یہ باز

آ جائیں (الروم:۴۱)۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت علامہ ابوالبرکات نسفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ نَحْوُ الْقَحْطِ وَقِلَّةِ الْاَمْطَارِ وَالرِّبْحِ فِيْ الزِّرَعَاتِ وَالرِّبْحِ فِي التِّجَارَاتِ وَوُقُوْعِ الْمَوْتَانِ فِي النَّاسِ وَالدَّوَابِ وَكَثْرَةِ الْحَرْقِ وَالْغَرْقِ وَمَحْقِ الْبَرَكَاتِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ یعنی خشکی اور سمندر میں فساد پھیلنے سے مراد قحط اور بارش کی کمی، تجارت میں منافع کی کمی، زراعت میں فصلوں کی کمی، انسانوں اور جانوروں کا کثرت سے مرنا، کثرت سے جلنا اور غرق ہونا اور ہر چیز سے برکت کا اٹھ جانا ہے (مدارک علی الخازن جلد۳ صفحہ ۴۶۵)۔

گویا یہ سب کچھ ہمارے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے اور اس مسئلے کا حل رجوع الی اللہ اور استغفار ہے۔

فکرِ آخرت

اُخروی فلاح کا بہت بڑا سبب توبہ و استغفار ہے۔ محبوب کریم ﷺ نے فرمایا طُوْبٰی لِمَنْ وَجَدَ فِيْ صَحِيْفَتِهٖ اِسْتِغْفَاراً كَثِيْراً یعنی اسے خوشخبری ہو جس کے نامۂ اعمال میں کثرت سے استغفار موجود ہو (نسائی، ابنِ ماجہ، مشکوٰۃ صفحہ ۲۰۶، المسند صفحہ ۲۵۶)۔

آپ نے دیکھ لیا کہ استغفار دنیا و آخرت میں ہر موڑ اور ہر سطح پر ضروری ہے۔ یہ ہر مرض کا علاج ہے اور ہر زہر کے لیے تریاق ہے۔

استغفار کرنے والوں کے مراتب

ہم جیسے گناہگار تو کجا، خواص اور اخص الخواص تک نے اپنے اپنے مرتبے کے مطابق استغفار فرمایا۔ حضرت سید علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

"عوام کی توبہ خطا سے ثواب کی طرف ہوتی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلَّذِيْنَ اِذَا

فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ یعنی جب وہ لوگ فاحش کام کر بیٹھتے ہیں یا اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور اپنے گناہوں پر استغفار کرتے ہیں (آل عمران: ۱۳۵)۔ خواص کی توبہ چھوٹی نیکی سے بڑی نیکی کی طرف ہوتی ہے۔ جیسے حضرت سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا تُبْتُ اِلَیْكَ یعنی میں تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں (احقاف: ۱۵)۔ اور محبت کی توبہ اپنے وجود سے خدا کی طرف ہوتی ہے۔ جیسے نبی کریم ﷺ نے فرمایا اِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِیْ كُلِّ یَوْمٍ سَبْعِیْنَ مَرَّةً (بخاری، مشکوٰۃ صفحہ ۲۰۳) یعنی میں اللہ سے ہر روز ستر مرتبہ استغفار کرتا ہوں (کشف المحجوب صفحہ ۳۲۵)۔

امیدِ کرم

تائب کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کو دل سے غفور اور رحیم سمجھے۔ اس مہربان ذات سے اچھا گمان رکھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَا یَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ یعنی اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا؟ (النساء: ۱۴۷)۔ اللہ تعالیٰ ہر گناہگار کو توبہ کی دعوت دیتا ہے اور ہر تائب کی توبہ قبول کرنے کا وعدہ فرماتا ہے۔ وہ تو یہاں تک فرماتا ہے کہ "یہ ہو نہیں سکتا کہ تم توبہ کرو اور اللہ تمہیں عذاب دے" (انفال: ۳۳ کا حاصل)۔

حدیث شریف میں ہے کہ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ یعنی گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں (مشکوٰۃ صفحہ ۲۰۶، المستند صفحہ ۲۵۶)۔

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَلٰى عَفْوِهٖ بَعْدَ قُدْرَتِهٖ وَعَلٰى حِلْمِهٖ بَعْدَ عِلْمِهٖ

اِستغفار کے الفاظ

(۱)۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ (مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۱۸)۔

(۲)۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ (مشکوٰۃ صفحہ ۲۰۵، المستند صفحہ ۲۵۷)۔

(۳)۔ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْر (مشکوٰۃ صفحہ ۲۰۵، المستند صفحہ ۲۵۷)۔

(۴)۔ مندرجہ ذیل استغفار کو محبوب کریم ﷺ نے استغفاروں کا بادشاہ قرار دیا ہے۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰی عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّمَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۳۳، المستند صفحہ ۲۵۷)۔

(۵)۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ (انبیا:۸۷)۔

اِن الفاظ کے علاوہ بھی بے شمار الفاظ قرآن وحدیث میں بیان ہوئے ہیں۔ محض مطالعہ کرنے والوں کیلئے دفتروں کے دفتر بھی کم ہیں لیکن عمل پیرا ہونے والوں کیلئے اتنا کچھ بہت ہے۔

اے میرے بھائیو! اس تحریر کو پڑھ لینے کے بعد سچے دل سے توبہ کریں۔ گناہوں سے باز آجائیں اور اللہ جل مجدہٗ اور اسکے حبیب کریم ﷺ کے دروازے سے چمٹ جائیں۔ انسان خطا کا پتلا ہے اگر خدانخواستہ آئندہ کبھی خطا سرزد ہو جائے تو فوراً اپنے آقا ومولا کی طرف رجوع کریں۔

وَمَا التَّوْفِیْقُ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیْبِهِ الْكَرِیْمِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ اَجْمَعِیْنَ

☆......☆......☆......☆......☆

دُعا

دُعا کے لفظی معنی ہیں "پکارنا"۔ یہ تقریباً ندا کا ہم معنی ہے۔ یہ لفظ موقع محل کے مطابق مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔

مثلاً آواز لگانا جیسے اس آیت میں ہے كَمَثَلِ الَّذِىْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً (البقرہ:۱۷۱)۔

یا نام لینا جیسے اس آیت میں ہے لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا (النور:۶۳)۔

یا پوچھنا اور سوال کرنا جیسے اس آیت میں ہے قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ (بقرہ:۶۸)۔

یا مدد مانگنا جیسے اس آیت میں ہے اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ (انعام:۴۰)۔

یا رغبت دلانا جیسے اس آیت میں ہے وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ (یونس:۲۵)۔

یا طلب کرنا جیسے اس آیت میں ہے وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ (فصلت:۳۱)۔

یا عبادت کرنا جیسے اس آیت میں ہے فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا (الجن:۱۸)۔

یا فخر یہ دعویٰ کرنا جیسے اس آیت میں ہے فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَأْسُنَآ (اعراف:۵)۔

یا دعا مانگنا جیسے اس آیت میں ہے هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ (آل عمران:۳۸)۔

تقریباً یہ ساری تفصیل مفردات راغب صفحہ ۱۷۰ پر موجود ہے۔ ان متعدد معانی میں سے ایک معنی کو دوسری جگہ فٹ کر دینا بہت بڑی خطا اور فساد کی جڑ ہے۔

ہمارا موضوع "دُعا" اپنے معروف معنی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا۔

دُعا مانگنے کا حکم

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ یعنی مجھ سے دُعا مانگو میں قبول کروں گا (المؤمن: ۶۰)۔

وَادْعُوْهُ خَوْفاً وَّطَمَعاً اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ یعنی خوف اور طمع کی حالت میں اس سے دعا کرو بیشک اللہ کی رحمت احسان کرنیوالوں کے قریب ہے (اعراف: ۵۶)۔

اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعاً وَّخُفْيَةً اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ یعنی اپنے رب سے گڑگڑا کر دعا کرو اور چپکے چپکے دعا کرو۔ بے شک وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا (اعراف: ۵۵)۔

حبیب رب العٰلمین ﷺ نے فرمایا مَنْ لَّمْ یَسْئَلِ اللّٰهَ یَغْضَبْ عَلَیْهِ یعنی جو اللہ سے سوال نہ کرے اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے (ترمذی، مشکوٰۃ صفحہ ۱۹۵)۔

سَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ اَنْ یُّسْئَلَ وَاَفْضَلُ الْعِبَادَةِ اِنْتِظَارُ الْفَرَجِ یعنی اللہ سے اس کا فضل مانگو۔ اللہ کو پسند ہے کہ لوگ اس سے سوال کریں اور بہترین عبادت یہ ہے کہ اسکی عطا کا انتظار کیا جائے (ترمذی، مشکوٰۃ صفحہ ۱۹۵، المستدرک صفحہ ۲۵۰)۔

مولانا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں

گر نہ گرید طفل کے جوشد لبن　　گر نہ گرید ابر کے خندد چمن

طفلِ یک روزہ ہمیں داند طریق　　کہ بگریم تا رسد دایہ شفیق

ترجمہ:۔ اگر بچہ نہ روئے تو دودھ کیسے جوش مارے۔ اگر بادل نہ روئے تو باغ کیسے ہنسے۔ ایک دن کا بچہ بھی یہ طریقہ جانتا ہے کہ میں روؤں تا کہ مہربان ماں دودھ پلانے کے لیے آئے۔

دعا کی فضیلت

سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا مَنْ فُتِحَ لَهٗ مِنْکُمْ بَابُ الدُّعَآءِ فُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ الرَّحْمَةِ وَمَا سُئِلَ اللّٰهُ شَیْئاً یَعْنِیْ اَحَبُّ اِلَیْهِ مِنْ اَنْ یُّسْئَلَ الْعَافِیَةَ یعنی تم میں

سے جس پر دعا کا دروازہ کھولا گیا اس پر رحمت کے دروازے کھل گئے۔ اللہ کو سب سے زیادہ پسند یہ ہے کہ اس سے عافیت طلب کی جائے (ترمذی، مشکوٰۃ صفحہ ۱۹۵، المستند صفحہ ۲۴۹)۔

اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ یعنی دعا عبادت کا مغز ہے (ترمذی، مشکوٰۃ، المستند صفحہ ۲۴۹)۔

اِنَّ رَبَّکُمْ حَیِیٌّ کَرِیْمٌ یَسْتَحْیِ مِنْ عَبْدِہٖ اِذَا رَفَعَ یَدَیْہِ اَنْ یَّرُدَّ ھُمَا صِفْراً یعنی بیشک تمہارا رب حیاوالا کریم ہے۔ اس کو اپنے بندے کے اٹھے ہوئے ہاتھ خالی لوٹانے سے حیا آتی ہے (ترمذی، ابوداود، بیہقی، مشکوٰۃ صفحہ ۱۹۵، المستند صفحہ ۲۵۰)۔

دعا مانگنے کے آداب

حدیث شریف میں ہے۔ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَسْتَحِبُّ الْجَوَامِعَ مِنَ الدُّعَاءِ وَیَدَعُ مَاسِوٰی ذٰلِکَ یعنی نبی کریم ﷺ جامع دعا کو پسند فرماتے اور اسکے علاوہ کو چھوڑ دیتے تھے (ابوداود، مشکوٰۃ صفحہ ۱۹۵، المستند صفحہ ۲۵۰)۔

اِنَّ اَسْرَعَ الدُّعَاءِ اِجَابَۃً دَعْوَۃُ الْغَائِبِ لِلْغَائِبِ یعنی سب سے جلدی قبول ہونے والی دعا وہ ہے جو کسی کی غیر موجودگی میں کی جائے (ترمذی، ابوداود، مشکوٰۃ صفحہ ۱۹۵)۔

اُدْعُوا اللّٰہَ وَاَنْتُمْ مُوْقِنُوْنَ بِالْاِجَابَۃِ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَجِیْبُ دُعَاءً مِنْ قَلْبٍ غَافِلٍ لَاہٍ یعنی قبولیت کے یقین کے ساتھ اللہ سے دعا مانگو۔ جان لو کہ اللہ تعالیٰ غفلت اور لا پرواہی سے مانگی گئی دعا کو قبول نہیں فرماتا (ترمذی، مشکوٰۃ صفحہ ۱۹۵، المستند صفحہ ۲۵۰)۔

یُسْتَجَابُ لِلْعَبْدِ مَالَمْ یَدْعُ بِاِثْمٍ اَوْ قَطِیْعَۃِ رَحِمٍ مَا لَمْ یَسْتَعْجِلْ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا الْاِسْتِعْجَالُ قَالَ یَقُوْلُ قَدْ دَعَوْتُ رَبِّیْ وَ قَدْ دَعَوْتُ فَلَمْ اَرَ یُسْتَجَابُ لِیْ فَیَسْتَحْسِرُ عِنْدَ ذٰلِکَ وَیَدَعُ الدُّعَاءَ یعنی بندے کی دعا اس وقت تک قبول ہوتی رہتی ہے جب تک وہ گناہ اور قطع رحم کی دعا نہ مانگے اور جب تک جلد بازی نہ کرے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ جلد بازی کیا ہے۔ فرمایا بندہ کہے کہ میں نے بار بار دعا کی ہے مگر میری دعا قبول

نہیں ہوئی۔ایسی حالت میں تنگ آ کر دعا چھوڑ دے تو یہ جلد بازی ہے (مسلم،المستند صفحہ ۲۵۰)۔

ثَلَاثَةٌ لَاتُرَدُّ دَعْوَتُهُمُ الصَّائِمُ حِيْنَ يُفْطِرُ وَالْإِمَامُ الْعَادِلُ وَدَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ يَرْفَعُهَا اللّٰهُ فَوْقَ الْغَمَامِ وَتُفْتَحُ لَهَا اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَيَقُوْلُ الرَّبُّ وَعِزَّتِيْ لَاَنْصُرَنَّكَ وَلَوْ بَعْدَحِيْنٍ یعنی تین آدمی ایسے ہیں جن کی دعا رد نہیں ہوتی۔روزہ دار جب روزہ کھولنے لگے۔عادل حکمران اور مظلوم۔ان کی دعا کے لیے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اللہ فرماتا ہے مجھے اپنی عزت کی قسم میں تمہاری ضرور مدد کرونگا خواہ کچھ دیر کے بعد سہی (ترمذی،مشکوٰۃ صفحہ ۱۹۵،المستند صفحہ ۲۵۰)۔

دعا قبول کیوں نہیں ہوتی؟

ہماری بعض دعائیں بظاہر مقبول نظر نہیں آتیں۔اس کی کچھ وجوہات مذکورہ بالا احادیث میں آ چکی ہیں۔مکمل تفصیل اس طرح ہے۔

(۱)۔ بے دھیانی اور غفلت میں کی جانے والی دعا قبول نہیں ہوتی (مشکوٰۃ صفحہ ۱۹۵)۔

(۲)۔ رزق حرام کھانے والے کی دعا قبول نہیں ہوتی (مسلم،مشکوٰۃ صفحہ ۲۴۱)۔

(۳)۔ اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں ''وَلَوْ بَعْدَحِيْنٍ'' (ترمذی،مشکوٰۃ صفحہ ۱۹۵)۔

(۴)۔ جو کچھ مانگا جائے اسکی بجائے دوسری چیز عطا ہو جاتی ہے جو بندے کے لیے بہتر ہو (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۰۱)۔

(۵)۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرنے والوں کی دعا قبول نہیں ہوتی (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۰۰،مشکوٰۃ صفحہ ۴۳۶)۔

(۶)۔ دعا کے ساتھ درود شریف نہ پڑھا جائے تو پھر بھی دعا قبول نہیں ہوتی (ترمذی،مشکوٰۃ صفحہ ۸۷)۔

(۷)۔ جو شخص مشکل میں مدد چاہتا ہو اُسے چاہیے کہ آسانی کے وقت میں کثرت سے دعا کیا کرے (ترمذی جلد ۱ صفحہ ۱۷۵،المستند صفحہ ۲۵۵)۔

اور کہاں جائیں؟

دعا بذاتِ خود ایک عبادت ہے۔ دعا میں جو کچھ مانگا وہ ملے نہ ملے، دعا بہرحال کرتے رہنا چاہیے۔ اپنے رب کی بارگاہ سے ہٹنا نہیں چاہیے اور جلد بازی نہیں کرنی چاہیے۔

دو بزرگ حج کر رہے تھے۔ طوافِ کعبہ کے دوران لبّیك لبّیك کی صدائیں بلند کر رہے تھے۔ ایک بزرگ نے دوسرے سے فرمایا کہ آپ کی لبیک کے جواب میں لَا لَبّیکَ (تیری کوئی لبیک نہیں) کا جواب آ رہا ہے۔ انہوں نے فرمایا میں یہ جواب چالیس سال سے سن رہا ہوں۔ لیکن میں اس کا در چھوڑ کر اور کہاں جاؤں؟ حاضر رہنا میرا کام ہے۔ قبول فرمانا اس کا کام ہے۔ اُن کی اس ثابت قدمی پر فوراً اللہ کریم کی طرف سے جواب آیا کہ تمہاری یہ لبّیك بھی قبول ہوئی اور گزشتہ چالیس سال کی لبّیك بھی قبول ہوئی۔

مولانا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں

چوں نشینی بر سرِ کوے کسے عاقبت بینی تو ہم روئے کسے

گفت پیغمبر کہ چوں کوبی درے عاقبت زاں در بروں آید سرے

ترجمہ:۔ جب تو محبوب کے دروازے پر ڈیرہ ہی جمالے گا تو تجھے ایک دن اس کا چہرہ دیکھنا ضرور نصیب ہوگا۔ جب تو دروازے پر مسلسل دستک دیتا رہے گا تو ایک دن محبوب باہر ضرور نکلے گا۔

حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

جے لیلاء لیلاء نہ لھیں تاں پن لیلا ءِ جیح

آ سرد م لاءِ جح جو جن ہا جھینڈ ژ گھڻو

ترجمہ۔ اگر منت کرتے کرتے تھک جاؤ تو پھر بھی منت ہی کرتے جاؤ۔ منت کرتے رہنے والوں کو جب یار نوازتا ہے تو خوب نوازتا ہے۔

دعا میں توسّل

سخت، مشکل اور مافوق العادت کاموں کے لیے اللہ تعالیٰ کو منانے کا بہترین طریقہ یہ

ہے کہ اسکے پیاروں کا واسطہ دیا جائے اور اُنکے توسّل سے دعا کی جائے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْآ اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا یعنی جب یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو (اے محبوب) یہ آپکے پاس آ جائیں۔اللہ سے معافی مانگیں اور رسول انکے لیے معافی مانگے تو اللہ کو توبہ قبول کرنیوالا مہربان پائیں گے (النساء: ۶۴)۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان کا طریقہ یہ تھا کہ اپنے مسائل اور مشکلات کو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے اور ان کا حل چاہتے تھے۔حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں۔

فَمِنْهُمْ ذُو الْحَاجَةِ وَمِنْهُمْ ذُوا الْحَاجَتَيْنِ وَمِنْهُمْ ذُوا الْحَوَائِجِ فَيَتَشَاغَلُ بِهِمْ وَيَشْغُلُهُمْ فِيْمَا يُصْلِحُهُمْ یعنی لوگوں میں کوئی ایک حاجت لے کر آتا کوئی دو حاجتیں لے کر اور کوئی کئی حاجات لے کر آتا تھا۔آپ ﷺ سب کی حاجتیں پوری فرمایا کرتے تھے (شمائل ترمذی صفحہ ۲۴)۔

نبی کریم ﷺ کے پاس ایک نابینا صحابی حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ مجھے آنکھیں چاہئیں۔آپ ﷺ نے فرمایا اگر صبر کرو تو اچھا ہے۔انہوں نے عرض کیا مجھے آنکھیں ہی چاہئیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تازہ وضو کرو اور دو رکعت پڑھ کر یہ دعا کرو۔صحابی نے اسی طرح کیا اور آنکھیں درست ہو گئیں۔دعا یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَّبِيِّ الرَّحْمَةِ يَانَبِيَّ اللّٰهِ اِنِّیْ اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰى رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ هٰذِهٖ لِتُقْضٰى لِیْ اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِیَّ یعنی اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی رحمت محمد کے ذریعے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔یا نبی اللہ میں آپکا وسیلہ لیکر اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ میری یہ حاجت پوری ہو۔اے اللہ! میرے بارے میں اپنے نبی کی شفاعت قبول فرما (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۹۸، ابن ماجہ صفحہ ۹۹، المستدرک صفحہ ۱۸)۔

نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد بھی آپ ﷺ سے توسل، اُمت کا طریقہ چلا آ رہا ہے۔

مذکورہ بالا حدیث کے راوی حضرت عثمان بن حنیف ﷜ ہیں۔ حضرت عثمان غنی ﷜ کے دور میں ایک آدمی بار بار حضرت عثمان کی خدمت میں کسی کام کے لیے حاضر ہوتا تھا مگر اس کی بات نہیں سنی جاتی تھی۔ حضرت عثمان بن حنیف ﷜ نے اسے مشورہ دیا کہ حضور کریم ﷺ کے وسیلہ والی یہی دعا پڑھ کر حضرت عثمان غنی کے پاس جاؤ۔ وہ آدمی یہی دعا پڑھ کر حضرت عثمان کے دروازے پر گیا تو دربان نے آ کر آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور حضرت عثمان کے پاس لے گیا۔ انہوں نے اسے اپنے پاس چٹائی پر بٹھا لیا اور حاجت پوچھی۔ اس نے اپنی حاجت بتائی اور آپ نے اس کی حاجت پوری کر دی۔ پھر فرمایا کہ تم نے مجھے اپنا مسئلہ پہلے کیوں نہیں بتایا؟ آئندہ بھی اگر کوئی مسئلہ ہو تو فوراً آ جایا کرو۔ پھر وہ آدمی وہاں سے نکلا اور حضرت عثمان بن حنیف کے پاس آ کر یہ دعا سکھانے کا شکریہ ادا کیا (طبرانی صغیر جلد ۱ صفحہ ۳۰۷ وقال الحدیث صحیح، طبرانی کبیر جلد ۹ صفحہ ۳۰۔۳۱، المستند صفحہ ۱۸)۔

محمد بن حرب فرماتے ہیں کہ میں قبرِ انور کی زیارت کر کے سامنے بیٹھا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور زیارت کر کے عرض کیا، یا خیر الرسل اللہ تعالیٰ نے آپ پر سچی کتاب نازل فرمائی جس میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ، میں آپ کے پاس اپنے گناہوں سے استغفار کرتا ہوا اور اپنے رب کے حضور میں آپکے وسیلہ سے شفاعت چاہتا ہوا آیا ہوں۔ پھر دو شعر پڑھے،

اَتَيْتُكَ رَاجِلًا وَوَدِدْتُ اَنِّي ۔۔۔ مَلَكْتُ سَوَادَ عَيْنِيْ اُمْتَطِيْهِ

وَمَالِيْ لَا اُسِيْرُ عَلَى الْمَآقِيْ ۔۔۔ اِلٰى قَبْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ فِيْهِ

ترجمہ:۔ ''میں پیدل چل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ لطف نہیں آیا۔ کاش میری پلکیں میرا کہنا مانتیں اور میں پلکوں پر سوار ہو کر حاضر ہوتا'' (الوفا صفحہ ۸۰۱، المستند صفحہ ۲۰۳)۔

بلکہ نور الایضاح جو ایک درسی کتاب ہے اور احناف کے تمام مدارس میں سبقاً پڑھائی جاتی ہے اس میں پوری امت کو یہی طریقہ سکھایا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ

ظَلَمُوْا پوری آیت پڑھ کر آپ ﷺ سے براہِ راست شفاعت کا طلبگار ہو۔اور کہے اَلشَّفَاعَةَ اَلشَّفَاعَةَ اَلشَّفَاعَةَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ (نورالایضاح صفحہ۱۹۱)۔

حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے روضۂ اقدس پر جا کر بارش کے لیے عرض کیا۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں خواب میں فرمایا کہ بارش ضرور ہوگی۔عمر کو میرا اسلام کہنا اور انہیں کہنا کہ احتیاط سے کام لیں (المصنف جلد۷ صفحہ۴۸۲)۔

ایک مرتبہ بارش نہیں ہو رہی تھی۔لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ مسئلہ عرض کیا۔آپ نے فرمایا نبی کریم ﷺ کی قبرِ انور میں آسمان کی طرف سوراخ کر دو۔جلوۂ محبوب کو بے حجاب دیکھ کر ابرِ رحمت برسنے لگا (مشکوٰۃ صفحہ۵۴۵)۔

ایک شخص نے سو قتل کیے تھے۔معافی حاصل کرنے کے لیے اللہ والوں کے پاس جا رہا تھا کہ راستے میں ہی فوت ہو گیا۔اللہ تعالیٰ نے اُسے بخش دیا (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ صفحہ۲۰۳)۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے بارش کی دعا کی (بخاری جلد۱ صفحہ۱۳۷، المستند صفحہ۱۸)۔

حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کی توبہ نبی کریم ﷺ کے وسیلے سے قبول ہوئی (الوفا لابن الجوزی صفحہ۳۳، طبرانی صغیر جلد۲ صفحہ۱۸۲، المستند صفحہ۱۹)۔

نبی کریم ﷺ کی اس دنیا میں تشریف آوری سے پہلے اہلِ حق آپ کے وسیلے سے دعائیں کرتے تھے۔وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا یعنی یہ لوگ کافروں کے مقابلے پر (آپ کے وسیلے سے) فتح حاصل کیا کرتے تھے (بقرہ:۸۹)۔

نبی اور غیر نبی سے حیاتِ ظاہریہ میں اور بعد از وصال ہر حال میں توسل ثابت ہوا۔یہ توسل مباح ہے۔مباح ہونے کے لیے ممانعت کا نہ ہونا ہی ثبوت ہے۔چہ جائیکہ بے شمار دلائل اور مضبوط براہین سے اس کا ثبوت مل رہا ہے۔

چند دُعائیں

(۱)۔ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ یعنی اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا (البقرہ:۲۰۱)۔

(۲)۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ یعنی اے ہمارے رب ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر۔ ہمیں اپنی خاص رحمت سے نواز بیشک تو خاص نوازنے والا ہے (آل عمران:۸)۔

(۳)۔ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ یعنی میرے رب میرے لیے میرے سینے کو کھول دے اور میرے لیے میرا کام آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ کھول دے تا کہ یہ میری بات سمجھیں (طٰہٰ:۲۵تا۲۸)۔

(۴)۔ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا یعنی اے میرے رب میرے علم میں اضافہ فرما (طٰہٰ:۱۱۴)۔

(۵)۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ خَطِیْئَتِیْ وَجَهْلِیْ وَاِسْرَافِیْ فِیْ اَمْرِیْ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ جِدِّیْ وَهَزْلِیْ وَخَطَئِیْ وَعَمَدِیْ وَكُلُّ ذٰلِكَ عِنْدِیْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ وَاَنْتَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ یعنی اے اللہ میری خطاؤں اور جہل اور بے اعتدالی کو معاف فرما اور وہ جو تو مجھ سے بہتر جانتا ہے۔ اے اللہ میری سنجیدگی، مذاق، خطا اور عمد کو معاف فرما۔ یہ سب کچھ میرے پاس موجود ہے۔ اے اللہ جو کچھ میں نے مقدم کیا اور جو کچھ مؤخر کیا۔ اور جو کچھ میں نے چھپ کر کیا اور جو کچھ میں نے اعلانیہ کیا اور جو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ سب بخش دے۔ تو ہی مقدم و مؤخر کرنیوالا ہے اور تو ہر چیز پر قادر ہے (مسلم، بخاری،

مشکوٰۃ صفحہ ۲۱۸، المستند صفحہ ۲۵۱)۔

(۶)۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدِّيْنِ وَالدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ یعنی اے اللہ ہم تجھ سے دین، دنیا اور آخرت میں عفو و درگزر کا سوال کرتے ہیں (ماخوذ از مشکوٰۃ صفحہ ۲۱۹)۔

(۷)۔ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ كُلِّهَا مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ یعنی میں اللہ کے کامل کلمات کی پناہ میں آتا ہوں ہر اُس چیز کے شر سے جو اُس نے پیدا کی (مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۲۱۳)۔

(۸)۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ یعنی اے اللہ ہم تجھے دشمن کے مقابلے پر آگے کرتے ہیں اور ان کے شر سے تیری پناہ میں آتے ہیں (احمد، ابوداؤد، مشکوٰۃ صفحہ ۲۱۵، المستند صفحہ ۲۵۳)۔

(۹)۔ اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْ فَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَاَصْلِحْ لِيْ شَأْنِيْ كُلَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ یعنی اے اللہ میں تیری رحمت کی امید رکھتا ہوں۔ مجھے میرے نفس کے حوالے ایک لحہ کے لیے بھی نہ کر اور میرے تمام معاملات درست کر دے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں (ابوداؤد، مشکوٰۃ صفحہ ۲۱۵، المستند صفحہ ۲۵۱)۔

(۱۰)۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعِجْزِ وَالْكَسَلِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَقَهْرِ الرِّجَالِ یعنی اے اللہ میں تیری پناہ میں آتا ہوں۔ غم و حزن سے، عجز اور کاہلی سے۔ بخل اور بزدلی سے، قرض کی زیادتی اور لوگوں کے قہر و غلبہ سے (ابوداؤد، مشکوٰۃ صفحہ ۲۱۵، المستند صفحہ ۲۵۳)۔

(۱۱)۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَالْمَغْرَمِ وَالْمَأْثَمِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ وَفِتْنَةِ النَّارِ وَفِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْغِنٰى وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْفَقْرِ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ بِمَاءِ الثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّ قَلْبِيْ كَمَا يُنَقَّ الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ

وَبَاعِدْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ خَطَایَایَ کَمَا بَاعَدْتَّ بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ یعنی اے اللہ میں تیری پناہ میں آتا ہوں۔ کاہلی، بڑھاپے، خسارے اور گناہ سے۔ اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں آگ کے عذاب سے اور آگ کے فتنے سے اور قبر کے فتنے سے اور قبر کے عذاب سے۔ غنیٰ کے فتنے کے شر سے اور فقر کے فتنے کے شر سے اور مسیح دجال کے فتنے کے شر سے۔ اے اللہ میری خطاؤں کو برف اور ٹھنڈک کے پانی سے دھوڈال۔ اور میرے دل کو اس طرح پاک کردے جس طرح سفید کپڑا میل سے صاف ہوکر چمکیلا ہو جاتا ہے۔ میرے اور میری خطاؤں کے درمیان اتنا فاصلہ پیدا کردے جتنا مشرق اور مغرب کے درمیان فاصلہ ہے (مسلم، بخاری، مشکوٰۃ صفحہ ۲۱۶)۔

(۱۲)۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْاَرْبَعِ مِنْ عِلْمٍ لَا یَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَا یَخْشَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ وَمِنْ دُعَاءٍ لَا یُسْمَعُ یعنی اے اللہ میں چاروں چیزوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ بے فائدہ علم، بے خوف قلب، نہ بھرنے والا نفس اور نہ قبول ہونے والی دعا (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی، مشکوٰۃ صفحہ ۲۱۷، المستند صفحہ ۲۵۱)۔

(۱۳)۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ وَالْعَمَلَ الَّذِیْ یُبَلِّغُنِیْ حُبَّکَ، اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ وَمَالِیْ وَاَھْلِیْ وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ یعنی اے اللہ میں تجھ سے تیری محبت مانگتا ہوں اور اس کی محبت مانگتا ہوں جو تجھ سے محبت کرتا ہو اور وہ عمل کرنے کی توفیق مانگتا ہوں جو مجھے تیری محبت تک پہنچادے۔ اے اللہ تو اپنی محبت میری جان، مال، اہل وعیال اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ پیاری بنادے (ترمذی، المستند صفحہ ۲۵۱)۔

(۱۴)۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا عَمِلْتُ وَمِنْ شَرِّ مَا لَمْ اَعْمَلْ یعنی اے اللہ میں تیری پناہ میں آتا ہوں اس عمل سے جو میں نے کیا اور اس عمل سے جو میں نے نہیں کیا (مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۲۱۷)۔

(۱۵)۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ یعنی اے اللہ میں تیری پناہ میں آتا ہوں بدبختی سے، منافقت سے اور برے اخلاق سے (ابوداؤد، نسائی،

مشکوٰۃ صفحہ ۲۱۷)۔

(۱۶)۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الصِّحَةَ وَالْعِفَّةَ وَالْاَمَانَةَ وَحُسْنَ الْخُلُقِ وَالرِّضٰی بِـالْقَدَرِ یعنی اے اللہ میں تجھ سے صحت، عافیت، حسن اخلاق اور تقدیر پر راضی رہنے کا سوال کرتا ہوں (بیہقی، مشکوٰۃ صفحہ ۲۲۰)۔

مخصوص اوقات میں پڑھنے کی دعائیں

کھانا شروع کرنے کی دعا

۱۔ بِسْمِ اللّٰهِ وَ عَلٰی بَرَكَةِ اللّٰه یعنی اللہ کے نام سے اور اللہ کی برکت سے (مستدرک حاکم جلد ۵ صفحہ ۳۶)۔

۲۔ اگر کوئی شخص کھانا شروع کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو یاد آنے پر یہ پڑھے۔ بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهٗ وَآخِرَهٗ یعنی اللہ کے نام سے، اس سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی (ابوداؤد، ترمذی، المستند صفحہ ۲۵۴)۔

کھانا کھانے کے بعد کی دعا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ یعنی اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں کھانا کھلایا اور پانی پلایا اور ہمیں مسلمانوں میں سے بنایا (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، المستند صفحہ ۲۵۴)۔

پانی پینے کا طریقہ اور دعا

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اونٹ کی طرح ایک ہی سانس میں پانی مت پیا کرو بلکہ دو تین سانسوں میں پیا کرو۔ پانی پینے سے پہلے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ یعنی "اللہ کے نام سے شروع جو نہایت رحم کرنے والا مہربان ہے" پڑھا کرو۔ اور پانی پینے کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ پڑھا کرو (ترمذی)۔

دودھ پینے کے بعد کی دعا

اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْهِ وَزِدْنَا مِنْهُ یعنی اے اللہ ہمارے لیے اِس میں برکت ڈال اور ہمارے لیے اِس میں اضافہ فرما (ابوداؤد، ترمذی، المستد صفحہ ۲۵۴)۔

افطاری کی دعا

اَللّٰھُمَّ اِنِّی لَكَ صُمْتُ وَ عَلٰی رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ یعنی اے اللہ میں نے تیرے لیے روزہ رکھا اور تیرے رزق سے افطار کیا (مشکوۃ صفحہ ۱۷۵)۔

سونے اور جاگنے کی دعا

سوتے وقت اپنا ہاتھ رخسار کے نیچے رکھ کر یہ دعا پڑھنی چاہیے اَللّٰھُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْیٰ یعنی اے اللہ میں تیرے نام سے مرتا اور جیتا ہوں۔ اور جب صبح جاگیں تو یہ دعا پڑھنی چاہیے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ یعنی اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں موت کے بعد زندہ کیا اور ہم نے اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے (بخاری، مسلم، المستد صفحہ ۲۵۲)۔

مرغ کی آواز اور گدھے کی آواز سن کر کیا پڑھیں

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب مرغ کی آواز سنو تو پڑھو اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ یعنی اے اللہ میں تجھ سے تیرا فضل مانگتا ہوں، مرغ نے فرشتے کو دیکھا ہوتا ہے۔ اور جب گدھے کی آواز سنو تو اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھا کرو، اس نے شیطان کو دیکھا ہوتا ہے (مسلم، بخاری، المستد صفحہ ۲۵۲)۔

سواری پر بیٹھنے کی دعا

نبی کریم ﷺ جب شتر پر سوار ہوجاتے تو تین بار اللہ اکبر فرماتے پھر فرماتے سُبْحٰنَ الَّذِیْ

سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ، اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ فِيْ سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَ التَّقْوٰى وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰى ، اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا هٰذَا وَاطْوِ لَنَا بُعْدَهٗ ، اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِي الْاَهْلِ ، اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمَنْظَرِ وَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِي الْمَالِ وَالْاَهْلِ یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے لیے مسخر فرمایا اور بے شک ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اے اللہ ہم اپنے اس سفر میں تجھ سے نیکی اور تقویٰ کا سوال کرتے ہیں اور اس عمل کا سوال کرتے ہیں جس سے تو راضی ہو۔ اے اللہ ہمارے اس سفر کو ہمارے لیے آسان بنا دے اور اس کی دوریاں ہمارے لیے سمیٹ دے۔ اے اللہ سفر میں تو ہی ساتھی ہے اور گھر والوں کا نگہبان ہے۔ اے اللہ میں سفر کی صعوبتوں سے اور برے مناظر سے اور مال اور اہل میں بری واپسی سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور جب واپس تشریف لاتے تو یہی الفاظ فرماتے اور ان الفاظ کا اضافہ بھی فرماتے آئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ یعنی ہم توبہ کرتے ہوئے، اللہ کی عبادت کرتے ہوئے اور اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے واپس آتے ہیں (مسلم، المستند صفحہ ۲۵۲)۔

منزل مقصود پر پہنچ کر پڑھنے کی دعا

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص منزل مقصود پر پہنچنے کے بعد یہ پڑھے اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ یعنی میں اللہ کے کمل کلمات کی پناہ میں آتا ہوں ہر اس چیز سے جو اس نے پیدا کی ہے، تو اسے وہاں سے رخصت ہونے تک کوئی چیز نقصان نہیں پہنچائے گی (مسلم، المستند صفحہ ۲۵۲)۔

چاند دیکھنے کی دعا

نبی کریم ﷺ جب چاند دیکھتے تو یہ دعا پڑھتے تھے اَللّٰهُمَّ اَهِلَّهٗ عَلَيْنَا بِالْاَمْنِ

وَالْاِیْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْاِسْلَامِ رَبِّی وَرَبُّكَ اللّٰهُ یعنی اے اللہ اس چاند کو ہم پر امن اور ایمان کے ساتھ، سلامتی اور اسلام کے ساتھ طلوع فرما۔ اے چاند تیرا اور میرا رب اللہ ہے (ترمذی، المستند صفحہ ۲۵۲)۔

بیمار کو دیکھ کر پڑھنے کی دعا

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی آدمی کسی بیمار کو دیکھ کر یہ دعا پڑھے تو وہ بیماری اسے نہیں لگے گی خواہ کچھ بھی ہو جائے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا یعنی اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اُس مرض سے بچایا جس میں تجھے اُس نے مبتلا کیا اور اپنی اکثر مخلوقات پر مجھے خوب فضیلت سے نوازا (ترمذی، المستند صفحہ ۲۵۲)۔

بیمار پرسی کے وقت پڑھنے کی دعا

رسول اللہ ﷺ جب کسی بیمار کے پاس تشریف لے جاتے تو سیدھا ہاتھ مبارک اس کے جسم پر پھیرتے اور فرماتے اَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُكَ شِفَاءً لَا یُغَادِرُ سَقَمًا یعنی اے لوگوں کے رب بیماری کو ہٹا دے اور شفا عطا فرما دے، تو ہی شفا دینے والا ہے تیری شفا کے سوا کوئی شفا نہیں، وہ ایسی شفا ہے جو مرض کا نشان تک نہیں رہنے دیتی (بخاری، مسلم، المستند صفحہ ۲۵۴)۔

چھینک آئے تو کیا پڑھیں

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کسی شخص کو چھینک آئے تو اسے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہنا چاہیے اور اس کا ساتھی جب یہ سنے تو کہے یَرْحَمُكَ اللّٰهُ یعنی اللہ تجھ پر رحم فرمائے۔ پھر چھینکنے والا یہ کہے یَهْدِیْكُمُ اللّٰهُ وَ یُصْلِحُ بَالَكُمْ یعنی اللہ آپ کو ہدایت پر رکھے اور آپ کے معاملات درست فرمادے (مشکوٰۃ، المستند صفحہ ۲۵۴)۔

جمائی کے وقت کیا کریں

حضور ﷺ نے فرمایا کہ جمائی شیطان کی طرف سے ہے، جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو اسے دبانے کی کوشش کرے جب کسی کو جمائی آتی ہے تو شیطان ہنستا ہے (مشکوۃ صفحہ ۴۰۵)۔

بازار میں چلتے وقت پڑھنے کی دعا

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص بازار میں داخل ہو تو یہ دعا پڑھے لَا اِلٰـــهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ یعنی "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ واحد لاشریک ہے۔ اُسی کا ملک ہے اور اُسی کی تعریف ہے، وہی زندہ کرتا ہے اور وہی موت دیتا ہے، وہ خود زندہ ہے اُسے کبھی موت نہیں آئے گی، اُسی کے ہاتھ میں بھلائی ہے اور وہ ہر چاہت پر قادر ہے"۔ اللہ تعالیٰ اسکے نامۂ اعمال میں دس لاکھ نیکیاں لکھ دے گا، دس لاکھ گناہ معاف کر دے گا، دس لاکھ درجات بلند کر دے گا اور اس کا گھر جنت میں بنائے گا (ترمذی، ابن ماجہ، المستدر صفحہ ۲۵۲)۔

مجلس میں پڑھنے کی دعا

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی مجلس میں بیٹھا اور کثرت سے باتیں کیں، پھر کھڑا ہونے سے پہلے اس نے یہ دعا پڑھ لی سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ یعنی "اے اللہ تو پاک ہے اور تیری ہی حمد ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، میں تجھ سے بخشش مانگتا ہوں اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں"۔ تو اللہ تعالیٰ اس مجلس میں ہونے والی اس کی ہر غلطی معاف فرما دے گا (ترمذی، المستدر صفحہ ۲۵۳)۔

کسی قوم سے خوف کے وقت کی دعا

حضور ﷺ کو جب کسی قوم سے خطرہ ہوتا تو آپ ﷺ یہ دعا پڑھتے اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِي نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ یعنی اے اللہ ہم تجھے انکی کوششوں کے مقابلے پر

درمیان میں لاتے ہیں اور انکے شر سے تیری پناہ میں آتے ہیں (احمد، ابوداؤد، مشکوۃ صفحہ ۲۱۵)۔

مشکل کے وقت کی دعا

نبی کریم ﷺ کو جب پریشانی لاحق ہوتی تو آپ ﷺ فرماتے یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ یعنی اے زندہ اور قائم رکھنے والے میں تیری رحمت سے مدد مانگتا ہوں (ترمذی، مشکوۃ صفحہ ۲۱۶، المستند صفحہ ۲۵۳)۔

قرض کی ادائیگی کے لیے دعا

سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مقروض آدمی نے قرض کی شکایت کی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تمہیں ایسے کلمات سکھاتا ہوں جو مجھے رسول اللہ ﷺ نے سکھائے ہیں۔ اگر بڑے پہاڑ کے برابر بھی تجھ پر قرض ہوگا تو اللہ تعالیٰ اسے ادا کر دے گا۔ اَللّٰهُمَّ اكْفِنِیْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ یعنی اے اللہ مجھے حرام سے بچا کر اپنے حلال کے ذریعے میری کفایت فرما اور اپنے فضل سے مجھے اپنے سواہ ہر کسی سے بے نیاز کر دے (ترمذی، المستند صفحہ ۲۵۳)۔

بیوی کے پاس جاتے وقت پڑھنے کی دعا

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس جانے کا ارادہ کرے تو یہ دعا پڑھے بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطٰنَ وَجَنِّبِ الشَّيْطٰنَ مَا رَزَقْتَنَا یعنی "اللہ کے نام سے شروع، اے اللہ ہمیں شیطان سے بچا اور جو تو ہمیں اولاد دے اُسے شیطان سے دور رکھ"۔ اگر انکے نصیب میں اولاد ہے تو اسے شیطان کبھی نہیں چھو سکے گا (مسلم، بخاری، المستند صفحہ ۲۵۳)۔

چڑھائی پر چڑھنے اور اترنے کی دعا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم جب بلندی پر چڑھتے تھے تو اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہتے تھے

اور جب نیچے اترتے تھے تو سُبْحَانَ اللّٰہ کہتے تھے (بخاری، المسند صفحہ ۲۵۳)۔

مسجد کو دیکھ کر پڑھنے کی دعا

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب جنت کے باغیچوں کے پاس سے گزرو تو کچھ چر لیا کرو۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ جنت کے باغیچے کون سے ہیں؟ فرمایا مسجدیں۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ چرنے سے کیا مراد ہے؟ فرمایا پڑھا کرو سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ یعنی اللہ پاک ہے اور اللہ کے لیے ساری حمد ہے اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ بڑا ہے (ترمذی، المسند صفحہ ۲۵۵)۔

مسجد میں داخل ہونے کی دعا

اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِی اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ یعنی اے اللہ مجھ پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دے (مسلم، المسند صفحہ ۲۵۴)۔

مسجد سے نکلنے کی دعا

اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ یعنی اے اللہ میں تجھ سے تیرے فضل کا سوال کرتا ہوں (مسلم، المسند صفحہ ۲۵۴)۔

بیت الخلاء میں داخل ہونے کی دعا

اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَعُوذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ یعنی اے اللہ میں خباثت اور خبیثوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں (مسلم، بخاری، المسند صفحہ ۲۵۴)۔

بیت الخلاء سے نکلنے کی دعا

غُفْرَانَكَ یعنی اے اللہ مجھے (کچھ دیر غافل رہنے پر) معاف کردے (ترمذی، ابن

ماجہ، دارمی، المستند صفحہ ۲۵۴)۔

نیا کپڑا پہننے کی دعا

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کپڑا پہنا اور یہ دعا پڑھی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ کَسَانِیْ هٰذَا وَرَزَقَنِیْهِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّةٍ یعنی اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے یہ لباس پہنایا اور میری ہمت اور طاقت کے بغیر مجھے عطا کر دیا۔ اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف ہو گئے (ابوداؤد، المستند صفحہ ۲۵۵)۔

مصافحہ کرتے وقت پڑھنے کی دعا

نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب دو مسلمان آپس میں ملاقات کرتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں اور اَلْحَمْدُ لِلّٰه، اَسْتَغْفِرُاللّٰه یعنی "سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، میں اللہ سے بخشش مانگتا ہوں"۔ پڑھتے ہیں تو اللہ ان دونوں کی مغفرت کر دیتا ہے (ابن ماجہ، المستند صفحہ ۲۵۵)۔

آئینہ دیکھنے کی دعا

نبی کریم ﷺ جب آئینہ دیکھتے تو یہ دعا فرماتے اَللّٰهُمَّ اَحْسَنْتَ خَلْقِیْ فَاَحْسِنْ خُلُقِیْ یعنی اے اللہ تو نے میری صورت کو اچھا بنایا، میرے اخلاق کو بھی اچھا بنا دے (احمد، المستند صفحہ ۲۵۵)۔

کڑک اور بجلی کی آواز سن کر پڑھنے کی دعا

اَللّٰهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِصَعِقِكَ وَلَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذَالِكَ یعنی اے اللہ ہمیں اپنی بجلیوں کے ذریعے قتل نہ کر اور ہمیں اپنے عذاب کے ذریعے ہلاک نہ فرما اور ان باتوں سے پہلے ہمیں معاف کر دے (بخاری، المستند صفحہ ۲۵۵)۔

بارش مانگنے کی دعا

اَللّٰھُمَّ اَغِثْنَا ، اَللّٰھُمَّ اَغِثْنَا ، اَللّٰھُمَّ اَغِثْنَا یعنی اے اللہ ہمیں بارش دے، اے اللہ ہمیں بارش دے، اے اللہ ہمیں بارش دے (مسلم، بخاری، المستند صفحہ ۲۵۵)۔

بارش روکنے کے لیے دعا

اَللّٰھُمَّ حَوَالَیْنَا وَلَا عَلَیْنَا ، اَللّٰھُمَّ عَلَی الْاٰکَامِ وَالظِّرَابِ وَ بُطُوْنِ الْاَوْدِیَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ یعنی اے اللہ اِسے ہمارے اردگرد لے جا، ہمارے اوپر نہ رہنے دے، اے اللہ اِسے چٹانوں پر، کھردرے پتھروں پر، وادیوں کے مراکز میں اور درختوں کے اُگنے کی جگہ پر برسا (مسلم، بخاری، المستند صفحہ ۲۵۵)۔

طوفان کے وقت پڑھنے کی دعا

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُكَ خَیْرَھَا وَخَیْرَ مَا فِیْھَا وَخَیْرَ مَا اُرْسِلَتْ بِهٖ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّھَا وَشَرِّمَا فِیھَا وَشَرِّمَا اُرْسِلَتْ بِهٖ یعنی اے اللہ میں تجھ سے اِسکی بھلائی کا سوال کرتا ہوں، اور جو کچھ اِس کے اندر ہے اُس کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں اور جو کچھ اِس کے ذریعے سے بھیجا گیا ہے اُس کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں۔ اور میں اِسکے شر سے، اور جو کچھ اِسکے اندر ہے اُسکے شر سے اور جو کچھ اس کے ذریعے سے بھیجا گیا ہے اُس کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں (مسلم، المستند صفحہ ۲۵۵)۔

وضو کے بعد دعا

حضرت عمر ﷜ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کامل وضو کرے اور بعد میں یہ کلمات پڑھے، اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْكَ لَهٗ وَ اَشْھَدُاَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ یعنی میں

گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ واحد ہے اُس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اُس کے بندے اور رسول ہیں (مشکوٰۃ، المستند صفحہ ۱۱۰)۔

سجدۂ تلاوت کی دعا

حضور ﷺ نے سجدۂ تلاوت میں تین بار یہ دعا پڑھی سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهٗ وَصَوَّرَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ بِحَوْلِهٖ وَقُوَّتِهٖ یعنی میرا چہرہ اسکے آگے سجدہ ریز ہوا جس نے اسے خلق کیا اور صورت عطا فرمائی اور اسمیں سننے دیکھنے کے آلات نصب فرمائے (مشکوٰۃ صفحہ ۹۴)۔

اذان کا جواب

اذان توجہ سے سُنی چاہیے۔ سننے والے کو چاہیے کہ مؤذن کے کلمات خود بھی آہستہ آہستہ دہرائے لیکن حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ اور حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ سن کر کہے۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ (مشکوٰۃ صفحہ ۶۵)۔

اذان کے بعد پڑھنے کی دعا

نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس نے اذان سُن کر یہ پڑھا اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَ نِ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ یعنی "اے اللہ، اے اِس مکمل دعوت کے رب اور اِس کے نتیجے میں کھڑی ہونے والی نماز کے رب، محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما، اور اُن کو اُس مقامِ محمود پر پہنچا دے جس کا تو نے اُن سے وعدہ فرمایا ہے" قیامت کے دن میری شفاعت اس کے لیے حلال ہوگئی (بخاری، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، المستند صفحہ ۱۲۱)۔

صبح وشام پڑھنے کی دعا

۱۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ہر صبح وشام

تین مرتبہ یہ پڑھے تو اسے کسی چیز سے نقصان نہ پہنچے گا بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ یعنی اللہ کے نام سے، جسکے نام کی برکت سے زمین اور آسمان کی کوئی چیز نقصان نہیں پہنچاتی، اور وہ سننے والا علم والا ہے (مشکوٰۃ صفحہ ۲۰۹)۔

۲۔ حضرت ابو درداء ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص صبح وشام سات بار یہ وظیفہ پڑھے اللہ تعالیٰ اسکے دین و دنیا کے تمام فکر دور کر دیتا ہے خواہ وہ دل سے نہ بھی پڑھے حَسْبِیَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ یعنی میرے لیے اللہ کافی ہے، اُسکے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اُسی پر میرا توکل ہے اور وہ عرشِ عظیم کا مالک ہے (ابوداؤد، قرطبی جلد ۸ صفحہ ۲۷۵)۔

میت کو قبر میں اتارتے وقت

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب میت کو قبر میں اتارتے تو یہ پڑھتے۔ بِسْمِ اللّٰهِ وَ عَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ یعنی اللہ کے نام سے اور رسول اللہ ﷺ کی ملت پر (تجھے قبر میں رکھا جا رہا ہے: مشکوٰۃ، المستدر صفحہ ۱۷۰)۔

قبرستان میں پڑھنے کی دعا

اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ یَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ یَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ اَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ یعنی اے قبروں والو! تم پر سلام ہو۔ اللہ ہماری بھی مغفرت کرے اور تمہاری بھی۔ تم ہم سے پہلے آ چکے ہو اور ہم تمہارے پیچھے آنے والے ہیں (ترمذی، المستدر صفحہ ۱۷۵)۔

شب برأت اور لیلۃ القدر کو مانگنے کی دعا

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ یعنی اے اللہ تو معاف کرنے والا ہے، معافی کو پسند فرماتا ہے، مجھے معاف کر دے (ابن ماجہ صفحہ ۲۷۴، مشکوٰۃ صفحہ ۱۸۲)۔

☆......☆......☆

محبتِ الٰہی

ارشادِ باری تعالیٰ ہے وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ یعنی ایمان والے اللہ سے ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں (البقرہ:۱۶۵)۔ محبت کے تین مرتبے ہیں۔

ا۔ محبت

جب انسان اپنے ربِ کریم سے محبت کرتا ہے تو وہ ہر وقت اسی کی یاد میں رہتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ یعنی جو کسی چیز سے محبت کرے اس کا ذکر کثرت سے کرتا ہے (کنز العمال جلد ا صفحہ ۴۲۵)۔

کسی شخص نے مجنوں کو ریگستان میں بیٹھے دیکھا وہ انگلیوں کا قلم بنا کر ریت کے کاغذ پر کچھ لکھ رہا تھا گویا کسی کو خط لکھ رہا ہو۔ اس آدمی نے پوچھا کہ اے مجنوں یہ خط کس کے نام لکھ رہے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں خط نہیں لکھ رہا۔ بلکہ لیلیٰ کے نام کی مشق کر رہا ہوں۔ اس طرح اپنے دل کو تسلی دے رہا ہوں۔ مولانا روم علیہ الرحمۃ نے یہ واقعہ ان اشعار میں بیان فرمایا ہے۔

دید مجنوں را یکے صحرا نورد — در بیابانِ غمش بنشستہ فرد
ریگ کاغذ بود انگشتاں قلم — مے نمودے بہر کس نامہ رقم
گفت اے مجنوں شیدا چیست ایں — مے نویسی نامہ بہر کیست ایں
گفت مشق نامِ لیلیٰ مے کنم — خاطرِ خود را تسلی مے دہم

گویا محبوب کے نام سے محب کو تسلی ملتی ہے۔

۲۔ شدید محبت

محبت کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ محب اپنے محبوب کا عیب نہ دیکھ سکے اور نہ سن سکے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا حُبُّکَ الشَّیْئَ یُعْمِیْ وَ یُصِمُّ یعنی کسی چیز کی محبت انسان کو اندھا اور بہرا کر

دیتی ہے(ابوداؤد، مشکوۃ صفحہ ۴۱۸)۔

گویا اب محبت انسان کے حواس پر اثر انداز ہوگئی۔اب یا تو وہ اپنے محبوب کے حق میں اندھا اور بہرا ہے کہ اسے محبوب میں کوئی عیب نظر نہیں آتا اور نہ ہی کسی کی زبان سے اس کا عیب سن سکتا ہے۔یا پھر وہ دوسرے لوگوں کے حق میں اندھا اور بہرا ہے کہ وہ محبوب کے سواہ کچھ دیکھنا اور محبوب کی آواز کے سواہ کچھ سننا گوارا نہیں کرتا۔یا پھر وہ اپنے مقصود کی راہ میں حائل ہونے والی کسی بھی چیز کی پرواہ کیے بغیر آنکھیں اور کان بند کر کے حصول مقصد میں کوشاں رہتا ہے۔

سانوں دسیا عشق دے مفتی جیہڑا مُڑ مُڑ کے فرموندا
اعظم جتھے دل لگ جاوے اُتھے عیب نظر نہیں اوندا

۳۔ اشد محبت (یعنی عشق)

محبت میں اندھا اور بہرہ ہونے کا جب یہ عالم ہو جائے کہ انسان اپنے محبوب کے معاملے میں عقل کی مداخلت کو ہی روا نہ سمجھے تو یہی اشد محبت یا عشق ہے۔یہ محبت کی سب سے بڑی ڈگری ہے۔جب محبت عشق کی حد تک بڑھ جائے تو اس وقت محبوب کے سوا ہر چیز پھونک دی جاتی ہے۔ امام فخر الدین رازی رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس اشد محبت کے لیے اس دنیا میں عشق کا لفظ سب سے مناسب ہے(تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۱۷۷)۔صوفیاء کا قول ہے۔اَلْعِشْقُ نَارٌ یُحْرِقُ مَا سِوَای الْمَحْبُوبِ یعنی عشق وہ آگ ہے جو محبوب کے سواہ ہر چیز کو جلا دیتی ہے(عام کتب تصوف)۔

گویا اب محبت انسان کی عقل اور جان و جگر پر اثر انداز ہوگئی۔عاشق اپنے محبوب پر دنیا کی ہر چیز کو قربان کر دیتا ہے۔حتیٰ کہ اپنی جان بھی اسی پر نچھاور کر دیتا ہے۔

اعظم بلا سے اپنی وہ ہستی ہی کیوں نہ ہو
جو چیز اس کی راہ میں حائل ہو پھونک دو

امام فخر الدین رازی رحمت اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جمہور متکلمین کے نزدیک کی محبت کا تعلق اطاعت،انعامات،احسانات اور ثواب سے ہوا کرتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کی اپنی ذات سے محبت ناممکن

ہے۔لیکن عارفین فرماتے ہیں کہ بندے کو اللہ کی اپنی ذات سے محبت ہوا کرتی ہے۔باقی رہی خدمت اور ثواب سے غرض، تو یہ نچلے درجے کی چیزیں ہیں (تفسیر کبیر جلد۲ صفحہ۱۷۶)۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنت اللہ تعالیٰ کے جمال کا گھر ہے اور دوزخ اللہ تعالیٰ کے جلال کا گھر ہے۔جلال اور جمال دونوں اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اور اولیاء اللہ کی نظروں میں اللہ کی صفات سب برابر ہیں اور انہیں صفات سے بڑھ کر اسکی ذات سے محبت ہوا کرتی ہے۔حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کو کسی نے دیکھا کہ لوٹے میں پانی اور دیاسلائی لے کر جارہی ہیں۔کسی نے پوچھا کہاں جارہی ہیں؟ فرمایا دوزخ بجھانے اور جنت کو آگ لگانے جارہی ہوں تاکہ لوگ دوزخ کے خوف سے اور جنت کے لالچ میں عبادت نہ کریں۔یہ سب باتیں اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ کے الفاظ میں اسم ذات کی گہرائی میں پوشیدہ ہیں۔

حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کفار سے فرمائے گا کہ اگر تم میرے سچے محب ہو تو میری خاطر دوزخ میں چھلانگ لگادو مگر وہ ایسا نہ کرسکیں گے۔پھر اللہ تعالیٰ اپنے سچے مومنوں کو بلاکر فرمائے گا۔اگر تم مجھ سے محبت کرتے ہو تو میری خاطر دوزخ میں چھلانگ لگادو۔ وہ فوراً آگ میں کود پڑیں گے (اور انہیں کچھ بھی نہ ہوگا: بغوی جلد ۱ صفحہ ۱۳۶، مظہری جلد ۱ صفحہ ۱۶۳)۔

حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں: عقل کے امین کی بات عشق کا اسیر نہیں مانا کرتا۔عشق کی مملکت میں عقل کی حکمرانی نہیں چل سکتی۔عقل تعمیر کرتی ہے جبکہ عشق تباہ کرتا ہے۔ عقل تجارت کرتی ہے جبکہ عشق غارت گری میں مصروف ہے۔قصیدہ بردہ میں ہے

مَحَضْتَنِیَ النُّصْحَ لٰکِن لَّسْتُ اَسْمَعُہٗ

اِنَّ الْمُحِبَّ عَنِ الْعُذَّالِ فِیْ صَمَمٖ

ترجمہ:۔ناصح تیرا خیال بجا مشورہ درست　　　　کچھ سوجھتا نہیں در جاناناں دیکھ کر

قصیدہ بردہ کے اس شعر میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے کہ "محبت کرنے والا اندھا اور بہرہ ہو جاتا ہے"۔اسے احمد و ابوداؤد اور بخاری نے اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے (الزبدۃ العمدۃ صفحہ ۳۹)۔

محبت کی حقیقت یہ ہے کہ محبوب کی عطا سے محبت میں اضافہ نہ ہو اور محبوب کی جفا سے

محبت میں کمی نہ آئے (مرقاۃ جلد ۱ صفحہ ۵۷ عن یحییٰ بن معاذ رازی قدس سرہ)۔

محبت کے یہ اعلیٰ مدارج صرف خواص کے لیے ہیں۔ عوام ان کے مکلف نہیں۔

طالب طریقت کو جذب و مستی کے اس عالم میں تبلیغ دین کی اجازت نہیں ہوتی۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی محبت کے یہ تمام مدارج طے کرنے کے بعد اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ پر عمل کرتے ہوئے اتباع سنت پر گامزن نہیں ہو جاتے وہ اگر تصنیف و تالیف اور تبلیغ کا کام شروع کر دیں تو اندھیر ہی مچاتے ہیں۔

روحانیت کا دائرہ مکمل ہونے سے پہلے کی باتیں ایک خاص کیفیت کی باتیں ہوا کرتی ہیں۔ ایسے لوگ کبھی دین اور شریعت کے خلاف بول جاتے ہیں، کبھی علم اور علماء کے خلاف باتیں کہہ دیتے ہیں اور کبھی امت کے اجماعی اور متفقہ فیصلوں کو ٹھکرا دیتے ہیں۔ کبھی کوئی دین کو سیاست سے جدا کہتا ہے اور کبھی کوئی کافر اور مسلم میں کوئی فرق نہیں سمجھتا۔ اس کے علاوہ ان سے نہایت غیر سنجیدہ اور نازیبا حرکات کا صدور بھی دیکھنے میں آیا ہے۔

ایسے لوگوں کی ان حرکتوں پر اللہ کریم کی طرف سے کوئی روحانی گرفت نہیں ہوا کرتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی مثال قرآنی قاعدہ پڑھنے والے اس بچے کی سی ہے جو آیات پڑھنے میں غلطیاں کرتا ہے مگر گنہگار نہیں ہوتا۔ ایسے لوگ جب دیکھتے ہیں کہ اللہ کریم کی طرف سے انکا فیض نہیں رکا، تو وہ اپنے قبیح افعال پر مطمئن اور مسرور ہو جاتے ہیں۔ پھر جب وہ روحانی اور شعوری طور پر بالغ ہو جاتے ہیں تو انہیں اپنے کہے پر خود پچھتانا پڑتا ہے۔ ایسے لوگوں کو چاہیے کہ فی الحال تبلیغ سے باز رہیں یا پھر کم از کم شریعت کو حق اور باطل کا معیار سمجھیں۔ اول بھی شریعت ہے اور آخر بھی شریعت۔ جب کہ درمیان میں سمندر ہے جس میں نہ کشتی ہے نہ ملاح۔

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق

ہر ہوس نا کے نہ داند جام و سنداں باختن

ترجمہ:۔ ایک ہاتھ میں شریعت کا پیالہ ہو دوسرے ہاتھ میں عشق کا لوہا کوٹنے والی آئرن ہو۔ لیکن

ہر کوئی لالچی اس پیالے اور اس آئرن کو اکٹھے لے کر چلنے والا کام نہیں جانتا۔

ذکر اور نعت کے دوران جان بوجھ کر رقص کرنے لگ جانا شریعت اور طریقت دونوں کے لحاظ سے منع ہے۔ تمام صوفیاء علیہم الرضوان کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے۔ ہیچ کس از مشائخ آں را نستودہ اند۔

دھمال مارنا شرعاً اور عقلاً بری چیز ہے اور محال ہے کہ بزرگ لوگ ایسی حرکت کریں۔ ہاں بے بسی کے عالم میں اضطراب ایک الگ چیز ہے۔ مگر اضطراب والا آدمی ترتیب (ردھم) کے ساتھ دھمال نہیں مار سکتا۔ ردھم کا پایا جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ دھمال مارنے والا ہوش میں ہے اور تصنع (Acting) سے کام لے رہا ہے۔ بعض کتابوں میں اضطراب کو رقص کہہ دیا گیا ہے جس سے نفس پرستوں نے دھمال اخذ کر لی ہے۔ تقریباً یہ ساری بحث کشف المحجوب صفحہ ۳۷۶ پر موجود ہے۔

تصوف کا موضوع توحید اور محبت الٰہی ہے۔ تصوف کے موضوع پر لکھی جانے والی اہم کتابیں یہ ہیں۔

کشف المحجوب (حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ)، فتوح الغیب (حضور سیدنا قطب الاقطاب شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ)، عوارف المعارف (حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ)، کتاب اللمع فی التصوف (حضرت ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ)، رسالہ قشیریہ (حضرت امام ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ)، سبع سنابل (حضرت میر سید عبدالواحد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ)، مثنوی معنوی (حضرت مولانا جلال الدین رومی المعروف بہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ)، مکتوبات امام ربانی (حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ)۔

فقیر راقم الحروف نے اس موضوع پر دستور السالکین کے نام سے ایک مستقل رسالہ تحریر کیا ہے۔ جس میں عصر حاضر کی ضروریات کے مطابق اس موضوع کے اہم گوشوں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

☆......☆......☆

باب دوم

محمد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اسم محمد ﷺ

اسم محمد ﷺ کے معنی

محمد کے معنی ہیں ''بہت زیادہ تعریف کیا گیا''۔ مفرداتِ راغب میں لکھا ہے مُحَمَّدٌ اِذَا کَثُرَتْ خِصَالُهُ الْمَحْمُوْدَةُ یعنی محمد وہ ہے جس کے خصائلِ محمودہ بے شمار ہوں (مفرداتِ راغب صفحہ ۱۳۰)۔

عیسائی لغت نویس ''لوئس معلوف'' اپنی کتاب المنجد میں لکھتا ہے اَلْمُحَمَّدُ بہت عمدہ خصلتوں والا (المنجد صفحہ ۲۳۷)۔

حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ نے حضور ﷺ کے اس نام کے ساتھ موسوم ہونے کی کئی وجوہات لکھی ہیں۔ آپ کی عبارت کا خلاصہ اس طرح ہے۔

آپ کا نام ''محمد'' رکھے جانے کی پہلی وجہ یہ ہے کہ آپ کے عمدہ خصائل کثیر التعداد ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ کی حمد بار بار کی جارہی ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے آپ کی حمد کثرت سے کی ہے اور اس میں اتنا مبالغہ کیا ہے کہ حمد کی انتہا کردی ہے (حمداً کثیراً بالغاً غایة الکمال) اور اسی طرح فرشتوں، انبیاء اور اولیاء نے بھی آپکی حمد کی حد کردی ہے۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ اوّلین وآخرین سارے کے سارے آپ کے جھنڈے کے نیچے آپ کی حمد کریں گے۔ اسی لیے اس جھنڈے کو لواءِ حمد کا نام دیا گیا ہے۔ نیک فال کے طور پر آپ کا نام محمد رکھا گیا تاکہ آپکی حمد کثرت سے ہو۔ چنانچہ بالکل ایسا ہی ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آپکے گھر والوں کو الہام کیا کہ میرے حبیب کا نام محمد رکھو۔ آپکا یہ نام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے (جمع الوسائل جلد۲ صفحہ ۲۲۶)۔

آپ ﷺ سے پہلے یہ نام دنیا بھر میں کسی کا نہ تھا چنانچہ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ اس نام کی کسی اہم اور مشہور شخصیت سے تاریخ کے صفحات خالی ہیں۔

آج دنیا کا کوئی مذہب اس بات سے انکار نہیں کرسکتا کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کی تعریف کثرت سے ہو رہی ہے، بار بار ہو رہی ہے اور دنیا کے کونے کونے میں ہو رہی ہے۔ دن میں پانچ مرتبہ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی صدا دنیا کے چپے چپے پر گونجتی ہے۔ حمد و ثنا کا یہ اہتمام دنیا کے کسی دوسرے پیشوا کے لیے نہیں ہو رہا۔ درود اور نعت کے نذرانے ہر وقت آپکی خدمت میں پیش ہو رہے ہیں۔ آپ ﷺ کے قیل و قال اور تعلیمات کا لامتناہی سلسلہ جاری و ساری ہے۔ آپ کی رسالت کی ہمہ گیریت، عالم گیریت اور خاتمیت اسم محمد کے ساتھ زبردست مطابقت رکھتی ہے۔

ذرا سوچیے! کیا یہ محض اتفاق ہے کہ اِدھر جس ہستی کی حمد و ثنا کا یہ عالم ہے اُدھر اس کا نام "محمد" ہے؟ نہیں ہرگز نہیں بلکہ یہ عین خدائی تجویز اور اللہ تعالیٰ کا منصوبہ ہے۔

اور انجیل برناباس کے الفاظ ہیں Muhammad is his blessed name محمد اس کا خداداد نام ہے (انجیل برناباس صفحہ ۱۲۳)۔

مزید غور فرمایئے آپ ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب کا نام قرآن ہے۔ قرآن کے معنی ہیں "بہت زیادہ پڑھا جانے والا" قرآن کا ایک معنی یہ بھی ہے "جس میں تمام علوم جمع کر دیے گئے ہوں"۔ واقعی یہ کتاب پوری دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جا رہی ہے۔ مسلمانوں کا بچہ بچہ اس کا ناظرہ خوان ہے۔ اس کے حافظ اور قاری اتنے ہیں کہ انکی مردم شماری بس سے باہر ہے۔ اسکے مفسر و مدرس ہر وقت اس کی خدمت پر کمربستہ ہیں۔ اسکی تفسیروں کی تعداد کا احاطہ آج تک کسی سے نہیں ہو سکا۔ رمضان شریف میں نمازِ تراویح کے دوران قرآن پڑھنے اور سننے کا منظر اتنا دلکش ہوتا ہے کہ اہل ایمان پر وجد طاری ہو جائے اور یہ منظر اتنا بارُعب ہوتا ہے کہ مخالفین کے دل دہل جائیں۔

یہ کتاب علوم سے اس قدر لبریز ہے کہ خود اعلان کرتی ہے کہ مجھ میں تمام علوم کا بیان موجود ہے (تِبْيَاناً لِّكُلِّ شَيْءٍ) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے اونٹ کی رسی بھی اگر گم ہو جائے تو میں قرآن کھول کر معلوم کر سکتا ہوں کہ وہ کہاں رکھی ہے۔

حضور ﷺ کا نام محمد۔ اور آپکی کتاب کا نام قرآن، کتنا گہرا تعلق ہے اور کیسی حسین مناسبت۔ سبحان اللہ! اس سے بھی آگے چلیے۔ آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین کا نام اسلام ہے۔

اسلام کے معنی ہیں ''مان لینا اور تسلیم کر لینا''۔ اس لفظ کے اپنے اندر ہی دعوت و تبلیغ کا مفہوم صاف صاف موجود ہے۔ گویا اسلام کی تعلیمات محدود لوگوں، محدود علاقوں اور محدود زمانے کے لیے نہیں ہیں بلکہ جو بھی ''مان لے'' اس کے لیے اسلام کے دروازے کھلے ہیں۔ جسطرح اسم محمد سے ہمہ گیریت، عالم گیریت اور خاتمیت کا مفہوم جھلکتا ہے اسی طرح لفظ اسلام بھی اپنے اندر ہمہ گیریت، عالم گیریت اور خاتمیت کی خصوصیات رکھتا ہے۔ دنیا کے کسی دوسرے مذہب کے نام میں یہ خوبصورتی موجود نہیں۔

ہم اللہ کے رب ہونے پر راضی اور خوش ہیں، اسلام کے دین ہونے پر راضی اور خوش ہیں۔ قرآن کے کتاب ہونے پر راضی اور خوش ہیں اور محمد کریم ﷺ کے نبی ہونے پر راضی اور خوش ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِكَ۔

اسم محمد کا لفظی حسن

لفظ ''محمد'' اپنے حروف کے لحاظ سے مختلف وجوہ سے لفظ ''اللہ'' کے مشابہ ہے۔ محمد میں چار حروف ہیں تو اللہ میں بھی چار ہی حروف ہیں۔ محمد میں ایک تشدید ہے تو اللہ میں بھی ایک ہی تشدید ہے۔ محمد کا تیسرا حرف مشدد ہے تو اللہ کا بھی تیسرا ہی حرف مشدد ہے۔ محمد پر کوئی نقطہ نہیں تو اللہ پر بھی کوئی نقطہ نہیں۔ محمد کے کسی حرف پر جر (زیر) نہیں تو اللہ کے کسی حرف پر بھی زیر نہیں۔ دراصل زیر میں اتار اور جھکاؤ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنے حبیب کے نام میں رفعت ہی رفعت رکھی ہے۔ جھکاؤ نہیں آنے دیا۔

لفظ اللہ کے تمام حروف بامعنی ہیں۔ الف ہٹا دو تو للہ رہ جائے گا۔ اس کے معنی ہیں ''اللہ کے لیے''۔ پہلا لام ہٹا دو تو ''لہ'' رہ جائے گا۔ اس کے معنی ہیں ''اسی کے لیے''۔ دوسرا لام بھی ہٹا دو تو ''ہو'' رہ جائے گا۔ اس کے معنی ہیں ''وہی ذات''۔

اسی طرح محمد کے بھی تمام حروف بامعنی ہیں۔ پہلا میم ہٹا دو تو باقی ''حمد'' رہ جائے گا۔ اس کے معنی ہیں تعریف۔ ح بھی ہٹا دو تو ''مد'' رہ جائے گا۔ اس کے معنی ہیں ''لمبا کرنا اور دوام بخشنا''۔ دوسرا میم بھی ہٹا دو تو ''دال'' رہ جائے گا۔ اس کے معنی ہیں ''دلیل بننا اور ثبوت دینا''۔

گویا اسمِ محمد اپنے لفظی حسن کے اعتبار سے اسم اللہ کا عکسِ کمال ہے۔ باقی باتوں کو بالائے طاق رکھ کر اگر صرف اسمِ محمد کو ہی لے لیا جائے تو یہ اسلام کی صداقت و حقانیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کا تعارف اور ثبوت فراہم کرنے کے لیے نبی کریم ﷺ کی ذات کو بطور دلیل پیش کیا ہے چنانچہ فرمایا هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ یعنی وہی اللہ ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا (فتح:۲۸)۔

مراد یہ کہ اگر تم لوگ مجھے جاننا چاہتے ہو تو میں وہی ہوں جس نے یہ رسول بھیجا ہے۔ یہ رسول میری الوہیت کا چلتا پھرتا ثبوت ہے۔ گویا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کے دعوے پر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه بطور دلیل وارد ہوا ہے۔

یہ دلیل جتنی کامل، حسین، محمود اور بے عیب ہوگی۔ اللہ کی توحید اسی قدر نکھرتی چلی جائے گی۔ دلیل میں جتنی قوت ہوگی دعوے کو اتنی ہی تقویت فراہم ہوگی۔ لہٰذا مزید کسی دلیل کے بغیر نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس کی طرف ہر وصفِ کمال کا انتساب درست ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ یعنی میرے نبی کی تعظیم کرو اور توقیر کرو (فتح:۹)۔ مبرّد کا قول ہے کہ تُوَقِّرُوْهُ تُبَالِغُوْا فِيْ تَعْظِيْمِهٖ یعنی اس آیت میں توقیر سے مراد یہ ہے کہ تعظیم میں مبالغہ سے کام لو (الشفا جلد۲ صفحہ ۲۸)۔

لہٰذا تعظیمِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا میں مبالغہ کرنا عین قرآنی حکم ہے۔ اسے عام مبالغہ آرائی نہیں سمجھنا چاہیے اور احتیاط کی آڑ میں تعظیمِ رسول ﷺ کا انکار نہیں کرنا چاہیے۔

اسمِ محمد ﷺ۔ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ۔ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ۔ یہ تینوں بے جا احتیاطوں میں سخت مانع ہیں اور بخل کے تالے توڑ ڈالنے پر مجبور کرتے ہیں۔

قاعدہ کلیہ

یہ اصول ہمیشہ کے لیے یاد کر لیجیے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی شان اور تعظیم میں کہی جانے

والی ہر بات درست ہے۔ بغیر کسی دلیل کے ہر وہ بات مانتے چلے جایئے جس کا تعلق نبی کریم ﷺ کی رفعت شان سے ہو۔ ''اسمِ محمد'' کا یہی تقاضا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اپنی توحید کے دعوے پر حضور ﷺ کو دلیل بنانے کا بھی یہی تقاضا ہے اور ہمارے اوپر بحیثیت غلام یہی فرض عائد ہوتا ہے کہ جب مخالفوں کی طرف سے مخالفت کی انتہا ہو رہی ہو تو غلاموں کی طرف سے عزت و توقیر کی بھی انتہا ہی ہونی چاہیے۔ ایک سچے امتی کا اپنے آقا کے ساتھ یہی رویہ ہونا چاہیے۔ ہاں ایک خدائی اور الوہیت کا عقیدہ نبی کریم ﷺ کے حق میں درست نہیں۔

حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ قصیدہ بردہ میں لکھتے ہیں۔

دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارىٰ فِیْ نَبِیِّهِمْ   وَاحْكُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحاً وَّاحْتَكِمِ

وَانْسُبْ اِلىٰ ذَاتِهٖ مَاشِئْتَ مِنْ شَرَفٍ   وَانْسُبْ اِلىٰ قَدْرِهٖ مَا شِئْتَ مِنْ عِظَمِ

فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَیْسَ لَهٗ   حَدٌّ فَیُعْرِبَ عَنْهُ نَاطِقٌ بِفَمِ

ترجمہ:۔ جو بات عیسائیوں نے اپنے نبی کے بارے میں کہی اسے چھوڑ کر باقی ہر طرح اپنے حبیب ﷺ کی مدح کر۔ آپکی ذات کی طرف ہر شرف اور ہر عظمت کو بے دریغ منسوب کر دے۔ آپ ﷺ کی فضیلت اور شان کی کوئی حد ہی نہیں پھر آپ کی تعریف کا حق کوئی کس طرح ادا کرسکتا ہے۔

پورا قرآن نبی کریم ﷺ کی شان سے لبریز ہے۔ کتب حدیث میں فضائل اور مناقب کے نام سے نبی کریم ﷺ کی شان میں مستقل ابواب موجود ہیں مثلاً بخاری شریف میں کتاب المناقب، مسلم شریف میں کتاب الفضائل اور مشکوٰۃ شریف میں باب فضائلِ سید المرسلین موجود ہے۔

سیرت، خصائص اور معجزات پر الگ کتب کا ایک لامحدود ذخیرہ ضبطِ تحریر میں لایا جاچکا ہے اور اس سلسلے کی کوئی انتہا نظر نہیں آتی۔ آپ ﷺ کے سوا کسی شخصیت پر آج تک اتنی کتب نہیں لکھی گئیں۔ حضور ﷺ کی شان میں قرآن کی بے شمار آیات میں سے صرف چند منتخب آیات اور ان کی تفسیر پیش کی جاتی ہے۔

شانِ رسالت میں پہلی آیت:

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ یعنی وہ لوگ اس رسول کی پیروی کرتے ہیں جو اُمّی نبی ہے۔ وہ اسے اپنے پاس تورات اورانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں (اعراف:۱۵۷)۔

باوجود یہ کہ ترجمہ در ترجمہ کے بے شمار مراحل سے گزرنے کے بعد بائبل کا اصل حلیہ مکمل طور پر بگڑ چکا ہے اوراس کی غلطیاں، غلطان بن چکی ہیں، ہمارے نبی کریم ﷺ کے بارے میں موجودہ بائبل میں بھی بے شمار بشارات موجود ہیں۔ ان میں سے چند بشارات لکھنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

تورات میں بشارات

(۱)۔ ''تب خدا نے ابراہیم سے کہا...... اسماعیل کے حق میں بھی میں نے تیری دعا سُنی ۔ دیکھ میں اسے برکت دوں گا۔ اسے نہایت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اسے ایک بڑی قوم بناؤں گا'' (پیدائش ۱۷:۲۰)۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں ہمارے نبی کریم ﷺ پیدا ہوں۔ چنانچہ یہ دعا قبول ہوئی۔ اس دعا کا ذکر قرآن شریف کی اس آیت میں موجود ہے۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَیُزَكِّیْهِمْ یعنی اے ہمارے رب! ان میں ایک شان والا رسول بھیج جو انہی میں سے ہو۔ ان پر تیری آیات پڑھے۔ انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اورانہیں پاک کردے (البقرہ:۱۲۹)۔

(۲)۔ خداوند نے مجھ سے کہا ''انہوں نے اچھا کہا۔ میں ان کے بھائیوں کے درمیان سے تیری طرح ایک نبی برپا کردوں گا اوراپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔ اور جو کچھ میں اس کو حکم دوں گا وہ ان سے کہے گا۔ اور جو انسان میرے کلام کو جو وہ میرے نام سے کہے گا نہ مانے گا تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا'' (استثناء ۱۸:۱۸،۱۹)۔

یہ کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہے جو توراۃ میں موجود ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور یہودی بنی اسرائیل میں سے تھے یعنی حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد۔ اِن کے بھائیوں میں نبی برپا ہونے سے مراد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے نبی کا مبعوث ہونا ہے۔

اے موسیٰ! "تیری طرح ایک نبی برپا کروں گا"۔ اس میں بھی نبی کریم ﷺ کی طرف واضح اشارہ موجود ہے۔ جسطرح حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحبِ شریعت نبی ہیں اسی طرح نبی کریم ﷺ بھی صاحبِ شریعت نبی ہیں۔ قرآن شریف اسکی تائید اِن الفاظ سے کرتا ہے۔ اِنَّـا اَرْسَلْـنَـا اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِداً عَلَيْكُمْ كَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا یعنی ہم نے تم لوگوں کی طرف رسول بھیجا جو تم پر شاہد ہے جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا (مزمل: ۱۵)۔

"میں اپنا کلام اسکے منہ میں ڈالوں گا"۔ اس جملے کی تائید قرآن ان الفاظ سے کرتا ہے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى یعنی میرا نبی اپنی مرضی سے نہیں بولتا بلکہ یہ جو کچھ بولتا ہے وہ اللہ کی طرف سے وحی ہوتی ہے (النجم: ۳،۴)۔

"جو کچھ میں اس کو حکم دوں گا وہ ان سے کہے گا"۔ اس جملے کی تائید قرآن سے اس طرح ہوتی ہے۔

فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ یعنی آپ کے ذمے بات پہنچا دینا ہے (رعد: ۴۰)۔

"جو نہ مانے گا میں اِس کا حساب اُس سے لوں گا"۔ اس کی تائید قرآن سے اس طرح ہوتی ہے۔

وَعَلَيْنَا الْحِسَاب یعنی نہ ماننے والوں سے حساب لینا ہمارے ذمے ہے (رعد: ۴۰)۔

(۳)۔ یہ وہ برکت ہے جس سے مردِ خدا موسیٰ نے اپنی وفات سے پیشتر بنی اسرائیل کو دعا دی۔ اس نے کہا خداوند سینا سے آیا۔ اور سعیر سے اپنی قوم پر طلوع ہوا۔ وہ کوہِ فاران سے جلوہ گر ہوا اور دس ہزار قدسیوں میں آیا۔ اس کے داہنے ہاتھ سے شعلہ زن آتش پھوٹ نکلی۔ اس کے قہر نے اقوام کو تباہ کر دیا (استثناء ۳۳: ۱،۲)۔

خداوند سینا سے آیا۔ اس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی کا نازل ہونا ہے۔

سعیر سے طلوع ہونے سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی کا نزول ہے اور کوہِ فاران سے جلوہ گر ہونے سے مراد نبی کریم ﷺ پر وحی کا نزول ہے۔ دس ہزار قدسیوں میں فتح مکہ کے اس منظر کی طرف اشارہ ہے جب دس ہزار صحابہ کرام علیہم الرضوان کا لشکر نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھا۔ شعلہ زن آتش سے مراد شریعت ہے۔ اور ''اس کے قہر نے اقوام کو تباہ کر دیا'' سے مراد جنگ اور جہاد کے ذریعے دشمنوں کو مغلوب کرنا ہے۔

یاد رہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی جنگ اور جہاد نہیں کیا۔ لہٰذا تورات کی یہ پیشن گوئی صاف نبی کریم ﷺ پر فٹ بیٹھتی ہے۔ اس سے ملتی جلتی آیت قرآن میں اسطرح موجود ہے۔

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ یعنی مجھے قسم ہے انجیر اور زیتون کی (وہ جنگل جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عبادت کی) اور مجھے قسم ہے طورِ سینا کی (یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی چلہ گاہ تھی) اور مجھے قسم ہے اس امین شہر کی (یعنی مکہ شریف)۔ (التین: ۱ تا ۳)

زبور میں بشارات

زبور نمبر ۴۴ کے الفاظ یہ ہیں۔

عشقیہ غزل

''میرا دل ایک نفیس مضمون سے لبریز ہے۔ میں بادشاہ کے لیے اپنی غزل سناتا ہوں۔ میری زبان ماہر کاتب کا قلم ہے۔ تو بنی نوع انسان سے بڑھ کر خوش اندام ہے۔ تیرے لبوں میں لطافت انڈیلی ہوئی ہے۔ اس لیے خدا نے ہمیشہ کے لیے تجھے مبارک ٹھہرایا ہے۔ اے جلیل القدر! تو اپنی تلوار کو یعنی اپنے جلال و جمال کو اپنی ران سے باندھ۔ حقیقت اور صداقت کی خاطر اقبال مندی سے سوار ہو۔ اور تیرا دست راست تجھے عجیب کام دکھائے۔ تیرے تیر تیز ہیں۔ قومیں تیرے ماتحت ہوتی ہیں۔ بادشاہ کے دشمن ہمت ہارتے ہیں۔ اے خدا! تیرا تخت ابدالآباد تک قائم ہے۔ تیری سلطنت کا عصا راستی کا عصا ہے۔ تو صداقت سے محبت اور شرارت سے نفرت رکھتا ہے۔ اس لیے خدا تیرے خدا نے شادمانی کے تیل سے تجھ کو تیرے ہم دستوں کی نسبت زیادہ مسح کیا۔ تیرے

لباس مُر اور عود اور تج سے زیادہ خوشبودار ہیں۔ عاج کے ایوانوں سے تاردار سازوں کی آواز تجھے خوشی دلاتی ہے۔ شاہوں کی بیٹیاں تیرا استقبال کرتی ہیں۔ ملکہ تیرے داہنے ہاتھ اوفیر کے سونے سے مزین کھڑی ہے۔ اے بیٹی! سن غور کر کے کان لگا۔ اپنی قوم اور اپنے باپ کا گھر بھول جا۔ اور بادشاہ تیرے حسن کا مشتاق ہوگا۔ وہی خداوند ہے تو اس کی مطیع ہو۔ اور صُور کے باشندے ہدیہ لے کر آتے ہیں۔ قوم کے دولت مند تیرے کرم کے خواہاں ہیں۔ شہزادی سرتاپا حسن افروز داخل ہوتی ہے۔ اس کا لباس زربفت کا ہے۔ وہ منقش لباس سے بادشاہ کے حضور لائی جاتی ہے۔ اس کے پیچھے اس کی کنواری خواصیں تیرے سامنے حاضر کی جاتی ہیں۔ وہ خوشی اور شادمانی سے پہنچائی جاتی ہیں۔ وہ شاہی محل میں داخل ہوتی ہیں۔ تیرے بیٹے تیرے آباء کے جانشیں ہوں گے۔ تو ان کو تمام روئے زمین پر سردار مقرر کرے گا۔ میں تیرے نام کی یاد پشت در پشت قائم رکھوں گا۔ اس لیے اُمتیں ابد الآباد تک تیری تعریف کریں گی'' (زبور نغمہ نمبر:۴۴)۔

زبور کی اس طویل غزل پر ذرا غور کیجیے۔ یہ دراصل نبی کریم ﷺ کی نعت ہے جسے بائبل کے مترجم نے عشقیہ غزل کہہ دیا ہے۔

''تو بنی نوع انسان سے بڑھ کر خوش اندام ہے'' یہ اَنَـا سَیِّـدُ وَلَـدِ آدَمَ کا ترجمہ ہے۔ ''تلوار کو ران سے باندھنا'' یہ جہاد بالسیف کی صراحت ہے۔ ''قومیں تیرے ماتحت ہوتی ہیں'' یہ یَـا اَیُّهَـا الـنَّـاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعاً کا ترجمہ ہے۔ ''دشمن ہمت ہارتے ہیں'' یہ اَنْتُمُ الْاَعْـلَوْنَ کا ترجمہ ہے۔ ''تیرا تخت ابد الآباد تک قائم ہے'' یہ خَـاتَمُ الـنَّبِیِّیْنَ کا ترجمہ ہے۔ ''تیری سلطنت کا عصا راستی کا عصا ہے'' یہ مدینہ شریف میں سلطنت کی بنیاد رکھنے کی بات ہو رہی ہے۔ ''تو صداقت سے محبت اور شرارت سے نفرت کرتا ہے'' یہ صادق اور امین کا ترجمہ ہے۔ ''خدا نے شادمانی کے تیل سے تجھ کو تیرے ہم دستوں سے زیادہ مسح کیا ہے'' یہ کَـانَ فَـضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ عَظِیْماً کا ترجمہ ہے۔ ''لباس سے تج، مُر اور عود کی خوشبو کا آنا'' اس سے نبی کریم ﷺ کے لباس اور پسینہ کی خوشبو مراد ہے جو مسلمانوں میں مشہور عام ہے۔ ملاحظہ ہو (مشکوٰۃ شریف صفحہ ۵۱۷، مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۵۷)۔

شہزادی کے شاہی محل میں داخل ہونے سے سیدہ شہر بانو کی طرف اشارہ ہے جو شاہِ

ایران کی بیٹی تھیں اور سیدنا فاروق اعظم ﷛ نے انہیں سیدنا امام حسین کے عقد میں دیا تھا۔ ''تیرے بیٹے آباء کے جانشین ہوں گے۔ تو انکو روئے زمین پر سردار مقرر کرے گا''۔ اس سے مراد حضور ﷺ کی آل کے افراد کا دنیا کے مختلف ممالک میں حکمران بننا ہے جس پر پوری تاریخ گواہ ہے۔ ''تیرے نام کی تعریف پشت در پشت قائم رکھوں گا''۔ اس میں اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ کی طرف اشارہ ہے۔ ''اُمتیں ابدالآباد تک تیری تعریف کریں گی''۔ اس میں آپ ﷺ کے ذاتی نام محمد کا ترجمہ صاف موجود ہے اور آپ ﷺ کے آخری نبی ہونے کی تصریح ہے (بائبل کے مترجمین کی عادت ہے کہ وہ نام کا بھی ترجمہ کر دیتے ہیں)۔

فقیر راقم الحروف نے زبور کی اس پوری غزل کا مفہوم اردو نعت میں منتقل کر دیا ہے ملاحظہ فرمائیں (اس میں ''اظہار الحق'' کی توضیحات شامل ہیں)۔

نعتِ رسول ﷺ

ہر اک حسیں سے بڑھ کر حسن و جمال تیرا — ہر اک نبی نے مانا فضل و کمال تیرا
تیری کمر سے لٹکی تیغ بہادری ہے — رحمت بھرا ہے پیارے طیش و جلال تیرا
حق کے لیے نکل کر تیرا سوار ہونا — لایا عجب کرشمے دستِ کمال تیرا
ہرقل، نجاشی منذر زیرِ نگین تیرے — اے تیز تیروں والے دبنا محال تیرا
حق آ گیا ہے باطل جڑ سے اُکھاڑ ڈالا — لہرا رہا ہے جھنڈا اب لازوال تیرا
صدق و صفا کے داعی اعلیٰ خصال والے — باتیں تیری مُعطر عنبری خیال تیرا
تجھ مُر سے بھی زیادہ مہکے لباس تیرا — خوشبو پسینہ دیتا ہے بے مثال تیرا
شاہزادیاں ہیں تیرے شاہی محل کی رونق — شاہِ ایراں کی بیٹی اہل و عیال تیرا
تیرے کرم کو ترسیں جاہ و جلال والے — شاہ و گدا پہ شاہا عطیہ بحال تیرا
یمن و حجاز و ہند میں سلطان تیرے بیٹے — آخرزماں میں مہدی بھی فردِ آل تیرا
تجھ پر درود ہوں گے ہوں گے سلام دائم — آذاں پڑھے گا تیری ہر اک بلال تیرا

نعت نبی یہ ساری نغمہ زبور کا ہے　　اے قاسمی نگہباں وہ ذوالجلال تیرا

(زبور: نغمہ نمبر ۴۴)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلٰینَا مُحَمَّدٍ کُلَّمَا ذَکَرَہُ
الذَّاکِرُوْنَ وَ کُلَّمَا غَفَلَ عَنْ ذِکْرِہِ الْغَافِلُوْنَ

اِنجیل میں بشارات

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں:

(۱)۔　میں باپ سے درخواست کروں گا اور وہ تمہیں دوسرا وکیل بخشے گا کہ ابدلآباد تک تمہارے ساتھ رہے (یوحنا۱۴: ۱۶)۔

اس آیت میں وکیل سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں۔ ۱۸۹۰ء کے ترجمے اور دوسرے قدیم ترجموں میں وکیل کی جگہ فارقلیط کا لفظ موجود ہے۔ آج کل کے ترجموں میں وکیل، شفیع اور مددگار کے الفاظ موجود ہیں۔ فارقلیط ایک نام ہے۔ اور نام کا ترجمہ کرنا بالکل بے تکی بات ہے، جس سے مترجم کی نیت کی خرابی کھل کر سامنے آ جاتی ہے۔ پھر فارقلیط کا ترجمہ کہیں وکیل، کہیں شفیع اور کہیں مددگار کرنا بھی تعجب انگیز ہے۔ آج ہماری آنکھوں کے سامنے انجیل کے ترجموں کا جو حشر ہو رہا ہے اس سے دو ہزار سالہ مشق کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

مذکورہ بالا آیت میں ''ابدلآباد تک ساتھ رہے گا'' سے نبی کریم ﷺ کے آخری نبی ہونے کی تصریح کر دی گئی ہے۔

(۲)۔　وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سُنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبر دے گا۔ وہ میری بزرگی بیان کرے گا (یوحنا۱۶: ۱۳، ۱۴)۔

ان آیتوں میں ''وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا'' یہ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی کا صاف ترجمہ ہے۔ آئندہ کی خبر دینے سے نبی کریم ﷺ کا غیب کی خبریں دینا مراد ہے۔ آپ ﷺ نے بے دریغ غیب کی خبریں دی ہیں جن سے

قرآن وحدیث لبریز ہیں۔قرآن شریف میں ہے۔ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ یعنی اے نبی یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں (آلِ عمران:۴۴)۔

انجیل کا اگلا جملہ یہ ہے"وہ میری بزرگی بیان کرے گا"۔اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اوران کی والدہ ماجدہ سلام اللہ علیہا پر یہودیوں نے جو الزامات لگائے تھے۔ان الزامات کا صحیح جواب نبی کریم ﷺ دیں گے۔چنانچہ قرآنِ کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اوران کی والدہ ماجدہ کی صفائی میں طویل بیانات موجود ہیں۔ایک پوری سورت قرآن شریف میں مریم کے نام سے موجود ہے۔یہود کے جن الزامات کا جواب عیسائی حضرات کبھی نہ دے سکے۔قرآن نے وہ تمام الزامات دھوڈالے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بزرگی ثابت کردی۔

(۳)۔ یوحنا اصطباغی نے کہا"آسمان کی بادشاہی قریب آگئی ہے"(متی ۳:۲)۔

عیسائی کہتے ہیں کہ یہ پیش گوئی حضرت یحییٰ علیہ السلام (یوحنا) نے مسیح کے حق میں کی تھی۔ہم کہتے ہیں کہ خود حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی انہی الفاظ کے ساتھ پیش گوئی فرمائی ہے۔ انجیل کے الفاظ یہ ہیں"اس وقت یسوع نے منادی کرنا اور یہ کہنا شروع کیا کہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آگئی ہے"(متی ۴:۱۷)۔

یہ منادی تو حضرت یحییٰ علیہ السلام نے نہیں کی۔بلکہ اس میں صاف یسوع کا لفظ موجود ہے۔بتایئے یسوع کس کے حق میں منادی کر رہے ہیں؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آج تک ہمارے نبی کریم ﷺ کے سواء کوئی نبی نہیں آیا جس کے حق میں یسوع (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی یہ منادی تسلیم کی جاسکے اور آسمان کی مذکورہ بادشاہی منسوب کی جاسکے۔

(۴)۔ یوحنا کی شہادت یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لاوی اس کے پاس یہ پوچھنے کو بھیجے کہ تو کون ہے۔تو اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا۔بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں۔تب انہوں نے اس سے پوچھا۔پھر کیا تو الیاس ہے؟اس نے کہا میں نہیں ہوں۔کیا تو النبی ہے؟اس نے جواب دیا کہ نہیں (یوحنا باب نمبرا، آیت ۱۹۔۲۱)۔

یہ بات یادرکھنے کی ہے کہ یوحنا (حضرت یحیٰ علیہ السلام) حضرت مسیح علیہ السلام کے ہم عصر اور حضرت مریم کے خالہ زاد بھائی ہیں۔ مذکورہ بالا آیت میں حضرت یحیٰ علیہ السلام پر تین سوال ہیں۔

۱۔ کیا تو مسیح ہے؟ ۲۔ کیا تو الیاس ہے؟ ۳۔ کیا تو النبی ہے؟

ان سوالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں لوگوں کو مسیح کے علاوہ بھی کسی کا انتظار تھا۔ حضرت یحیٰ علیہ السلام نے تینوں سوالوں کا جواب نفی میں دیا۔

مسیح اور الیاس کی شخصیات تو کسی نہ کسی طرح معلوم و متعین ہیں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ''النبی'' سے کون مراد ہے؟

باقی اردو تراجم میں ''النبی'' کی جگہ ''وہ نبی'' کا لفظ ہے۔ انگریزی ترجمہ میں 'The prophet'' کا لفظ موجود ہے۔ نام لیے بغیر اسے النبی اور وہ نبی کہنے سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اس زمانے میں النبی یا وہ نبی سے مراد ہر کوئی سمجھتا تھا۔ اور ہر کوئی النبی کے لیے چشم براہ تھا۔ مسیح کے زمانے میں مسیح کے آ جانے اور اعلانِ نبوت کر دینے کے بعد کسی اور کا انتظار! کیا معنی؟

اِدھر قرآن کو پڑھیے۔ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے لیے قرآن میں نبی اور رسول کے الفاظ موجود ہیں مگر النبی کا لفظ صرف نبی کریم حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کے لیے ہی استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً

يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ۔ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وغیرہ۔ لہٰذا انجیل میں ''النبی'' یا وہ نبی سے مراد ہمارے نبی کریم ﷺ ہیں۔

(۵)۔ انجیل برنباس میں ہے

''محمد کا انتظار کرو۔ جس کی خاطر میں نے جنت، پوری دنیا اور روز بروز بڑھتی ہوئی مخلوقات پیدا کی ہیں'' (انجیل برنباس باب ۹۷ صفحہ ۱۳۳)۔

حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں: میں اس کے جوتے کے تسمے کھولنے کے قابل بھی نہیں ہوں۔ میں نے خدا سے اس بات کی دعا کی ہے کہ میں اسے دیکھ سکوں (انجیل برنباس ۹۷:۱)۔

(۶)۔ اس نے کہا خدا کی بادشاہی ایسی ہے جیسے کوئی آدمی زمین میں بیج ڈالے اور رات کو سوئے اور دن کو اٹھے اور بیج اُگے اور بڑھے اور وہ جانے بھی نہ کہ یہ کیسے ہوتا ہے۔ زمین خود بخود

پھل لاتی ہے۔ پہلے پتی پھر بال میں پورے دانے اور جب پھل پک جاتا ہے تو وہ فوراً درانتی لگاتا ہے کیونکہ کاٹنے کا وقت آ پہنچا (مرقس کی انجیل ۴: ۲۶۔۲۹)۔

انجیل کی ان آیات میں نبی کریم ﷺ کے دین کی بنیاد رکھنے سے لے کر صحابہ کرام علیہم الرضوان کی کثیر التعداد جماعت کے مرتبہ کمال کو پہنچ کر دنیا کے کونے کونے کو فیض یاب کرنے کا بیان ہے۔ اس بات کو کھیت اور فصل کی مثال دے کر سمجھایا گیا ہے۔ قرآنِ پاک میں اس کی تصدیق اس آیت سے ہوتی ہے۔

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِى التَّوْرٰةِ وَمَثَلُهُمْ فِى الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ یعنی صحابہ کرام کی یہی مثال تورات اور انجیل میں بھی ہے۔ وہ مثال ایک کھیتی کی سی ہے جس نے باریک کونپل نکالی پھر اسے قوت دی اور وہ موٹی ہو گئی پھر وہ اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی۔ کاشتکار کو بہت اچھی لگتی ہے تاکہ ان کی وجہ سے کفار کے دل جل جائیں (الفتح: ۲۹)۔

انجیل کی مذکورہ آیات کو بھی بار بار پڑھیے اور قرآن کی آیت بھی بار بار دیکھیے، نبی کریم ﷺ کو ماننے والوں کی تعداد کا شروع شروع میں کم ہونا اور پھر آہستہ آہستہ بڑھتے جانا حتیٰ کہ حجۃ الوداع کے موقع پر سوا لاکھ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا عظیم الشان اجتماع جس سے واقعی کفار کے دل جل جائیں۔ یہ سب کچھ ان آیات میں بیان ہوا ہے۔

مختلف انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نے زندگی بھر صرف ایک شخص کو مسلمان کیا کسی نے دو کو۔ کسی نے بارہ کو اور کسی نے اَسی کو۔ لیکن یہ صرف اور صرف ہمارے نبی کریم ﷺ کا کارنامہ ہے کہ فوج در فوج افراد کو راہِ ہدایت پر گامزن کر دیا اور لاکھوں قدسیوں کو اپنی نگاہِ کرم سے فیض یاب کر دیا۔

خالق اپنی مخلوق سے، کاریگر اپنی صنعت سے اور استاد اپنے شاگرد سے پہچانا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام علیہم الرضوان کی کثیر تعداد اور ان کا زہد و تقویٰ و اخلاص ہمارے نبی کریم ﷺ کی افضلیت کا کھلا ثبوت ہے۔

بائبل میں لکھا ہے کہ "وہ ہزاروں قدسیوں میں آیا" (استثناء ۲:۳۳)۔

اور قرآن میں ہے کہ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجاً یعنی تو نے دیکھا کہ لوگ اللہ کے دین میں فوج درفوج داخل ہو رہے ہیں۔ یہ اعزاز نبی کریم ﷺ سے پہلے کسی نبی کو حاصل نہیں ہوا۔

عیسائیت کے رد میں لکھی جانے والی دنیا میں سب سے اچھی کتاب اظہار الحق ہے یہ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی علیہ الرحمہ کی تصنیف ہے۔ فقیر راقم الحروف نے بھی اس موضوع پر ایک ہمہ پہلو کتاب لکھی ہے جس کا نام "عیسائیت سے اسلام تک" ہے۔

دوسری آیت:

قَدْجَآءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِیْنٌ یعنی یقیناً تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور واضح کتاب آ گئی (مائدہ:۱۵)۔

- اس آیت میں نور سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں۔ اس سے پچھلے جملے میں قَدْجَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا کے الفاظ ہیں جن میں صاف نبی کریم ﷺ کا ذکر ہے۔ تفسیرِ خازن، تفسیر بیضاوی، تفسیر جلالین اور تفسیر مدارک وغیرہ میں لکھا ہے کہ نور سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں۔

خود نبی کریم ﷺ نے بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا (مصنف عبدالرزاق الجزء المفقود جلد ا صفحہ ۶۴، مواہب لدنیہ جلد ا صفحہ ۹، المستند صفحہ ۱۲)۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو اپنی ان آنکھوں سے دیکھا ہے، آپ ﷺ سراپا نور تھے بلکہ اللہ کے نور میں سے نور تھے (مصنف عبدالرزاق جلد ا صفحہ ۶۳)۔

اور فرمایا میں اللہ کے نور سے ہوں اور تمام مخلوق میرے نور سے ہے (نور ظلم صفحہ ۳ از حماد بن امام اعظم ابوحنیفہ رحمہما اللہ)۔ نیز حدیث شریف میں ہے کہ اِنِّیْ لَسْتُ كَمِثْلِكُمْ اِنِّیْ اَبِیْتُ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیَسْقِیْنِیْ یعنی میں تمہاری طرح کا نہیں ہوں میرا رب مجھے

کھلاتا اور پلاتا ہے (بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۸۴، المستند صفحہ ۱۲)۔ نیز فرمایا اَیُّکُمْ مِثْلِیْ اِنِّیْ اَبِیْتُ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیَسْقِیْنِیْ یعنی تم میں سے کون مجھ جیسا ہے۔ میرا رب مجھے کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ہے (بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۶۴، مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۵۲)۔

حضرت عبداللہ ابن عباس ﷺ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا سایہ نہ تھا اور آپ ﷺ کے چہرۂ اقدس کی چمک سورج پر بھی غالب تھی اور چراغ پر بھی غالب تھی (الوفا صفحہ ۴۰۷)۔

حضرت عثمان غنی ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا سایہ زمین پر نہیں پڑنے دیا تاکہ کوئی انسان اس پر پاؤں نہ رکھے (مدارک جلد ۳ صفحہ ۳۴۳)۔

حضرت ذکوان تابعی رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا سایہ نہ ہی دھوپ میں دیکھا گیا اور نہ ہی چاند کی چاندنی میں دیکھا گیا (ترمذی، خصائص کبریٰ جلد ۱ صفحہ ۱۱۶)۔

ابن سبع رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا سایہ نہیں اور آپ نور تھے (خصائص کبریٰ جلد ۱ صفحہ ۱۱۶)۔

نبی کریم ﷺ کی بشریت نص قطعی سے ثابت ہے۔ اسکا انکار کفر ہے، مگر اسکے ساتھ آپ کی نورانیت بھی دلائل سے ثابت ہے۔ ایک اعلیٰ وصف کے ہوتے ہوئے عامیانہ وصف سے نبی کریم ﷺ کو یاد کرنا بےادبی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضاً یعنی جس طرح ایک دوسرے کو بلاتے ہو اس طرح رسول کو مت بلاؤ (النور: ۶۳)۔

یہی وجہ ہے کہ ازواج مطہرات، سیدۃ فاطمۃ الزہراء، حضرت عباس، سیدنا صدیق اکبر، سیدنا فاروق اعظم، سیدنا عثمان غنی، مولا علی اور حسنین کریمین علیہم الرضوان آپ ﷺ کو اپنے رشتے سے پکارنے سے اجتناب فرماتے تھے اور آپ کو یارسول اللہ کہہ کر پکارتے تھے۔

نبی کریم ﷺ کی بشریت کے معلوم ہونے کے باوجود آپ کو نور ہی کہنا زیب دیتا ہے۔ اسی میں ادب ہے خصوصاً جب کہ آپ کی نورانیت قوی دلائل سے ثابت ہے۔

آپ ﷺ کا اوّل الخلق ہونا

حدیث پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا (مواہب جلد ا صفحہ ۹)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ کُنۡتُ نَبِیّاً وَّ اٰدَمُ بَیۡنَ الرُّوۡحِ وَالۡجَسَدِ یعنی میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام ابھی روح اور جسم کے درمیان تھے (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۰۲، المستند صفحہ ۱۵)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ میں اس وقت بھی اللہ کے ہاں خاتم النبیین لکھا ہوا تھا جب کہ آدم مٹی میں گوندھے جا رہے تھے (مشکوٰۃ صفحہ ۵۱۳)۔

میلا دُ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

یہ آیت کہ "اللہ کی طرف سے تمہارے پاس نور آ گیا اور کتاب آ گئی"۔ اس میں نبی کریم ﷺ کی تشریف آوری کا ذکر ہے۔ مسلمان نبی کریم ﷺ کے میلاد شریف کی خوشی ہمیشہ سے مناتے چلے آئے ہیں۔ یہ اللہ کی نعمت کا شکر ہے اور اس کے فضل پر فرحت و شادمانی کا اظہار ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلۡ بِفَضۡلِ اللّٰهِ وَبِرَحۡمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلۡيَفۡرَحُوۡا یعنی کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت پر خوشیاں مناؤ (یونس: ۵۸)۔

حضور ﷺ اللہ کا سب سے بڑا فضل اور اسکی سراپا رحمت بلکہ رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ہیں۔ لہٰذا آپ کی تشریف آوری پر خوشی منانا بدرجۂ اولیٰ ثابت ہوا۔

ایک اور آیت میں فرمایا: وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ یعنی اور اپنے رب کی نعمت کو بیان کر (الضحیٰ: ۱۱)۔ نبی کریم ﷺ اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہیں لہٰذا اس نعمت کو بیان کرنا بھی دوسری نعمتوں سے بڑھ کر ثابت ہوا۔

خود نبی کریم ﷺ ہر سوموار کو روزہ رکھتے تھے۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ آپ ہر سوموار کو روزہ کیوں رکھتے ہیں۔ فرمایا اس دن میں پیدا ہوا تھا اور اس دن مجھ پر قرآن اتارا گیا (مسلم جلد ا صفحہ ۳۶۸، المستند صفحہ ۵)۔

صحیح بخاری میں ہے کہ ابولہب کے مرنے کے بعد اس کے گھر کے ایک فرد (حضرت

عباس ؓ) نے خواب میں دیکھا۔آپ نے اس سے اس کا حال پوچھا۔اس نے کہا کہ حال برا ہے۔صرف اس انگلی میں سے پینے کا پانی مل جاتا ہے جس سے اشارہ کر کے میں نے محمد ﷺ کی ولادت کی خوشی میں اپنی کنیز ثویبہ کو آزاد کیا تھا (بخاری جلد۲ صفحہ ۷۶۴، المستند صفحہ ۵)۔

ترمذی شریف میں ایک باب موجود ہے جس کا نام ''بَابُ مَاجَاءَ فِیْ مِیْلَادِ النَّبِیِّ ﷺ'' ہے۔

میلاد شریف کے موقع پر نعت، درود، محافل کا انعقاد، جلوس نکالنا اور رسالت کے نعرے بلند کرنا سب جائز ہے۔ جب نبی کریم ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو لوگوں نے آپ کا زبردست استقبال کیا۔حدیث شریف میں ہے:

فَصَعِدَ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ فَوْقَ الْبُیُوْتِ وَتَفَرَّقَ الْغِلْمَانُ وَالْخَدَمُ فِی الطُّرُقِ یُنَادُوْنَ یَا مُحَمَّدُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ یَا مُحَمَّدُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ یعنی مرد اور عورتیں مکانوں کی چھتوں پر چڑھ گئے۔نوجوان اور غلام راستوں میں پھیل گئے۔سب نعرے لگا رہے تھے یَا مُحَمَّدُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ یَا مُحَمَّدُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ (مسلم جلد۲ صفحہ ۴۱۹، المستند صفحہ ۱۸)۔

میلاد کے موضوع پر علامہ ابن جوزی نے اَلْمِیْلَادُ النَّبَوِی، علامہ جلال الدین سیوطی نے حَسَنُ الْمَقْصَدُ فِیْ عَمَلِ الْمَوْلَد، ملا علی قاری نے اَلْمَوْرَدُ الرَّوِیّ فِیْ الْمِیْلَادِ النَّبَوِی، نواب صدیق حسن خان بھوپالی نے اَلشَّمَامَۃُ الْعَنْبَرِیَّۃُ فِیْ مَوْلَدِ خَیْرِ الْبَرِیَّۃِ نام کی مستقل کتابیں لکھی ہیں۔حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمت اللہ علیہ نے میلاد النبی نام کا ضخیم اور محققانہ رسالہ تحریر فرمایا ہے جو مقالات کاظمی حصہ اوّل میں چھپا ہوا دستیاب ہے۔فقیر راقم الحروف نے اس موضوع پر ایک ہمہ پہلو رسالہ لکھا ہے جسکا نام ''جواز الاحتفال بمیلاد صاحب الجمال'' ہے۔

ویسے بھی ایک سچے غلام اور امتی کے لیے ضروری ہے کہ اسکے دل میں اپنے نبی کریم ﷺ کی والہانہ محبت موجزن ہو۔سچا عاشق میلاد منانے کے لیے مزید کسی دلیل کا محتاج نہیں ہوتا۔ مَنْ

اَحَبَّ شَیْأً اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ یعنی جو کسی چیز سے محبت کرتا ہے اسی کی یاد میں رہتا ہے۔

تیسری آیت:

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِداً وَّمُبَشِّراً وَّنَذِیْراً وَّدَاعِیاً اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجاً مُّنِیْراً یعنی اے نبی ہم نے آپ کو شاہد بھیجا ہے اور خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا اور اللہ کی طرف اسکے اذن سے دعوت دینے والا اور چمکتا ہوا سورج بنا کر بھیجا ہے (احزاب: ۴۵، ۴۶)۔

اس آیت میں نبی کریم ﷺ کو شاہد قرار دیا گیا ہے۔ قرآنی لغت کی دنیا بھر میں سب سے اچھی کتاب مفردات الفاظ القرآن ہے، اس میں لکھا ہے۔

اَلشُّھُوْدُ وَالشَّھَادَۃُ اَلْحُضُوْرُ مَعَ الْمُشَاھَدَۃِ اِمَّا بِالْبَصَرِ اَوْ بِالْبَصِیْرَۃِ یعنی شہود اور شہادت حاضر ہونے اور مشاہدہ کرنے کو کہتے ہیں خواہ نظر سے ہو یا بصیرت سے (مفردات صفحہ ۲۷۴)۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ نے میرے لیے زمین سکیڑ دی اور میں نے اسکے مشرق و مغرب سب دیکھ لیے (مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۵۱۲، المستند صفحہ ۱۷)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ قبر میں ہر مرنے والے پر یہ سوال ہوتا ہے کہ مَاکُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ ھٰذَا الرَّجُلِ مُحَمَّدٍ یعنی تو اس مرد محمد ﷺ کے بارے میں کیا کہتا تھا (بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۷۸، المستند صفحہ ۱۷)۔

"اس مرد" کے لفظ سے ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ اس وقت سامنے موجود ہوتے ہیں۔

اہلِ اسلام کا عقیدہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی قبرِ انور میں زندہ تشریف رکھتے ہیں۔ پوری دنیا آپ کے سامنے اس طرح سمٹی ہوئی ہے جیسے ہاتھ کی ہتھیلی اور آپ جہاں چاہیں تشریف لے جاسکتے ہیں اور ایک وقت میں کئی مقامات پر بھی تشریف لے جاسکتے ہیں۔

اس حقیقت پر حاضر و ناظر کا اطلاق جائز ہے۔ حاضر و ناظر کا لفظ قرآن و حدیث میں کسی

جگہ بھی اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال نہیں ہوا اور نہ ہی یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے کوئی نام ہے۔
اور اگر یہ اللہ تعالیٰ کا نام ہوتا بھی تو پھر کیا تھا، اللہ تعالیٰ کے کتنے ہی نام ایسے ہیں جو حبیب کریم ﷺ کے بھی نام ہیں۔ حاضر و ناظر کے موضوع پر حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمت اللہ علیہ کی کتاب "تسکین الخواطر" نہایت محققانہ اور لاجواب چیز ہے۔

چوتھی آیت:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُوْفٌ رَّحِيْمٌ یعنی یقیناً تمہارے پاس ایک شان والا رسول آ گیا جو تم ہی میں سے ہے۔ تمہاری مشقت اس پر گراں گزرتی ہے۔ تمہاری بہتری کا بہت ہی خواہشمند ہے اور مومنوں پر رؤف اور رحیم ہے (توبہ: ۱۲۸)۔

نبی کریم ﷺ کو انسانیت کا کتنا درد اور احساس ہے وہ اس آیت سے بخوبی ظاہر ہے اور امت کے لیے تو آپ اس سے بھی بڑھ کر مہربان اور رحیم ہیں۔ جب آقا کو اپنے غلاموں کا اس قدر احساس ہے تو پھر غلاموں کو حق نمک و غلامی ادا کرنے کے لیے کیا کچھ کرنا چاہیے اسکا اندازہ خود لگایا جاسکتا ہے۔
مِنْ اَنْفُسِكُمْ کے الفاظ حضور ﷺ کے نسب کی عظمت کو ظاہر کر رہے ہیں (قرطبی جلد ۸ صفحہ ۲۷۵)۔
اس آیت میں اللہ کے دو نام رؤف اور رحیم نبی کریم ﷺ کے حق میں استعمال ہوئے ہیں۔ یہ آیت آپ ﷺ کی رفعت شان کا واضح ثبوت ہے۔

پانچویں آیت:

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ یعنی اے نبی ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے (انبیا: ۱۰۷)۔

آپ ﷺ کے لیے قرآن میں آنے، مبعوث ہونے اور بھیجے جانے کے الفاظ بار بار استعمال ہوئے ہیں۔ اس میں آپ ﷺ کی تشریف آوری کی اہمیت اور ولادت باسعادت پر اظہار

مسرت کا واضح اشارہ موجود ہے۔

تمام جہانوں کی طرف تشریف لانے سے آپ ﷺ کی رسالت کی عالم گیریت ظاہر ہے اور تا قیامت آپ ہی کی رسالت کا اجراء ثابت ہے۔

اسی آیت سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ تمام انبیاء علیہم السلام، تمام فرشتوں اور تمام مخلوقات سے افضل ہیں۔

جو ہستی تمام جہانوں کے لیے رحمت ہو اس کے تشریف لے آنے کے بعد مزید کسی نبی کی ضرورت نہیں ہو سکتی لہٰذا اس آیت میں ختم نبوت کی طرف بھی واضح اشارہ موجود ہے۔

رحمۃ للعلمین ہونا ہمارے نبی کریم ﷺ کا خاصہ ہے (خصائص کبریٰ جلد ۲ صفحہ ۳۲۲)۔ آپ ﷺ کے سواء کسی کو رحمۃ للعلمین کہنا یا سمجھنا کفر ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی رحمت مومن اور کافر سب کے لیے ہے۔ مومن کے لیے دنیا اور آخرت میں رحمت اور کافر کے لیے دنیا میں عذاب کے ٹلے رہنے اور شکلیں مسخ ہو جانے اور زمین میں دھنس جانے سے بچے رہنا اسی رحمت کی برکت سے ہے (ابن جریر جزء ۱۷ جلد ۱۰ صفحہ ۱۲۷)۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اِنَّمَا اَنَا رَحْمَةٌ مُّهْدَاةٌ یعنی میں رحمت ہوں اور اللہ کی طرف سے ہدایت ہوں (مستدرک حاکم جلد ۱ صفحہ ۱۳۱، بغوی جلد ۳ صفحہ ۲۷۷، قرطبی جلد ۱۱ صفحہ ۳۰۶)۔

رحمت کے لفظ سے آپ کی رحم دلی اور بندہ نوازی عیاں ہے۔ رحمت کا الٹ لعنت ہے۔ آپ ﷺ نے دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ اگر میں کسی مسلمان پر لعنت بھیج دوں تو آپ اس لعنت کو رحمت میں تبدیل کر دینا (مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۲۴)۔ ایک دفعہ کسی آدمی نے آپ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ابو جہل پر لعنت بھیجیں، آپ ﷺ نے فرمایا اِنِّیْ لَمْ اُبْعَثْ لَعَّاناً وَاِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً یعنی میں لعنت بھیجنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں (مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۵۱۹)۔

رحمت ہی کے لفظ سے ظاہر ہے کہ آپ ﷺ آج بھی زندہ ہیں ورنہ کسی پر رحمت کرنا ممکن نہ ہوگا۔ اور آپ ﷺ حالات سے مکمل طور پر باخبر ہیں ورنہ بے خبری میں رحمت نہ ہو سکے گی۔

آپ ﷺ ہر کسی کے قریب ہیں ورنہ دوری کی وجہ سے رحم کرنا ممکن نہ ہوگا۔ اور آپ ﷺ کو یہ قدرت حاصل ہے کہ کسی کی مشکل کو حل کرسکیں ورنہ قدرت نہ ہونے کی صورت میں رحمت بے معنی ہو کر رہ جائے گی (مقالاتِ کاظمی جلد ا صفحہ ۱۱۵ تا ۱۱۷، از غزالی دوراں سیدنا احمد سعید کاظمی قدس سرہٗ)۔

چھٹی آیت:

لَا اُقْسِمُ بِھٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّ بِھٰذَا الْبَلَدِ یعنی کیا میں اس شہر (مکہ) کی قسم نہ کھاؤں جبکہ تو بھی اس شہر میں موجود ہو؟ (البلد:۱،۲)۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے ساتھ لاڈ کی انتہا کردی ہے۔ نبی کریم ﷺ کے وجودِ مسعود کی وجہ سے مکہ شریف کو قسم کھائے جانے کے قابل ٹھہرایا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جس چیز کی بھی نسبت ہو جائے وہ متبرک ہو جاتی ہے۔ پوری امت کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے کہ آپ ﷺ کے قدم مبارک کی خاک عرش سے افضل ہے اس لیے کہ اسے نبی کریم ﷺ سے وہ نسبت حاصل ہے جو عرشِ بریں کو حاصل نہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی قمیض مبارک اپنے والد ماجد سیدنا یعقوب علیہ السلام کے پاس بھیجی جو نابینا ہو چکے تھے۔ وہ قمیض جب آپ کی آنکھوں پر لگائی گئی تو آپ کی بینائی درست ہوگئی۔ یہ واقعہ قرآن شریف کی سورہ یوسف میں مذکور ہے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے نبی کریم ﷺ کے کپڑے مبارک، بال مبارک، تھوک مبارک، وضو کا پانی، آپ کا خون مبارک اور بول مبارک تبرک کے طور پر استعمال کیے۔ یہ سب باتیں بخاری، مسلم اور کتب سیرت میں موجود ہیں۔

ساتویں آیت:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ یعنی اللہ کو یہ گوارا نہیں کہ انہیں عذاب دے جب کہ تو ان میں موجود ہو (انفال:۳۳)۔

پہلی امتوں پر گناہوں کی وجہ سے دنیا میں ہی عذاب نازل ہو جاتا تھا۔ ان کی بستیاں

اُلٹ جانا اور چہرے مسخ ہو جانا قرآن میں بیان ہوا ہے۔لیکن نبی کریم ﷺ کی برکت سے آئندہ کے لیے یہ عذاب روک دیا گیا۔

آٹھویں آیت:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ یعنی وہی اللہ ہے جس نے اُمیوں میں انہی میں سے رسول بھیجا جو ان پر اسکی آیات پڑھتا ہے۔اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور یہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے (الجمعہ:۲)۔

اس آیت میں چار امور کا ذکر کیا گیا ہے۔(۱)۔آیات کی تلاوت کرنا۔(۲)۔پاک کرنا (تزکیہ)۔(۳)۔کتاب کی تعلیم دینا۔(۴)۔حکمت کی تعلیم دینا۔

تلاوت سے مراد قراۃِ قرآن ہے۔تزکیہ سے مراد نگاہ اور توجہ کے ذریعے پاک کرنا ہے۔کتاب کی تعلیم سے مراد قرآن کے معانی و معارف کا بیان ہے جو حدیث کے ذریعے بیان ہوئے۔حکمت سے مراد قول اور عمل میں پایۂ کمال کو پہنچانا اور حقائق الاشیاء کی معرفت دے کر فارغ التحصیل کرنا ہے۔

حجیت حدیث

کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے جو اضافی الفاظ استعمال فرمائے انہیں حدیث کہا جاتا ہے۔حدیث کے بغیر قرآن شریف کو سمجھنا محال اور کھلی گمراہی ہے بلکہ قرآن کا قرآن ہونا ہی حدیث شریف کے بیان پر موقوف ہے۔جب تک نبی کریم ﷺ نہ فرمائیں کہ "یہ قرآن ہے"۔قرآن کی شناخت ممکن نہیں۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ یعنی ہم نے قرآن آپ پر اس لیے نازل کیا کہ آپ لوگوں پر اسکی وضاحت کریں جو کچھ ان کی طرف نازل کیا گیا ہے (النحل:۴۴)۔

جن الفاظ سے نبی کریم ﷺ نے قرآن کی یہ وضاحت فرمائی انہیں حدیث کہا جاتا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا: اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ یعنی اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو (النسآء:۵۹)۔

رسول کی اطاعت حدیث کو مانے بغیر ممکن نہیں ہے۔ ایک اور جگہ فرمایا

لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰہِ اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃٌ یعنی تمہارے لیے رسول اللہ کی زندگی میں عملی نمونہ موجود ہے (احزاب:۲۱)۔

اس عملی نمونہ کو سنّت کہا جاتا ہے اس کے بغیر قرآن فہمی ناممکن ہے۔ ایک اور جگہ فرمایا

اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ یعنی اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تم سے محبت کریگا (آل عمران:۳۱)۔

نبی کریم ﷺ کی اتباع ہی اتباع سنّت ہے اور اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے اور اس کا محبوب بننے کا ذریعہ ہے۔ ایک اور جگہ فرمایا

فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوۡکَ فِیۡمَا شَجَرَ بَیۡنَہُمۡ ثُمَّ لَا یَجِدُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیۡتَ وَیُسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا یعنی نہیں! تیرے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے اختلافات میں آپکا ہر فیصلہ نہ مان لیں۔ پھر اپنے دلوں میں آپکے فیصلے پر معمولی شک بھی نہ رکھیں اور اسطرح مان لیں جسطرح ماننے کا حق ہے (النسآء:۶۵)۔

اگر کوئی حدیث کا منکر اس آیت پر دیانت سے غور کرے گا تو وہ اپنی نام نہاد تحقیقات سے حدیث کے انکار پر مجبور ہونے کے باوجود احتیاطاً حدیث کی حجیت کا قائل ہو جائے گا۔ اس لیے کہ حکم رسول ﷺ کے مقابلے میں دل کا معمولی کھٹکا اور حرج بھی ایمان کو سلب کر دیتا ہے۔

قرآن کے ایک ایک لفظ کے کئی کئی معنی ہیں۔ کس جگہ پر کونسا معنی مراد ہے اس بات کا حتمی فیصلہ صرف اور صرف نبی کریم ﷺ ہی دے سکتے ہیں۔ مثلاً لغت میں صلوٰۃ کے کئی معنی لکھے ہیں۔ رحمت، دعا، تسبیح، نماز، گھوڑے کا دوڑ میں دوسرے نمبر پر آنا، آگ میں ڈالنا، سیدھا کرنا۔

اسی طرح بے شمار الفاظ کے لغوی اور اصطلاحی یا مرادی معنی میں فرق ہوتا ہے اور یہ فرق محبوب کریم ﷺ کی حدیث کے سواہ سمجھ میں نہیں آ سکتا۔

حدیث کا انکار کرنے سے قرآن میں اپنی من مانی کا راستہ ملتا ہے۔ یہ گمراہی کی بنیاد اور فساد کی جڑ ہے اور فسادی لوگ ہر دور میں حدیث کا انکار کر کے قرآن کے مطالب کو اپنی مرضی کے مطابق پھیرتے رہے ہیں۔ سیدنا فاروقِ اعظم ﷺ نے اس بات کا اعلان کر رکھا تھا کہ جو شخص تم لوگوں سے قرآن پڑھ کر بحث کرے تم اسے حدیث کے ذریعے پکڑو۔

یُجَادِلُوْنَکُمْ بِالْقُرْآنِ فَخُذُوْهُمْ بِالسُّنَنِ یعنی یہ لوگ تم سے قرآن کے ذریعے بحث کرتے ہیں تم انہیں سنت کے ذریعے جکڑو (الشفا جلد ۲ صفحہ ۱۱)۔

سیدنا علی المرتضیٰ ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو خوارج کے خلاف مناظرے کے لیے بھیجا تو انہیں نصیحت فرمائی کہ "لَا تُخَاصِمْهُمْ بِالْقُرْآنِ فَاِنَّ الْقُرْآنَ حَمَّالٌ ذُوْ وُجُوْهٍ فَتَقُوْلُ وَیَقُوْلُوْنَ وَلٰکِنْ خَاصِمْهُمْ بِالسُّنَّةِ فَاِنَّهُمْ لَنْ یَّجِدُوْا مِنْهَا مَحِیْصاً یعنی اُن سے قرآن کے ذریعے بحث مت کرنا۔ قرآن کے ایک ایک لفظ کے کئی کئی معنی ہوتے ہیں۔ آپ کہیں گے یہ معنی ہے اور وہ کہیں گے یہ معنی ہے۔ بلکہ آپ ان سے حدیث کے ذریعے بحث کرنا۔ حدیث انہیں بھاگنے نہیں دے گی"۔

نبی کریم ﷺ کی تعلیمات قیامت تک کے لیے باقی ہیں لہٰذا حدیث شریف پر عمل قیامت تک جاری رہے گا۔ یہ عمل صرف صحابہ کرام علیہم الرضوان تک محدود نہیں۔ اسی لیے کتاب وحکمت کی تعلیم والی مذکورہ آیت کے فوراً بعد فرمایا: وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ یعنی اور انکے بعد والے لوگ بھی جو ابھی ان سے نہیں ملے (الجمعہ:۳)۔

معلوم ہوا کہ جب تک اسلام باقی ہے اس وقت تک حدیث کی حجیت قائم ہے اور ضرورت باقی ہے۔

ایک دلچسپ سوال

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ۔ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ۔ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ یعنی

بلاشبہ قرآن کو جمع کرنا اور اسے پڑھانا ہمارے ذمے ہے۔ جب ہماری طرف سے پڑھا جا رہا ہو تو آپ غور سے سنتے رہیں پھر اسکے معانی کا بیان کرنا ہماری ذمہ داری ہے (القیامت: ۱۷ تا ۱۹)۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کے معانی بیان کرنے کی ذمہ داری اٹھائی ہے۔ سوال یہ ہے کہ قرآنی معانی اور مفہوم کے وہ ذخائر کہاں محفوظ ہیں جو اللہ نے خود بیان فرمائے ہوں؟

ماننا پڑے گا کہ ذخیرۂ احادیث ہی قرآن کے معانی و مفاہیم کا حقیقی حامل ہے۔ کتاب و حکمت کی تعلیم سے یہی مراد ہے۔ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

حجیتِ حدیث کے موضوع پر حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی رحمت اللہ علیہ کی کتاب ''حجیتِ حدیث'' نہایت زبردست تصنیف ہے۔ جو مقالاتِ کاظمی حصہ اوّل میں چھپ چکی ہے۔ اس موضوع پر ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری کی کتاب ''سنتِ خیر الانام'' نہایت فاضلانہ اور جدید انداز کی کتاب ہے۔

نویں آیت:

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا یعنی جو کچھ تمہیں رسول دے اسے لے لو اور جس چیز سے منع کرے اس سے باز رہو (الحشر: ۷)۔

یہ آیت بھی حجیتِ حدیث پر زبردست دلیل ہے جو کچھ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے دیا اس سے مراد نبی کریم ﷺ کے تمام اوامر ہیں اور جس چیز سے منع کیا اس سے مراد تمام نواہی ہیں۔ ایمان کی مختصر ترین تعریف یہی ہے کہ ''نبی کریم ﷺ کے ہر حکم کو ماننا''۔

احکامِ شرعیہ

شریعت کے احکام دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جن کا نبی کریم ﷺ نے حکم دیا اور ایک وہ جن سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا۔ جن کا حکم دیا ان میں سے کچھ فرض ہیں، کچھ واجب، کچھ سنتِ موکدہ اور کچھ سنتِ غیر موکدہ۔ جن سے منع فرمایا ان میں سے کچھ حرام ہیں، کچھ مکروہِ تحریمی، کچھ مکروہِ تنزیہی اور کچھ خلافِ اولیٰ۔ جن کے بارے میں خاموشی اختیار فرمائی وہ مباح ہیں۔

فرض وہ ہے جو ایسی دلیل سے ثابت ہو جس کا ثبوت اور دلالت قطعی ہوں اور اس میں

عمل کا سخت مطالبہ کیا گیا ہو مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ۔ اس کا الٹ حرام ہے۔

واجب وہ ہے جو کسی ایسی دلیل سے ثابت ہو جس کے ثبوت یا دلالت میں سے ایک ظنی ہو اور اس پر عمل کا سخت مطالبہ کیا گیا ہو مثلاً وتر، قربانی، فطرانہ وغیرہ اس کا الٹ مکروہِ تحریمی ہے۔

سنتِ مؤکدہ وہ ہے جس کو نبی کریم ﷺ نے اکثر کیا ہو یا اسکے کرنے کی تاکید فرمائی ہو مثلاً اذان، اقامت اور مٹھی بھر داڑھی وغیرہ، اسکا الٹ اساءت ہے۔

سنتِ غیر مؤکدہ وہ ہے جسے نبی کریم ﷺ نے اکثر چھوڑا ہو اور کبھی کبھی کیا ہو یا اسکی تاکید نہ کی ہو مثلاً عشاء اور عصر کی چار سنتیں۔ اسکا الٹ مکروہِ تنزیہی ہے۔

مستحب وہ ہے جو ایسی دلیل سے ثابت ہو جس میں عمل کا سخت مطالبہ نہ کیا گیا ہو یا وہ حدیثِ ضعیف سے ثابت ہو یا وہ علماءِ امت کے عمل سے ثابت ہو یا وہ سنتِ زائدہ ہو۔ لَافَـــرْقَ بَیْـنَ النَّفْلِ وَ سُنَنِ الزَّوَائِدِ مِنْ حَیْثُ الْحُکْمِ (شامی جلد ۱ صفحہ ۷۶)۔ مثلاً مسافر کے لیے روزہ رکھنا، نبی کریم ﷺ کا نام مبارک سن کر انگوٹھے چومنا، محافل میلاد کا انعقاد، گیارہویں، سوئم، چالیسواں، عرس منانا، کھانے پینے کے آداب یعنی داہنے ہاتھ سے کھانا، اپنے سامنے سے کھانا، ایک گھٹنا کھڑا کر کے کھانا یا التحیات کی طرح یا اکڑوں بیٹھ کر کھانا، کھانا کھا کر انگلیاں چاٹنا، اوّل وآخر ہاتھ دھونا اور پانی تین سانس میں پینا، سر کے بال، لباس، عمامہ وغیرہ۔ اس کا الٹ خلافِ اولیٰ ہے۔

مباح وہ کام ہے جس کا شریعت میں حکم نہ ہو اور نہ اس سے منع کیا گیا ہو۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جسکے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خاموشی اختیار کی اس کی معافی ہے (مشکوٰۃ صفحہ ۳۶۷)۔

مثلاً سردی، گرمی کے لباس، مختلف نظام ہائے حکومت، پکی مسجد بنوانا، قرآن چھاپہ خانہ پر چھپوانا، لاؤڈ سپیکر کا استعمال وغیرہ۔

دسویں آیت:

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی یعنی (میرا نبی) اپنی خواہش سے نہیں بولتا یہ جو کچھ بولتا ہے وہ اس پر بھیجی گئی وحی ہوتی ہے (النجم: ۳،۴)۔

آپ ﷺ کی گفتگو یا تو قرآن ہے (وحی متلو) یا حدیث ہے (وحی غیر متلو)۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں میں جو کچھ کہوں لکھ لیا کرو۔ اللہ کی قسم اس منہ سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا (ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۱۵۸)۔

آپ ﷺ کا کلام نہایت جامع ہے۔ فرمایا بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ یعنی مجھے جامع کلام عطا ہوا ہے (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۵۱۲، المستند صفحہ ۲۸۰)۔

جامع کلام

آئندہ سطور میں ہم آپ ﷺ کے کلام مبارک کے چند نمونے تحریر کر رہے ہیں مگر ان کے لکھنے سے پہلے ہم اہل عقل و دانش کو ان میں غور کرنے کی دعوت دیتے ہیں اور دنیا کے عقلاء و فصحاء کے کلام سے موازنہ کرنے کا چیلنج دیتے ہیں۔ دل کی آنکھوں سے پڑھو اگر سینے میں دل ہے۔

۱۔ اِنَّ مِنَ الْعِلْمِ جَهْلًا — بعض علوم بھی عین جہالت ہیں۔

۲۔ اَلْغِنىٰ غِنَى النَّفْسِ — غنی وہ ہے جس کا دل غنی ہو۔

۳۔ اَلْاِقْتِصَادُ فِى النَّفَقَةِ نِصْفُ الْمَعِيْشَةِ — میانہ روی آدھی معیشت ہے۔

۴۔ اِنَّ الْوَلَدَ مَبْخِلَةٌ مَجْبِنَةٌ — اولاد بخل اور بزدلی کا سبب بنتی ہے۔

۵۔ اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلىٰ — اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے۔

۶۔ اَلظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ — قیامت کے دن ظلم، ظلمات ہوگا۔

۷۔ اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلْقِ وَالْاِثْمُ مَاحَاكَ فِىْ صَدْرِكَ وَكَرِهْتَ اَنْ يُطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ

نیکی اچھا اخلاق ہے اور برائی وہ ہے جو تیرے سینے میں چبھے اور تو اسے لوگوں سے چھپانا چاہے۔

۸۔ لَا حَلِيْمَ اِلَّا ذُوْ عَثْرَةٍ وَلَا حَكِيْمَ اِلَّا ذُوْ تَجْرُبَةٍ

حلیم وہی ہو سکتا ہے جسے ٹھوکریں لگی ہوں اور حکیم وہی ہو سکتا ہے جسکے پاس تجربہ ہو۔

۹۔ لَا عَقْلَ كَالتَّدْبِيْرِ — تدبیر جیسی کوئی عقل نہیں۔

۱۰۔ اَلتَّوَدُّدُ اِلَى النَّاسِ نِصْفُ الْعَقْلِ — لوگوں سے محبت آدھی عقل ہے۔

۱۱۔ لَيْسَ الْخَبَرُ كَالْمُعَايَنَةِ — سنی اور دیکھی میں فرق ہے۔

۱۲۔ اَنۡزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَهُمۡ — لوگوں سے حسب مرتبہ پیش آؤ۔

۱۳۔ اِنَّ مِنَ الۡبَیَانِ لَسِحۡراً — بعض بیانات میں جادو ہے۔

۱۴۔ اَلۡعُجۡلَةُ مِنَ الشَّیۡطٰنِ — جلدی شیطان کراتا ہے۔

۱۵۔ اَلۡوَحۡدَةُ خَیۡرٌ مِّنۡ جَلِیۡسِ السُّوۡءِ — برے ساتھی سے تنہائی بہتر ہے۔

۱۶۔ مَنۡ صَمَتَ نَجَا — جو چپ رہا نجات پا گیا۔

۱۷۔ اَلصِّدۡقُ طَمَانِیَةٌ وَالۡکِذۡبُ رِیۡبَةٌ — سچ اطمینان ہے اور جھوٹ شک ہے۔

۱۸۔اَصۡدَقُ الرُّؤۡیَاءِ بِالۡاَسۡحَارِ — سب سے سچے خواب سحر کے وقت آتے ہیں۔

۱۹۔ اَلرِّزۡقُ یَطۡلُبُ الۡمَرۡءَ کَمَا یَطۡلُبُهٗ اَجَلُهٗ — رزق آدمی کو موت کی طرح تلاش کرتا ہے۔

۲۰۔ اِیَّاكَ وَاللَّوۡ فَاِنَّ اللَّوۡ تَفۡتَحُ عَمَلَ الشَّیۡطٰنِ

کاش کہہ کر مت پچھتاؤ۔ کاش کے لفظ سے شیطانی عمل کا دروازہ کھلتا ہے۔

۲۱۔ اِزۡهَدۡ فِیۡ الدُّنۡیَا یُحِبُّكَ اللّٰهُ وَازۡهَدۡ فِیۡمَا عِنۡدَ النَّاسِ یُحِبُّكَ النَّاسُ

دنیا سے بے نیاز ہو جاؤ اللہ تم سے محبت کریگا جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے بے پرواہ ہو جاؤ لوگ تمہیں چاہنے لگیں گے۔

۲۲۔اَلۡمَجَالِسُ بِالۡاَمَانَةِ — باہمی گفتگو امانت ہوتی ہے۔

۲۳۔اَلۡخَمۡرُ جِمَاعُ الۡاِثۡمِ — شراب گناہوں کا مجموعہ ہے۔

۲۴۔مَطۡلُ الۡغَنِیِّ ظُلۡمٌ — امیر آدمی کی ٹال مٹول ظلم ہے۔

۲۵۔سَیِّدُ الۡقَوۡمِ فِی السَّفَرِ خَادِمُهُمۡ — قوم کا سردار سفر میں ان کا خادم ہوتا ہے۔

۲۶۔مَنۡ تَشَبَّهَ بِقَوۡمٍ فَهُوَ مِنۡهُمۡ — جو کسی قوم سے مشابہت رکھے وہ انہی میں سے ہے۔

۲۷۔حُبُّكَ الشَّیۡءَ یُعۡمِیۡ وَیُصِمُّ — کسی چیز کی محبت انسان کو اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔

۲۸۔حُبُّ الدُّنۡیَا رَأۡسُ کُلِّ خَطِیۡئَةٍ — دنیا کی محبت ہر خطا کی جڑ ہے۔

۲۹۔ مِنۡ حُسۡنِ اِسۡلَامِ الۡمَرۡءِ تَرۡكُ مَالَا یَعۡنِیۡهِ

کسی کے اچھے اسلام کی علامت یہ ہے کہ غیر متعلقہ چیزوں میں دلچسپی نہ لے۔

۳۰۔ تُحۡفَةُ الۡمُؤۡمِنِ الۡمَوۡتُ — مومن کا تحفہ موت ہے۔

۳۱۔ یَدُ اللّٰہِ عَلَی الۡجَمَاعَةِ — اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔

۳۲۔ اِنَّ الۡمُسۡتَشَارَ مُؤۡتَمَنٌ — جس سے مشورہ لیا جائے، وہ اسکے پاس امانت ہے۔

۳۳۔ اِنَّ مِنَ الۡقَوۡلِ عَیَالاً — بعض باتیں بولنے والے کے لیے مصیبت ہوتی ہیں۔

۳۴۔ کَفٰی بِالۡمَرۡءِ کَذِباً اَنۡ یُّحَدِّثَ بِکُلِّ مَاسَمِعَ

کسی آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات آگے کرتا پھرے۔

۳۵۔ اِنَّمَا شِفَاءُ الۡعَیِّ السُّوَالُ — جہالت کی بیماری کا علاج سوال ہے۔

۳۶۔ دَعۡ مَا یُرِیۡبُكَ اِلٰی مَالَا یُرِیۡبُكَ — مشکوک کو چھوڑ کر مضبوط کو اختیار کرو۔

۳۷۔ مَنۡ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَهُ اللّٰہُ — جس نے عاجزی اختیار کی اللہ نے اسے بلند کر دیا۔

۳۸۔ مَنۡ لَّمۡ یَشۡکُرِ النَّاسَ لَمۡ یَشۡکُرِ اللّٰہَ — جو بندوں کا ناشکرا ہے وہ اللہ کا بھی ناشکرا ہے۔

۳۹۔ مَنۡ سَکَنَ الۡبَادِیَةَ جَفَا — جو گاؤں میں رہائش پذیر ہو گیا وہ علم سے دور ہو گیا۔

۴۰۔ بَلِّغُوۡا عَنِّیۡ وَلَوۡ آیَةً — میری بات آگے پہنچا دو، خواہ ایک جملہ ہی ہو۔

یہ احادیث مختلف کتب سے چنی گئی ہیں اور سب کی سب مشکوٰۃ میں موجود ہیں۔

نبی کریم ﷺ کو جب دو کاموں میں سے ایک کام کا اختیار ملتا تو آپ آسان کام کو اختیار فرماتے بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو (شمائل ترمذی صفحہ ۲۵)۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگرد حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ دانشمند کون ہے؟ انہوں نے کہا دانشمند وہ ہے جو اچھائی اور برائی میں تمیز کر سکے۔ آپ نے فرمایا اتنی بات تو جانوروں کو بھی معلوم ہے۔ جب کوئی کتے کو تنگ کرتا ہے تو وہ اسے کاٹتا ہے اور جو اسے روٹی کھلائے وہ اس سے مانوس ہو جاتا ہے۔ دانشمند تو وہ ہے جو دو اچھائیوں میں سے بڑی اچھائی کو اور دو برائیوں میں سے مصلحتاً چھوٹی برائی کو ترجیح دے سکے (تذکرۃ الاولیاء صفحہ ۴)۔

یہاں سے علمِ ترجیحات کی نورانی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں اور اس کے مکمل دھارے متعین ہو رہے ہیں۔

علمِ ترجیحات

انسان دین و دنیا کے تمام معاملات میں ترجیحات قائم کیے بغیر ایک قدم بھی نہیں چل سکتا۔ وہ ایک قدم بھی اٹھاتا ہے تو کسی ترجیح کی بنا پر اٹھاتا ہے اور اگر رکتا ہے تو کسی نہ کسی ترجیح کی بنا پر رکتا ہے۔ یہ ایک مستقل علم ہے جسے آج تک مدوّن نہیں کیا گیا۔ ذیل کی سطور میں اس علم کی باقاعدہ بنیاد رکھی جا رہی ہے اور یہ سب شہنشاہِ دو عالم ﷺ کی بانٹی ہوئی خیرات ہے۔

یاد رکھیے! سیاسیات، معاشیات اور سائنس وغیرہ تمام علوم میں سب سے زیادہ ماہر وہ ہے جو ان علوم میں سب سے زیادہ ترجیحات کو جانتا ہے۔

ذاتی معاملات میں ترجیحات

نبی کریم ﷺ نے فرمایا اِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا تیری جان کا بھی تجھ پر حق ہے۔ لہٰذا کثرتِ مجاہدہ اور اپنی صحت کی حفاظت میں حسبِ ضرورت ترجیحات جاننا ضروری ہے۔ روزمرہ کے معاملات مثلاً طعام، آرام، کام اور دوستوں سے ملاقات میں ترجیحات معلوم ہوں کہ کس وقت کون سا کام صحیح ہے۔ انسان کی کمزوری ہے کہ اپنے سامنے والی چیز کو دور والی چیز پر ترجیح دیتا ہے اور اپنی ذاتی بات خواہ کتنی ہی فضول ہو، اسے دوسروں کی قیمتی بات پر ترجیح دیتا ہے۔ یہ غلط ترجیح ہے اسے اخلاق سیکھ کر درست کیا جائے۔

معاشرتی معاملات میں ترجیحات

اس کا تعلق مخلوق کے حقوق، انسانوں کے حقوق، مسلمانوں کے حقوق، دوستوں اور رشتہ داروں کے حقوق اور ماں باپ، میاں بیوی، اولاد، مہمان، پڑوسی وغیرہ کے حقوق سے ہے۔ ان میں ترجیحات کا جاننا ضروری ہے۔ عام مخلوق پر انسان کو، عام انسان پر مسلمان کو، عام مسلمان پر

رشتہ دار کو اور عام رشتہ دار پر قریبی رشتہ دار کو ترجیح دی جائے۔ فرد اور معاشرے کے مفاد میں ترجیح، ذاتی اور دوسروں کے مفاد میں ترجیح جاننا ضروری ہے اور یہ کہ کس صورتحال میں مختلف افراد سے کس قسم کا معاملہ کرنا ہے۔ مثلاً کسی کی اولاد کے سامنے اس کی پردہ پوشی اور اسکے والدین کے سامنے اس کی غلطی پر اسے صاف صاف ٹوک دینا راجح ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اَنْزِلُوْا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ یعنی لوگوں سے ان کے مرتبے کے مطابق پیش آؤ (مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۴، المستند صفحہ ۲۷۸)۔

دینی معاملات میں ترجیحات

اس کا تعلق اختلافی معاملات یعنی اصولی وفروعی اختلاف میں ترجیحات، علمِ حدیث میں سند وصحت کے لحاظ سے ترجیحات، فقہی واجتہادی مسائل میں ترجیحات، حرام اور حلال میں ترجیحات، خاموشی اور کلام میں ترجیحات، زکوٰۃ اور عفو کی تقسیم میں ترجیحات، امر ونہی میں ترجیحات (جن کا جاننا ایک مبلغ کے لیے نہایت ضروری ہے) اور تقسیم میراث وغیرہ میں ترجیحات سے ہے۔

مسائل طریقت میں ترجیحات

اسکا تعلق دین اور دنیا میں ترجیحات، عقل اور نقل میں ترجیحات، سائنس اور مذہب میں ترجیحات اور کشف والہام میں ترجیحات (تاکہ کشف صحیح اور باطل میں امتیاز معلوم ہو اور قابل عمل ہونے نہ ہونے کا پتہ چلے) سے ہے۔ ان تمام باتوں میں وہم پر ظن کو اور ظن پر قطعیت کو ترجیح حاصل ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا دَعْ مَا يُرِيبُكَ اِلٰى مَالَا يُرِيبُكَ یعنی شک سے بالاتر کو مشکوک پر ترجیح دو (مشکوٰۃ صفحہ ۲۴۲، المستند صفحہ ۲۷۸)۔

گھریلو، معاشی، تعلیمی اور سیاسی معاملات میں ترجیحات

اس کا تعلق ان چیزوں سے ہے۔ گھریلو کاموں میں ترجیحات یعنی کونسا کام زیادہ اہم اور پہلے کرنے کے قابل ہے۔ معاشی ترجیحات مثلاً گھر میں آٹا اور سبزی دونوں موجود نہیں جبکہ رقم صرف ایک چیز کو خریدنے کی ہے تو یقیناً پہلے آٹا خریدا جائے گا۔

تعلیم حاصل کرنے کے لیے تعلیم کے مختلف شعبوں میں سے کسی ایک کو اپنی ضرورت اور طبیعت کے مطابق ترجیح دینے اور پھر پیشہ کے انتخاب میں ترجیحات کو سمجھنے سے ہی زندگی کو مناسب رُخ پر موڑا جا سکتا ہے۔

اس کے علاوہ سرکاری اور قومی معاملات میں ترجیحات کو سمجھنے والے ملک اور قوم کو صحیح سمت میں چلا سکتے ہیں۔ بنیادی ضرورتوں کو سہولیات پر ترجیح دی جائے گی۔ جنگی تدابیر میں ترجیحات کو سمجھنے والا کمانڈر بھی ایک بہترین سالار ثابت ہو سکتا ہے۔

کونسا کام کس شخص کی ذمہ داری ہے، کسی قوم کی ترقی میں اس ترجیح کا بہت بڑا دخل ہے۔ مثلاً عورت سے حکومت کرانا، مرد سے روٹیاں پکوانا، مفکر سے کتابت کرانا غلط ترجیحات ہیں۔ لِکُلِّ فَنٍّ رِجَالٌ (ہر کام کے لیے ماہرین ہوتے ہیں)۔

کون سا کام کس وقت مناسب ہے اس میں ترجیح دینا مثلاً میدانِ جہاد میں مجاہد سے گھریلو مشورے مانگنا، یا ایک مریض مر رہا ہو جبکہ دوسرا مریض طبیب سے صرف مشورہ مانگ رہا ہو تو یہ غلط ترجیحات ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس کا تعلق تدبیر اور حکمت عملی سے ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا لَا عَقْلَ كَالتَّدْبِيرِ یعنی تدبیر جیسی کوئی عقل نہیں (مشکوٰۃ صفحہ ۴۳۰، المستند صفحہ ۲۷۷)۔

طبی معاملات میں ترجیحات

اسکا تعلق مرض کی تشخیص میں ترجیحات اور دواؤں کے انتخاب میں ترجیحات سے ہے۔ مثلاً نبض اگر منخفض اور سست ہے تو مرض بلغمی ہے اور اگر نبض مشرف اور سریع ہے تو مرض سوداوی ہے۔ علاج کرتے وقت صفراء کو خارج کرنے کے لیے ریوند عصارہ پر سقمونیا کو ترجیح دینا، بلغم اگر پتلی ہو تو اطریفل و معاجین کا استعمال اور اگر متعفن ہو جائے تو شربت صدر کو ترجیح دینا۔ متعدد علامات پر پوری اترنے والی ایک ہی دوا کا انتخاب کرنا۔ اس کا تعلق تجربے اور مہارت سے ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا لَا حَكِيمَ اِلَّا ذُو تَجْرُبَةٍ یعنی حکیم وہی ہے جس کے پاس تجربہ ہو (مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۹، المستند صفحہ ۲۷۷)۔ نیز فرمایا لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ یعنی کوئی مرض لاعلاج

نہیں (مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۳۸۷، المستند صفحہ ۲۷۵)۔ نیز فرمایا اللہ نے ایسی کوئی بیماری نہیں بھیجی جس کا علاج نہ بھیجا ہو (بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۴۸)۔

ان تمام معاملات میں نبی کریم ﷺ کی احادیث راہنمائی کر رہی ہیں۔ اور ہر حدیث اپنی تصریح اور عبارت کے لحاظ سے دلالت کناں ہے۔

اللہ اللہ حضور کی باتیں — عین رب غفور کی باتیں

چند لفظوں میں بند سمندر ہیں — میرے آقا حضور کی باتیں

اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی

علم ترجیحات کے موضوع پر فقیر راقم الحروف نے ایک مستقل رسالہ "علم ترجیحات" کے نام سے لکھ دیا ہے جس میں اس موضوع پر کافی تفصیل سے بحث موجود ہے۔

☆......☆......☆

گیارہویں آیت:

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ یعنی (اے نبی) بلاشبہ آپ عظیم اخلاق والے ہیں (القلم: ۴)۔

خُلق باطنی اوصاف کو کہتے ہیں جبکہ خَلق (خ پر زبر کے ساتھ) ظاہری شکل وصورت کو کہتے ہیں۔ ہمارے نبی کریم ﷺ خَلق اور خُلق دونوں کے لحاظ سے نیّرِ اعظم ہیں بقول شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی علیہ الرحمۃ والرضوان

درخَلق ودرخُلق توئی نیّرِ اعظم — لاتدرک اوصافک لم تدر کماہی

ترجمہ:۔ خَلق اور خُلق میں آپ ہی نیّرِ اعظم (سب سے بڑا سورج) ہیں آپ کے اوصاف اور کمالات کا ادراک اور احاطہ کرنا ناممکن ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جب پوچھا گیا کہ نبی کریم ﷺ کے اخلاق کیسے تھے؟ تو آپ نے فرمایا آپ ﷺ کا اخلاق، قرآن تھا۔

ہمہ خُلق او شد کلامِ الٰہی — دل وجاں فدائے ادائے محمد

اخلاقی ضابطہ

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں (موطا امام مالک، احمد، مشکوۃ صفحہ ۴۳۲، المستند صفحہ ۲۶۲)۔ نیز فرمایا نیکی اچھے اخلاق کا نام ہے اور برائی وہ ہے جو تمہارے سینے میں چھپے اور تو اسے لوگوں سے چھپانا چاہے (مسلم، مشکوۃ صفحہ ۴۳۱، المستند صفحہ ۲۷۷)۔

نیز فرمایا کہ انسان اچھے اخلاق کی وجہ سے روزہ رکھنے والے اور رات کو تہجد پڑھنے والے کے مقام پر پہنچ جاتا ہے (ابوداؤد، مشکوۃ صفحہ ۴۳۲)۔

نیز فرمایا لوگوں میں سب سے زیادہ کامل ایمان اس کا ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں اور اپنے گھر والوں سے اچھا سلوک کرتا ہو (ترمذی، مشکوۃ صفحہ ۲۸۲، المستند صفحہ ۲۶۲)۔

نیز فرمایا قیامت کے دن مومن کے میزان میں سب سے بھاری چیز اس کا اخلاق ہوگی اور اللہ تعالیٰ فحش اور بد خو شخص سے نفرت کرتا ہے (ترمذی، مشکوۃ صفحہ ۴۳۱)۔

نیز فرمایا میرا سب سے پسندیدہ شخص وہی ہے جس کے اخلاق اچھے ہیں (بخاری، مشکوۃ صفحہ ۴۳۱)۔

حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ میں دس سال نبی کریم ﷺ کی خدمت میں رہا۔ مجھے نبی کریم ﷺ نے کبھی اُف تک نہیں فرمایا۔ اور کبھی نہیں فرمایا کہ تم نے یہ کیوں کیا اور یہ کیوں نہیں کیا؟ (بخاری، مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۵۳)۔

نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ موقع کی مناسبت سے دنیا و آخرت اور کھانے پینے کی باتوں میں حصہ لیتے تھے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ شخص کو بھی گفتگو میں اہمیت دیتے تھے۔ کسی کو دل توڑنے کے انداز میں نہیں ٹوکتے تھے۔ فحش بات نہ کرتے۔ بازاروں میں چلا کر بات نہ کرتے۔ برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے بلکہ معاف فرما دیتے تھے اور اسے بھلا دیتے تھے۔ جہاد فی سبیل اللہ کے علاوہ کبھی کسی کو اپنے ہاتھ مبارک سے نہ مارتے، نہ خادم کو اور نہ ازواج مطہرات کو۔ اپنی ذات کے لیے کسی سے بدلہ نہ لیتے، البتہ اللہ کی حرمت کے معاملے میں سب سے زیادہ جلال فرماتے۔ جب دو

کاموں میں سے کسی ایک کا اختیار ملتا تو آپ آسان چیز کو اختیار فرماتے۔ بشرطیکہ وہ آسان چیز گناہ نہ ہو۔ کبھی کوئی چیز مانگنے پر انکار نہ فرماتے۔ سب سے زیادہ سخی تھے۔ کبھی کسی چیز کو دوسرے دن کے لیے ذخیرہ نہ کرتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ کے پاس سائل آیا۔ آپ کے پاس اُسے دینے کے لیے فی الوقت کچھ نہ تھا۔ آپ نے فرمایا میرے نام پر قرض لے لو۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اتنی تکلیف اٹھانے کی آپ کو کیا ضرورت ہے؟ آپ ﷺ نے اس بات کو ناپسند فرمایا۔ ایک انصاری نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ بے دریغ خرچ کریں۔ عرش کا مالک کبھی کمی نہیں آنے دے گا۔ آپ ﷺ بہت خوش ہوئے اور فرمایا مجھے ایسی ہی سخاوت کا حکم ہے۔ آپ ﷺ ہدیہ قبول فرماتے اور اس کا بدلہ بھی دیتے تھے۔ یہ سب احادیث شمائل ترمذی کے باب ماجاء فی خُلق رسول اللہ ﷺ میں درج ہیں۔

اخلاق روحانیت کا نچوڑ ہے

اخلاق اور ادب ہی دراصل روحانیت اور طریقت کی جان ہے اور اخلاق کا ایک باریک اور زبردست پہلو یہ ہے کہ سالک فنا کے بعد بقاء کی طرف لوٹ کر ایک طرف مخلوقِ خدا کی اصلاح میں مصروف رہے اور دوسری طرف اللہ کریم جل شانہٗ سے ایک لحہ بھی غافل نہ ہو۔

ریا کاری، تکبر، حسد، خوف، غصہ اور بُغض بہت بڑی روحانی اور اخلاقی بیماریاں ہیں۔ اخلاق کے موضوع پر لکھی جانیوالی کتابوں میں ان کے مفصل علاج درج ہیں۔

طریقت والوں کے لیے ریا، تکبر اور خوف کا علاج فنائیت ہے اور حسد، غصہ اور بغض کا علاج رضا ہے۔

اسلام کا معاشرتی ضابطہ

معاشرے کی بنیادی اکائی ایک فرد ہے۔ افراد کے باہم ملنے سے معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ اسلام معاشرے کی باضابطہ بنیاد رکھنے کے لیے باقاعدہ نکاح کا قانون فراہم کرتا ہے جس میں میاں اور بیوی ایک دوسرے کو قبول کرتے ہیں۔ اس سے غیر ذمہ دارانہ حرکات کی دوٹوک نفی ہو جاتی ہے اور انسان اپنی انسانی شان و شوکت کے ساتھ جانوروں اور حیوانوں سے ممتاز ہو جاتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

فَانْكِحُوْا مَاطَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ یعنی اپنی پسند سے دو تین چار خواتین تک کے ساتھ نکاح کرو (النسآء:٣)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا اَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَيْسَ مِنِّیْ یعنی میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں، جس نے میری سنت کو چھوڑا وہ مجھ سے نہیں (مسلم، بخاری، مشکوٰۃ صفحہ ٢٧)۔

پھر اس نکاح کو چوری چھپے کرنا بھی جائز نہیں۔ بلکہ اس کا اعلان کرنے کا حکم ہے (مشکوٰۃ صفحہ ٢٧٢، المستند صفحہ ٢٠٧)۔

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیجیے کہ اسلام میں حقوق کا مطالبہ کرنے کا کوئی تصور نہیں بلکہ اپنا اپنا فرض ادا کرنے کا ہر کسی کو حکم ہے۔ جب ہر کوئی اپنا فرض ادا کرتا رہے گا تو ایک کا فرض ہی دوسرے کا حق ہے۔ حقوق خود بخود ادا ہوتے رہیں گے۔ اس ذہن کے ساتھ حقوق و فرائض کی تفصیل ملاحظہ کیجیے۔

میاں بیوی کے حقوق و فرائض

نبی کریم ﷺ نے فرمایا

ا۔ بیوی کا حق شوہر پر یہ ہے کہ شوہر جب خود کھائے تو اسے بھی کھلائے۔ جب خود پہنے تو اسے بھی

پہنائے ،اسے منہ پر نہ مارے، اس کے ساتھ بدزبانی نہ کرے اور نہ اسے گھر سے نکالے (احمد، ابوداؤد، ابنِ ماجہ، مشکوٰۃ صفحہ ۲۸۱، المستند صفحہ ۲۶۳)۔

۲۔ مومنوں میں سے کامل ایمان اس کا ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔ اور وہ اپنے گھر والوں سے لطف وکرم سے پیش آتا ہو (ترمذی، مشکوٰۃ صفحہ ۲۸۲، المستند صفحہ ۲۶۲)۔

۳۔ کوئی مومن مرد، مومن عورت (اپنی بیوی) سے بغض نہ رکھے اگر اسکی کوئی عادت اسے ناپسند ہے تو اسکی کوئی دوسری عادت اسے پسند بھی ہوگی (مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۲۸۰، المستند صفحہ ۲۶۳)۔

۴۔ جو عورت اس حال میں مری کہ اس کا شوہر اس پر راضی تھا وہ جنت میں گئی (ترمذی، مشکوٰۃ صفحہ ۲۸۱، المستند صفحہ ۲۶۳)۔

۵۔ مرد کا عورت پر اتنا زیادہ حق ہے کہ اگر میں کسی انسان کو سجدے کا حکم دیتا تو بیوی کو حکم دیتا کہ وہ شوہر کو سجدہ کرے (ابوداؤد، احمد، مشکوٰۃ صفحہ ۲۸۲، المستند صفحہ ۲۶۳)۔

۶۔ اگر شوہر حکم دے کہ سفید پہاڑ کو کالا بنا دو اور کالے کو سفید بنا دو (مطلب یہ ہے کہ مشکل کام کا حکم دے) تو عورت اس پر عمل کرے (احمد، مشکوٰۃ صفحہ ۲۸۳)۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ وَالّٰتِىْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِى الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا یعنی مرد عورتوں پر سربراہ ہیں اس لیے کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر خود فضیلت دی ہے اور اس لیے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں، نیک بخت وہ عورتیں ہیں جو ادب والی ہیں اور اللہ کے حکم کے مطابق شوہر کی غیر موجودگی میں حفاظت رکھتی ہیں۔ جن عورتوں کی نافرمانی کا تمہیں اندیشہ ہو تو انہیں سمجھاؤ۔ اور ان سے الگ سوؤ اور انہیں مارو پھر اگر وہ تمہارے حکم میں آجائیں تو ان پر زیادتی کرنے کے بہانے مت نکالو (النسآء: ۳۴)۔

اس آیت مبارکہ میں میاں بیوی کا گھریلو سسٹم اور اسکی مکمل فلاسفی بیان کر دی گئی ہے۔
بیوی کی نافرنی کی صورت میں سب سے پہلے اسے سمجھایا جائے اور نرمی سے نصیحت کی جائے۔اگر وہ نہ مانے تو اس سے الگ سویا جائے۔اگر وہ پھر بھی نہ مانے تو شوہر اَدبی کاروائی کے طور پر اسے مار سکتا ہے۔حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پہلے عورتوں کو مارنے سے منع فرمایا مگر عورتیں بگڑنے لگیں تو مارنے کی اجازت دے دی (ابوداؤد، ابنِ ماجہ، دارمی، مشکوٰۃ صفحہ ۲۸۲)۔

مذکورہ بالا آیت میں تو اور بھی وضاحت کے ساتھ اجازت نازل ہوگئی۔بہتر اور افضل یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کی غلطیوں پر صبر و تحمل سے کام لے اور اسے نہ مارے۔اور اگر مارنے ہی کی ضرورت محسوس کرے تو ادب سکھانے کی غرض و غایت کو ملحوظ رکھے۔ایسا جذباتی ہو کر نہ مارے کہ بیوی شکایت کرنے پر مجبور ہو جائے (مرقاۃ جلد ۶ صفحہ ۲۷۴)۔نیز منہ پر نہ مارے (مشکوٰۃ صفحہ ۲۸۱)۔

خاندانی منصوبہ بندی

رزق کی کمی کے خوف سے خاندانی منصوبہ بندی کرنا بالکل ناجائز ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَكُمۡ خَشۡيَةَ اِمۡلَاقٍ یعنی اپنی اولاد کو غربت کے ڈر سے قتل مت کرو (بنی اسرائیل:۳۱)۔

اگر عورت کی صحت اور بچوں کی تربیت کے پیشِ نظر خاندانی منصوبہ بندی کی جائے تو یہ کراہت کے ساتھ جائز ہے۔نبی کریم ﷺ سے عزل کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا تم لوگ ایسا نہ کرو تو پھر کیا ہے؟ جسے اللہ نے پیدا کرنا ہے وہ پیدا ہو کر ہی رہے گا (مسلم جلد ۱ صفحہ ۴۶۴)۔

صحیح مسلم میں اسی مضمون کی بہت سی احادیث موجود ہیں اور بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۸۴ پر بھی ایسی ہی حدیث موجود ہے۔اس حدیث کے اندازِ بیان میں کراہت اور ناپسندیدگی صاف جھلک رہی ہے۔خاندانی منصوبہ بندی کو اسی پر قیاس کیا گیا ہے۔

لیکن یہ انفرادی اور ذاتی سطح پر بات ہو رہی ہے۔اس کے برعکس خاندانی منصوبہ بندی کی تبلیغ کرنا اور اسکے لیے اشتہار بازی سخت ناجائز ہے اس لیے کہ اس سے فحاشی پھیلتی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ یعنی جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں فحاشی پھیلے انکے لیے درد ناک عذاب ہے (النور:۱۹)۔

اگر خدانخواستہ میاں بیوی کا نباہ کسی صورت میں نہ ہو سکے تو اسلام نے ایسی صورتحال سے چھٹکارے کے لیے طلاق کی اجازت دی ہے۔ طلاق کوئی پسندیدہ چیز تو نہیں لیکن ناگزیر حالات میں معاشرت میں اصلاح کا یہ آخری حربہ نہایت حسن وخوبی سے مزیّن ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا اِنَّ اَبْغَضَ الْحَلَالِ اِلَی اللّٰهِ الطَّلَاقُ یعنی حلال چیزوں میں اللہ کی سب سے ناپسندیدہ چیز طلاق ہے (ابوداؤد جلد ا صفحہ ۳۰۳، المستند صفحہ ۲۰۸)۔

عوام کے لیے ایک آسان طریقہ یہ ہے کہ اگر کوئی طلاق دینا ہی چاہے تو فی الحال ایک رجعی طلاق دے تاکہ بصورتِ ضرورت اس سے رجوع ممکن ہو۔ تین حیض کے اندر اندر رجوع کرلیا تو ٹھیک، وہ دوبارہ میاں بیوی بن جائیں گے۔ نئے نکاح کی ضرورت نہیں اور اگر تین حیض گزر گئے تو بھی طلاق بائن ہو جائے گی۔ اب عورت چاہے تو آگے نکاح کرے اور اگر واپس اسی شوہر کے پاس آنا چاہے تو صرف نکاح کرنا پڑے گا، حلالہ کی ضرورت نہیں۔

حاملہ کا معاملہ مختلف ہے۔ حاملہ کی عدت وضع حمل تک ہے۔ اگر عورت کو چھوٹی عمر یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت تین ماہ ہے۔ اور بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔

اس کے برعکس ایک ہی مرتبہ دی گئی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور اب ان سے رجوع یا دوبارہ صرف نکاح سے کام نہیں چل سکتا۔ مرد کی اس بے وقوفی کی سزا یہ ہے کہ اگر دوبارہ اسی عورت سے نکاح کرنا چاہے تو پہلے حلالہ ہو۔ حلالہ یہ ہے کہ عدت گزر جانے کے بعد عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے۔ پھر وہ اس سے مباشرت کرے اور پھر مرد اپنی مرضی سے طلاق دے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجاً غَیْرَهٗ یعنی دوبارہ نکاح نہیں ہو سکتا جب تک کسی دوسرے شوہر سے صحبت نہ کرے (البقرہ:۲۳۰)۔

حدیث شریف میں اس سے زیادہ واضح الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

حَتّٰی یَذُوْقَ عُسَیْلَتَھَا (بخاری جلد۲ صفحہ۷۹۱، مسلم جلد۱ صفحہ۴۶۳، المستند صفحہ۲۰۵)۔

بے وقوفی کر چکنے کے بعد پھر مختلف مذاہب کے لوگوں کے پاس جا جا کر گنجائش ڈھونڈتے رہنا بڑے شرم کی بات ہے۔ ایسے لوگ اکثر کہا کرتے ہیں کہ میں نے غصے میں طلاق دی تھی۔ مجھے پتہ نہیں چلا۔ مجھے ہوش نہیں رہا وغیرہ وغیرہ۔ لیکن یاد رکھیں یہ سب فضول بہانے ہیں۔ غصہ بذاتِ خود ایک برائی ہے اور طلاق عام طور پر غصے میں ہی دی جاتی ہے۔ لہٰذا غصے کا بہانہ کوئی فائدہ نہ دے گا۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جس نے تین طلاقیں دیں، طلاق تو ہو گئی مگر اس شخص نے اپنے رب کی نافرمانی کی (مسلم جلد۱ صفحہ۴۷۶)۔

حضرت عویمر نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں (بخاری جلد۲ صفحہ۷۹۱، مسلم جلد۱ صفحہ۴۸۸)۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں نافذ کر دیا یعنی تین طلاقیں ہو گئیں (ابوداؤد جلد۱ صفحہ۳۱۲)۔ اس طرح کی کئی احادیث دار قطنی جلد۴ صفحہ۹، ۱۰ پر موجود ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ ابنِ عباسؓ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں۔ آپؓ نے تھوڑی خاموشی کے بعد فرمایا کہ تم لوگ تین طلاقیں دینے کے بعد سواری پر بیٹھ کر میرے پاس پہنچ جاتے ہو اور یا ابنِ عباس یا ابنِ عباس کرنے لگ جاتے ہو۔ اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے نجات کی راہ رکھی ہے جبکہ تم اللہ سے نہیں ڈرے اور اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں۔ مجھے تمہاری نجات کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی ہے اور تمہاری بیوی تم سے جدا ہو چکی ہے (ابوداؤد، المستند صفحہ۲۰۹)۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے ایک آدمی نے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی ہیں۔ اس مسئلے کا کیا حل ہے؟ فرمایا تین طلاقیں واقع ہو گئیں اور ستانوے بار تم نے اللہ کی کتاب سے مذاق کیا ہے (مؤطا امام مالک، المستند صفحہ۲۱۰)۔

امام نووی رحمت اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ امام شافعی، مالک، ابوحنیفہ، احمد اور جمہور علمائے سلف وخلف علیہم الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ ایک ہی بار تین طلاقیں دینے سے تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی

ہیں (شرح نووی علی مسلم جلد ا صفحہ ۴۷۸)۔

اولاد کے حقوق اور تعلیمی ضابطہ

بچے کے پیدا ہوتے ہی اسکے کانوں میں اذان کہنا مستحب ہے۔ نبی کریم ﷺ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے کان میں اذان پڑھی (ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۳۴۹)۔

ماں باپ کی ذمہ داری ہے کہ بچے کا اچھا نام رکھیں۔ اسکی اچھی تربیت کریں اور جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کی شادی کر دیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا

مَنْ وُلِدَ لَهُ وَلَدٌ فَلْيُحَسِّنْ اِسْمَهُ وَاَدِّبْهُ فَاِذَا بَلَغَ فَلْيُزَوِّجْهُ یعنی جس کا بچہ ہو تو وہ اس کا اچھا نام رکھے۔ اور اس کی تعلیم و تربیت کرے اور جب بالغ ہو جائے تو اسکی شادی کر دے (مشکوٰۃ صفحہ ۲۷۱، المستند صفحہ ۲۶۳)۔

نام وہی اچھا ہے جس میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ، انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام، صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ساتھ نسبت اور تعلق ظاہر ہو۔ غیر اسلامی، بے معنی اور لا یعنی نام نہیں رکھنے چاہییں۔ نبی کریم ﷺ قبیح ناموں کو بدل دیا کرتے تھے (مشکوٰۃ صفحہ ۴۰۸، المستند صفحہ ۲۶۳)۔

ساتویں دن بچے کا عقیقہ کر دینا چاہیے۔ اگر ساتویں دن نہ ہو سکے تو زندگی میں کبھی بھی عقیقہ کیا جا سکتا ہے۔ بیٹا ہو تو دو بکریاں اور بیٹی ہو تو ایک بکری ذبح کرنی چاہیے۔ گائے کی قربانی میں عقیقہ کا حصہ رکھنا جائز ہے۔ سات حصوں میں سے ایک حصہ بکری کے برابر تصور ہوگا۔

بچے کے دودھ پینے کی مدت دو سال ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ یعنی مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں (البقرۃ: ۲۳۳)۔ (وَخَالَفَ الصَّاحِبَانِ الْاِمَامَ، قَالَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ يُؤْخَذُ بِقَوْلِهِ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ يُؤْخَذُ بِقَوْلِهِمَا، وَقِيْلَ يُخَيَّرُ الْمُفْتِيْ، وَالْاَصَحُّ اَنَّ الْعِبْرَةَ لِقُوَّةِ الدَّلِيْلِ وَلَا يَخْفٰى قُوَّةُ دَلِيْلِهِمَا (کذا فی البحر الرائق جلد ۳ صفحہ ۳۸۹)، فَعَلٰى قَوْلِهِمَا الْفَتْوٰى۔

بچے کے ماں باپ باہم مشورہ کر کے دو سال سے پہلے بھی دودھ چھڑا سکتے ہیں۔ اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے فَاِنْ اَرَادَا فِصَالاً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا یعنی اگر بچے کے ماں باپ باہمی رضا مندی اور مشورے سے دودھ جلدی چھڑانا چاہیں تو اُن پر کوئی حرج نہیں (البقرۃ: ۲۳۳)۔ یہیں سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہے کہ بچے کی پیدائش کے بعد دو سال کے اندر اندر اگر کوئی شیر خوار بچہ اپنی ماں کے علاوہ کسی عورت کا دودھ پی لے تو وہ اس کی رضاعی ماں بن جائے گی۔ یعنی بچے کی عمر بھی دو سال سے زیادہ نہ ہو اور عورت کا دودھ بھی دو سال سے زیادہ پرانا نہ ہو تو ان شرائط کے ساتھ رضاعت ثابت ہوگی ورنہ نہیں۔ حدیث پاک میں ہے کہ لَا رِضَاعَ اِلَّا مَا كَانَ فِی الْحَوْلَيْنِ یعنی رضاعت دو سال کے اندر اندر ثابت ہوتی ہے اُس کے بعد نہیں (دار قطنی، المستند صفحہ ۲۰۵)۔

بچہ جب کچھ سیکھنے کے قابل ہو جائے تو اسے کلمہ طیبہ، ایمان مجمل و مفصل اور نماز سکھائی جائے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سات سال کے بچے کو نماز کا حکم دو۔ جب دس سال کا ہو جائے تو نماز نہ پڑھنے پر اسے مارو۔ اور اس عمر میں انہیں الگ الگ بستروں پر سلاؤ (مشکوٰۃ صفحہ ۵۸)۔

علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے (مشکوٰۃ صفحہ ۳۴، مسند امام اعظم صفحہ ۲۰، المستند صفحہ ۹۸)۔ جھوٹ، چوری، زنا، رشوت، شراب، قتل، ڈاکہ، خودکشی وغیرہ کا حرام ہونا ہر شخص کو معلوم ہونا چاہیے۔ اور نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی فرضیت کا ہر کسی کو علم ہونا چاہیے۔ سینہ بسینہ ہر دور میں اتنا علم آگے منتقل ہوتا چلا آیا ہے۔ یہی دین کا تواتر ہے۔ اتنا علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض عین ہے اور اس لحاظ سے مسلمان سو فیصد شرح خواندگی حاصل کر چکے ہیں۔

ماں باپ کو چاہیے کہ بچے کو کسی صحیح العقیدہ اور باعمل استاد کے پاس مسجد یا مدرسے میں بھیجا کریں۔ عیسائیوں، قادیانیوں اور بد مذہبوں کے سکولوں اور مدارس میں بچوں کو ہرگز ہرگز نہ بھیجا جائے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ قُوْآ اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَاراً یعنی اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ (تحریم:۶)۔

حضرت محمد بن سیرین تابعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

اِنَّ ھٰذَا الْعِلْمَ دِیْنٌ فَانْظُرُوا عَمَّنْ تَأْخُذُوْنَ دِیْنَکُمْ یعنی یہ علم دین ہے۔ خوب غور کرلو کہ اپنا دین کس سے حاصل کر رہے ہو (رواہ مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۳۷، المستند صفحہ ۱۰۱)۔

بچوں کو ان سکولوں اور کالجوں میں بھی نہ بھیجا جائے جہاں لڑکے اور لڑکیاں اکٹھے پڑھتے ہوں۔

فقیر راقم الحروف نے ہر مسلمان کی بنیادی تعلیمی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے معلم الاسلام نامی ایک مختصر سا کتابچہ تحریر کر دیا ہے۔ ناظرہ قرآن شریف اور اس کے ساتھ معلم الاسلام یا معلم الاسلام کے برابر علم حاصل کرنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔

بچے کو اچھا ماحول فراہم کیا جائے۔ اچھے دوستوں سے تعلقات رکھنے کا حکم دیا جائے۔ اور بری سنگت سے بچانے کی مکمل کوشش کی جائے۔ دوستی اور صحبت ہی انسان کو بناتی ہے اور یہی انسان کو بگاڑتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِهٖ فَلْیَنْظُرْ اَحَدُکُمْ مَنْ یُّخَالِلُ یعنی آدمی اپنے دوست کے مذہب پر ہوتا ہے دوستوں کے بارے میں غور کر لینا چاہیے (احمد، ترمذی، ابوداؤد، بیہقی، مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۷)۔

یہ زندگی کے مختلف آداب ہیں جو والدین اپنے بچوں کو سکھائیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا باپ کا اپنی اولاد کے لیے بہترین تحفہ یہ ہے کہ اسے اچھے آداب سکھائے (مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۳)۔

نیز فرمایا جس نے تین یا دو یا ایک بھی بیٹی یا بہن کو پالا، اسے ادب سکھایا اور اس پر رحم کیا حتیٰ کہ اللہ کے کرم سے اس کی شادی ہوگئی، اس شخص پر جنت واجب ہوگئی (مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۳)۔

اولاد کا اگلا حق یہ ہے کہ جب بالغ ہو جائے تو باپ ان کا نکاح کر دے۔ مشکوٰۃ کے صفحہ نمبر ۲۷۱ پر اس مضمون کی دو حدیثیں موجود ہیں۔ گویا نکاح کرنا باپ کی ذمہ داری ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ بیوہ یا مطلقہ سے مشورہ لیا جائے اور کنواری سے صرف اجازت لی جائے۔ خاموش ہو جانا ہی اس کی اجازت ہے (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۲۷۰)۔

لہٰذا گھر والوں کے باہمی مشورے اور لڑکی لڑکے کی شریفانہ اجازت یا باحیاء خاموشی کے ساتھ رشتہ طے کرنا ضروری ہے۔ لڑکے لڑکی کو خود پیچا لڑانے کی شریعت میں ہرگز اجازت نہیں۔ خود بخود شادیاں رچا لینے والے لڑکے لڑکیوں کو ہم نے زندگی بھر روتے اور نتائج سامنے آنے پر اپنے کیے پر پچھتاتے دیکھا ہے۔ کنواری لڑکی کا اپنے لیے خود شوہر تلاش کرنا بے حیائی پر ہی منتج ہوگا۔

پھر بھی اگر کوئی خود نکاح کر لے تو باقی شرائط کے ہوتے ہوئے نکاح کی حد تک اسے درست مان لیا جائے گا۔ ہدایہ اور کنز میں لکھا ہے کہ ایسا نکاح ہو جائے گا۔ لیکن یہ ماں باپ کے حقوق، اسلامی عرف، آداب اور شرم وحیا کے منافی ہونے کی بنا پر قابلِ تعزیر جرم ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا لَا نِـكَـاحَ اِلَّا بِـوَلِـيٍّ یعنی وارث کے بغیر نکاح کرنے کا کوئی تک نہیں (احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابنِ ماجہ، دارمی، مشکوٰۃ صفحہ ۲۷۰، المستند صفحہ ۲۰۶)۔

اور اگر لڑکی نے اپنے سے کم تر خاندان میں نکاح کر لیا جو اسکے خاندان والوں کیلئے بے عزتی اور عار کا سبب ہو تو اسکے وارث یہ نکاح فسخ کرا سکتے ہیں۔ کنز کے الفاظ یہ ہیں مَنْ نَكَحَتْ غَيْرَ كُفُوٍ فَرَّقَ الْوَلِيُّ یعنی جس نے کمتر لوگوں میں نکاح کر لیا اس کا ولی تفریق کرا سکتا ہے۔

لڑکے لڑکی کا بھاگ جانا جسے آج کل کے مہذب الفاظ میں کورٹ میرج (court marriage) کہا جا رہا ہے۔ یہ اسلامی روایات اور اُمت کے عملی تواتر کے سراسر منافی ہے۔ اس سے ماں باپ اور اہلِ خاندان کی ناک کٹ جاتی ہے۔ اور یہ بات غیر کفو کے طعنے سے کہیں زیادہ طعنہ بن جاتی ہے بلکہ بعض اوقات لڑکی کے خاندان والے لڑکی اور داماد دونوں کو قتل کر دیتے ہیں۔

ایسی بھیانک صورتحال کے پیشِ نظر یہ حدیث شریف جوں کی توں سنا دینے کو دل چاہتا ہے۔

أَيُّمَا امْرَءَةٍ نَكَحَتْ نَفْسَهَا بِغَيْرِ اِذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ یعنی جس عورت نے بھی اپنے وارث کی اجازت کے بغیر نکاح کیا اس کا

نکاح باطل ہے، باطل ہے، باطل ہے(احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی، مشکوٰۃ صفحہ ۲۷۰)۔

(والنکاح ینعقد کما فی متون الاحناف والحدیث محمول علی نفی الکمال)۔

رشتہ پسند کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا سخت ضروری ہے کہ اگلے کا دین ومذہب کیا ہے۔آج کل لوگ محض قوم، دولت، پیشہ اور شکل وصورت پر زور دیتے ہیں مگر دین کی طرف بہت کم لوگ دھیان دیتے ہیں اور بعد میں پتا چلنے پر یا خود بھی بے دین ہو جاتے ہیں یا کم از کم اُن کی بیٹی ضرور بے دین ہو جاتی ہے اِلّا مَاشَاءَ اللّٰہ۔رحمۃ للعٰلمین ﷺ نے فرمایا کہ لوگ چار چیزوں کو دیکھ کر عورت سے نکاح کرتے ہیں۔دولت، خاندان، خوبصورتی اور دین۔تم دین داری کو ترجیح دیا کرو(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۲۶۷)۔

ٹیلی فون پر نکاح جائز نہیں۔اس میں آواز کی بناوٹ اور دھوکے فریب کا اندیشہ ہے۔ اگر سی ایل آئی پر فون کا نمبر آ رہا ہو یا ماڈرن ٹیلی فون پر تصویر بھی آ رہی ہو تو پھر بھی کسی سائنسی ٹیکنیک سے دھوکا ممکن ہے اور اگر ٹیلی فون کا محکمہ بھی ملوث ہو تو بڑے آرام سے دھوکا دیا جا سکتا ہے۔لہٰذا ٹیلی فون پر نکاح درست نہ ہوگا۔اگر کوئی شخص باہر کے ملک میں کسی محکمانہ مجبوری کے پیشِ نظر شادی کے کاغذات تیار کرنے کے لیے فون پر نکاح کرنا چاہتا ہو تو ایسے نکاح کے بعد آمنے سامنے ملاقات پر نکاح کی تجدید کر لینا ضروری ہے۔

ماں باپ سے حسنِ سلوک

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا یعنی اللہ کی عبادت کرو اور اس کا کسی کو شریک نہ بناؤ اور والدین سے احسان کا سلوک کرو(النسآء:۳۶)۔

دوسری جگہ فرماتا ہے وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا یعنی اور ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی وصیت کی ہے(العنکبوت:۸)۔

خاص طور پر جب والدین ضعیف ہو جائیں تو ان کے حقوق کی ادائیگی پر خصوصی توجہ کی

ضرورت ہے۔ سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا: تیرے رب نے فیصلہ دیا ہے کہ اس کے سواہ کسی کی عبادت نہ کر۔ اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کر۔ ان میں سے کوئی ایک یا دونوں اگر تیرے سامنے بوڑھے ہو جائیں تو انہیں اُف تک نہ کہو اور نہ انہیں جھڑکو اور ان سے کریمانہ بات کرو۔ اور ان پر اپنی رحمت کا سایہ کیے رکھو اور دعا کرو کہ اے ہمارے رب ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے مجھے چھوٹا سا پالا ہے (ترجمہ بنی اسرائیل:۲۳۔۲۴)۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک آدمی نے پوچھا یارسول اللہ (ﷺ) میرے حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ فرمایا تیری ماں، پھر تیری ماں، پھر بھی تیری ماں، پھر تیرا باپ، پھر اگلے قرابت دار اور پھر اگلے قرابت دار (بخاری جلد۲ صفحہ ۸۸۳، مسلم جلد۲ صفحہ ۳۱۲)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ رب کی رضا باپ کی رضا میں ہے اور رب کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں ہے (ترمذی، مشکوٰۃ صفحہ ۴۱۹، المستدرک صفحہ ۲۶۴)۔

آج کل کا ایک اہم مسئلہ یہ ہے کسی شخص کی بیوی اور ماں یعنی (ساس بہو) کے درمیان جھگڑا رہتا ہو تو یہ شخص کیا کرے۔ اسکا ایک حل تو یہ ہے کہ بیوی اپنے شوہر کی مجبوری کا احساس کرے اور کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے اس کا شوہر اپنی ماں کے قدموں سے دور ہو کر اپنی جنت ضائع کر بیٹھے اور اگر بہو بدخو ہے تو ساس ہی عفو و درگزر سے کام لے اور اپنے بیٹے کو درمیان میں نہ گھسیٹے۔

اسکا دوسرا حل یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی اور ماں کے درمیان نہایت سمجھداری کا کردار ادا کرے۔ انکے جھگڑوں سے گھبرائے نہیں بلکہ یہ سوچے کہ ایسا شروع سے ہوتا چلا آیا ہے۔ یہ ہر گھر کا مسئلہ ہے۔ نہایت ٹھنڈے دل سے دونوں طرف کا معاملہ سلجھاتا رہے۔ بوکھلا کر کوئی غلط قدم نہ اٹھائے۔

انتہائی حالات میں اگر مرد کو ماں اور بیوی میں سے کسی ایک کو ترجیح دینا پڑے تو یاد رکھیں کہ ماں کا حق سب سے زیادہ ہے۔ ماں کی خدمت جہاد سے بہتر ہے (بخاری جلد۲ صفحہ ۸۸۲)۔

صحیح بخاری میں ایک باب موجود ہے جس کا نام ہے۔ لَا یُجَاھَدُ اِلَّا بِاِذْنِ الْوَالِدَیْن یعنی ماں باپ کی اجازت کے بغیر جہاد نہ کیا جائے۔

اس باب میں حدیث ہے کہ قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ ﷺ أُجَاهِدُ قَالَ ءَ لَكَ اَبَوَانِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ یعنی ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ کے سامنے شوقِ جہاد کا اظہار کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تیرے والدین زندہ ہیں؟ اس نے کہا جی ہاں۔ فرمایا انکی خدمت والا جہاد کر (بخاری جلد۲ صفحہ۸۸۳)۔

صحیح بخاری میں جلد نمبر ۱ صفحہ ۴۲۱ پر ایک باب الجهاد باذن الوالدین بھی موجود ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک نوجوان اپنے ماں باپ کو روتا ہوا چھوڑ کر جہاد کے لیے آ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا فَارْجِعْ اِلَيْهِمَا فَاضْحِكْهُمَا كَمَا اَبْكَيْتَهُمَا یعنی واپس لوٹ جا۔ اپنے ماں باپ کو جس طرح رلا کر آئے ہو اسی طرح جا کر ہنساؤ (ابن ماجہ صفحہ ۲۰۰)۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاد فرض کفایہ ہے جبکہ ماں باپ کی خدمت فرض عین ہے (حاشیہ بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۲۱)۔

ماں کی خاطر حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نبی کریم ﷺ کی زیارت نہ کر سکے (مرقاۃ جلد ۱۱ صفحہ ۲۵۱)۔ ماں کے بلانے پر نفل نماز توڑ دینا چاہیے (مسلم جلد۲ صفحہ ۳۱۳ کا حاصل)۔

ایک آدمی نے پوچھا یا رسول اللہ ماں باپ کا اولاد پر کیا حق ہے؟ فرمایا وہی تیری جنت ہیں اور وہی تیری دوزخ ہیں (ابن ماجہ، مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۱)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ماں باپ کے فوت ہو جانے کے بعد: ان کی نماز جنازہ پڑھو، ان کے لیے استغفار پڑھو۔ جس کسی سے انہوں نے کوئی وعدہ کیا تھا اسے پورا کرو۔ جس کے ساتھ انکے تعلقات اچھے تھے، تم بھی ان سے اچھے تعلقات رکھو۔ اور ان کے دوستوں کا احترام کرو (ابوداؤد جلد۲ صفحہ ۳۵۳)۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ بڑے بھائی کا حق چھوٹے بھائی پر اسی طرح ہے جس طرح باپ کا حق ہوتا ہے (مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۱)۔

پڑوسیوں کے حقوق

نبی کریم ﷺ نے فرمایا میرے پاس جبریل (علیہ السلام) پڑوسی کے لیے اتنے احکام

لے کر آئے کہ مجھے شک ہو گیا کہ کہیں پڑوسی کو وارث نہ بنا دیا جائے (بخاری جلد۲ صفحہ۸۸۹، مسلم جلد۲ صفحہ۳۲۹)۔

نیز حدیث شریف میں ہے کہ جب سالن بناؤ تو تھوڑا شوربہ زیادہ رکھو اور اس میں سے کچھ پڑوس میں بھی بھیج دو (مسلم جلد۲ صفحہ۳۲۹)۔

پڑوسیوں کو کوئی اذیت اور دُکھ نہ پہنچایا جائے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو اذیت نہ دے (بخاری جلد۲ صفحہ۸۸۹، مسلم جلد۲ صفحہ۸۰)۔

مہمان نوازی

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے مہمان کا احترام کرے (بخاری جلد۲ صفحہ۸۸۹، مسلم جلد۲ صفحہ۸۰، المستند صفحہ۲۶۴)۔

پہلے دن مہمان کو پر تکلف کھانا کھلانا چاہیے بشرطیکہ میزبان اس کی طاقت رکھتا ہو۔ مہمان کے پیر تک دبانا مہمان نوازی میں شامل ہے۔

مہمان کو چاہیے کہ بے جا بوجھ نہ بنے۔ زیادہ عرصہ قیام نہ کرے اور اپنے بھائی کو گناہ گار نہ کرے (مسلم جلد۲ صفحہ۸۱)۔

تمام مسلمانوں کے حقوق

ارشادِ باری تعالیٰ ہے

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ یعنی تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں (الحجرات:۱۰)۔

نیز فرمایا: لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ یعنی لوگ ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑائیں۔ کیا معلوم وہ ان سے بہتر ہوں (الحجرات:۱۱)۔

نیز فرمایا: اِجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ یعنی

بہت بدگمانی کرنے سے بچو۔ بے شک بعض بدگمانیاں گناہ ہیں۔ تجسس (عیب ڈھونڈنا) مت کرو۔ ایک دوسرے کا گلہ (غیبت) مت کرو۔ کیا تم پسند کرتے ہو کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھاؤ؟ اس سے تو نفرت کرو گے (تو پھر غیبت بھی ایسے ہی ہے) (الحجرات:۱۲)۔

بدگمانی اور تجسس ایسی عظیم معاشرتی برائیاں ہیں کہ اگر ان سے انسان بچ جائے تو حسنِ معاشرت کے اکثر پہلوؤں پر اسے دسترس مل جائے۔ حدیث شریف میں ہے کہ

نبی کریم ﷺ کعبہ کا طواف کرر ہے تھے اور فرمارہے تھے کہ اے کعبہ! اللہ کی قسم جس نے تجھے عظیم شان اور حرمت بخشی ہے ایک بندۂ مومن کی شان تیری شان سے بڑھ کر ہے۔ بلکہ اس کا مال اور خون بھی تجھ سے بڑھ کر ہے اور یہ کہ اس کے بارے میں حسن ظن رکھا جائے (ابنِ ماجہ صفحہ ۲۸۲)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ: اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ یعنی مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں (مسلم، بخاری، مشکوٰۃ صفحہ ۱۲)۔

حسن ظن کا تعلق سوچ اور خیال سے ہے۔ بولنے کا تعلق زبان سے ہے اور مارنے کا تعلق ہاتھ سے ہے۔ خیال، زبان اور ہاتھ تینوں چیزوں کو مومن کے معاملے میں پابندِ سلاسل کر دیا گیا ہے۔

حاجت روائی، مشکل کشائی اور پردہ پوشی

جو اپنے بھائی کی حاجت روائی کرے گا اللہ اسکی حاجت روائی کرے گا۔ جس نے مسلمان کی مشکل کشائی کی اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسکی مشکل کشائی کرے گا۔ جس نے مسلمان کی پردہ پوشی کی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کرے گا (مسلم، بخاری، مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۲)۔

ایک اور حدیث میں ہے: مومن ایک دوسرے کے لیے دیوار کی طرح ہیں جس کی اینٹیں ایک دوسرے کو طاقت دیتی ہیں۔ پھر نبی کریم ﷺ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر یہ بات سمجھائی (مسلم، بخاری، مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۲)۔

نیز فرمایا: مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔ اس پر ظلم نہیں کرتا اور اسے اکیلا نہیں چھوڑتا۔ اور اسے حقیر نہیں سمجھتا۔ تقویٰ سینے میں چھپی ہوئی چیز کا نام ہے (نبی کریم ﷺ نے تین مرتبہ سینہ مبارک کی

طرف اشارہ فرمایا)۔ کسی آدمی کے شرارتی ہونے کے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ تمام مسلمانوں پر مسلمانوں کا خون اور مال ومتاع حرام ہے (مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۲)۔

نیز فرمایا: اللہ کی قسم تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے وہی کچھ پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے (مسلم، بخاری، مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۲)۔

تمام انسانوں کے حقوق

ارشادِ باری تعالیٰ ہے

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ یعنی ہم نے آدم کی اولاد کو عزت بخشی (بنی اسرائیل: ۷۰)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ یعنی جو لوگوں پر رحم نہ کرے اللہ اس پر رحم نہیں کرتا (مسلم، بخاری، مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۱، المسند صفحہ ۲۷۹)۔

نیز فرمایا: اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَآءِ یعنی جو زمین پر ہیں تم ان پر رحم کرو۔ جو آسمان پر ہے وہ تم پر رحم کرے گا (ابوداود، ترمذی، مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۳)۔

حقوق کی ادائیگی میں ترجیحات کا قائم کرنا نہایت ضروری ہے۔ غیر مسلم پر مسلم کو، عام مسلمان پر رشتہ دار کو اور عام رشتہ دار پر قریبی رشتہ دار کو ترجیح دی جائے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اَنْزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ یعنی لوگوں سے ان کے مقام ومرتبے کے مطابق پیش آؤ (ابوداود، مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۴، المسند صفحہ ۲۷۸)۔ لہٰذا انسانی حقوق کے نام پر کھچڑی پکا کر بیٹھ جانا غلط ہے۔

تمام مخلوق کے حقوق

حدیث شریف میں چیونٹیوں کو جلا کر مارنے سے منع کیا گیا ہے (مسلم جلد۲ صفحہ ۲۳۶)۔

ایک عورت نے بلی کو باندھے رکھا اور وہ بھوکی پیاسی مر گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اُس عورت کو عذاب دیا (مسلم جلد۲ صفحہ ۲۳۶)۔ ایک آدمی نے کنویں پر کھڑے پیاسے کتے کو کنویں میں سے پانی نکال کر پلایا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا (مسلم جلد۲ صفحہ ۲۳۷)۔

چھپکلی، بچھو اور سانپ وغیرہ موذی جانوروں کو مارنا جائز ہے لیکن انہیں جلا کر، ڈبو کر اور ذلیل کر کے مارنے کی اجازت نہیں۔ بلکہ ایک ہی ضرب سے انکا کام تمام کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ حدیث شریف میں ہے کہ گرگٹ کو ایک ہی ضرب سے مارنے کی کوشش کرو (مسلم جلد۲ صفحہ ۲۳۶)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا

بیشک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کا حکم دیا ہے۔ جب تم (سزا اور قصاص) میں کسی کو قتل کرو تو اسے اچھے طریقے سے قتل کرو (یعنی اسے ذلیل کر کے نہ مارو)۔ اور جب جانور کو ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو اور چھری خوب تیز کر لو اور اسے راحت پہنچاؤ (مسلم جلد۲ صفحہ ۱۵۲)۔

اس پر امام نووی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ جانور کے سامنے چھری کو تیز نہ کرو۔ جانور کو راحت پہنچاؤ۔ ذبح کرنے سے پہلے اسے پانی پلا لو۔ دودھ اور بچوں والے جانور ذبح کرنے سے بچو۔ دودھ سارے کا سارا نہ نکالو بلکہ بچھڑے کے لیے بھی چھوڑ دو۔ دودھ دوہنے سے پہلے اپنے ناخن کاٹ لو۔ اور ایک جانور کے سامنے دوسرے کو ذبح نہ کرو (شرح الاربعین النوویہ صفحہ ۵۷۔۵۸)۔

اخلاقی اور معاشرتی ضابطے کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر انسان کا پہلا تعلق اپنے آپ سے ہے، دوسرا تعلق دوسرے لوگوں سے ہے اور تیسرا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے۔ ان تعلقاتِ ثلاثہ کو درست رکھنے کے لیے فقیر راقم الحروف نے خود اپنے لیے ایک نصیحت نامہ تحریر کیا تھا جسے اہل اسلام کے فائدے کے لیے منظر عام پر لایا جا رہا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نصیحت نامہ

اے غلام رسول!

اللہ سے ڈر۔ تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے۔ یہی سب سے بڑا کافر ہے۔ تو اس کافرِ اعظم کے خلاف جہادِ اکبر کا اعلان کر۔ ریا، تکبر، حسد، غصہ، جھوٹ، غیبت، لذت، خودنمائی، بخل اور لالچ اس کے اہم محاذ ہیں۔ دوبارہ گن لے یہ دس محاذ ہوئے۔ ان سب کو ایک ایک کر کے کچل دے۔

چھوٹے گناہوں اور چھوٹی نیکیوں کو حقیر سمجھ کر انکی طرف سے غافل مت ہونا۔ شیطان کے پاس اہلِ ایمان کے خلاف یہی ایک راستہ باقی ہے۔ زیادہ کھانا تمام جسمانی بیماریوں کی جڑ ہے اور اس سے ذہانت اور حافظہ دونوں برباد ہو جاتے ہیں اور شہوت زور پکڑ جاتی ہے۔

نفس کی مکاریوں کی کوئی حد نہیں اسکی اکثر مکاریوں کے خلاف ایک زبردست ڈھال خاموشی ہے۔ خبردار! تیری زبان تیرے دماغ سے آگے نہ نکلنے پائے۔ تیرے نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ کیا میں تجھے تمام اعمال کا نچوڑ نہ بتادوں؟ انہوں نے عرض کیا، ضرور۔ آپ ﷺ نے اپنی زبان مبارک کو پکڑ کر فرمایا! اسے قابو میں رکھ۔

اے غلام رسول

حقوق العباد کا پورا خیال رکھ۔ تجھ پر سب سے زیادہ حق تیری ماں کا ہے اور پھر باپ کا۔ تیرے ماں باپ ہی تیری جنت ہیں اور وہی تیری دوزخ ہیں۔ اگر وہ اس دنیا سے جاچکے ہیں تو ان کے لیے استغفار کر اور ان کی طرف سے صدقہ دے اور ان کی قبر کی زیارت کر۔ ان کے بعد بھائی، بہن، بیوی، اولاد، پڑوسی، تمام مسلمان، پھر سب انسان اور پھر تمام جاندار، ان سب کا درجہ بدرجہ حق ادا کر۔ تیرے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں سے ان کے مرتبے کے مطابق پیش آؤ۔ اچھے دوستوں کی صحبت اختیار کر۔ جیسے تیرے دوست ہوں گے وہ تجھے ویسا ہی بنادیں گے۔ تین دن سے زائد کسی بھائی سے ناراض نہ رہ اور اسے بلانے میں پہل کر۔

مریض کی عیادت کر۔ وہاں تیری ملاقات تیرے رب سے ہو جائے گی۔ مظلوم کی آہ سے ڈر۔ مظلوم کی آہ سیدھی عرش پر جاتی ہے۔ اور ظلم قیامت کے دن ظلمات ہوگا۔ یتیم پر رحم کر۔ جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔ سوالی کو کبھی خالی ہاتھ نہ لوٹا۔ زیادہ نہیں تو ایک میٹھا بول ہی سہی۔ میٹھا بول بھی صدقہ ہے۔ ٹوٹے ہوئے دلوں کی حوصلہ افزائی کر۔ اللہ ٹوٹے ہوئے دلوں میں رہتا ہے۔ زمین کی طرح بچھ جا جس کے سینے پر ساری دنیا چلتی ہے۔ تو اس کھجور کی مانند ہو جا سے لوگ پتھر مارتے ہیں مگر وہ کھجوریں پھینکتی ہے۔ رزق حلال کھا۔ حرام کی کمائی سے کھانے اور لباس پہننے

والے کی دعا قبول نہیں ہوتی خواہ وہ کعبہ میں چلا جائے۔ ہو سکے تو نیکی کا راستہ بتا اور برائی سے روک۔ مگر اس کیلئے علم، حلم اور زبردست صلاحیت کی ضرورت ہے اور ہر شخص اس کا اہل نہیں ہوا کرتا۔ البتہ اپنے ماتحتوں کی اصلاح ضرور کر۔ انکے بارے میں تجھ سے پوچھا جائے گا۔ مومنوں کے بارے میں حسن ظن سے کام لے۔ خصوصاً اولیاء اور علماء بہت ہی زیادہ حسن ظن کے حقدار ہیں۔ انکے متعلق کبھی غلط نہ سوچنا۔ ہمیشہ ادب کو ملحوظ رکھنا۔ اپنے نبی کریم ﷺ کی امت کے لیے یہ دعا کیا کر۔

اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ ﷺ

حقوق العباد کی ادائیگی کا خلاصہ خدمتِ خلق ہے۔ یاد رکھ! اللہ کریم کسی کتے، بلی اور مکھی کی خدمت کو بھی ضائع نہیں کرتا۔

اے غلام رسول!

تجھ پر اللہ کا سب سے بڑا حق یہ ہے کہ تو شرک نہ کرے۔ اپنے اعمال میں اخلاص پیدا کر۔ نبی کریم ﷺ سے سچی محبت کر۔ جس کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی محبت نہیں اس کے دل میں ایمان نہیں۔ وضو اچھی طرح کیا کر۔ نماز با جماعت پڑھا کر۔ روزانہ قرآن شریف کی تلاوت کیا کر خواہ تھوڑی سی ہو۔ صبح کی نماز کے بعد سورج نکلنے تک اور عصر کی نماز کے بعد سورج غروب ہونے تک ذکر، درود اور استغفار میں مشغول رہا کر۔ ان دونوں وقتوں میں اللہ کی رحمت اور فیضان کی برسات ہوتی ہے۔

اپنے حال اور ضرورت کا علم حاصل کر۔ پھر اس پر عمل بھی کر۔ اپنے حال کی حفاظت کر اور اس کے آداب کو ملحوظ رکھ۔ عمل وہی اچھا ہے جو دائمی ہو خواہ تھوڑا ہی سہی۔ قبروں کی زیارت کر۔ اس سے دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہے اور آخرت کی یاد آتی ہے۔ اہل قبور کو ایصالِ ثواب کر کے ان سے دعائیں لے۔ مصائب پر صبر کر۔ اللہ پر توکل اختیار کر۔ اسی کی رضا پر راضی رہ۔ اللہ سے اچھا گمان رکھ۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہے۔ اللہ کی طرف سے کشائش کا منتظر رہ۔ یہ انتظار بہترین عبادت ہے۔ احکامِ خداوندی کی تفصیل بہت لمبی ہے۔ مگر اس کا خلاصہ یہ ہے

کہ تو ہر وقت ذکرِ الٰہی میں مصروف رہے۔ تیرے نبی کریم ﷺ سے کسی نے پوچھا یا رسول اللہ اسلام کے احکام بہت سارے ہیں۔ مجھے مختصر ترین بات بتا دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

''تیری زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے''۔

اے غلام رسول!

اس ساری نصیحت کا خلاصہ سن لے۔

تیرا پہلا تعلق اپنے آپ سے ہے۔ اپنی ذات کی اصلاح کا مختصر ترین طریقہ خاموشی ہے۔
تیرا دوسرا تعلق دوسرے لوگوں سے ہے۔ اس تعلق کو درست کرنے کا مختصر ترین طریقہ خدمتِ خلق ہے۔
تیرا تیسرا تعلق اللہ کی ذات سے ہے۔ اس تعلق کو درست رکھنے کا مختصر ترین طریقہ ذکرِ الٰہی ہے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

بارھویں آیت:

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْماً یعنی اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی۔ اور آپ کو وہ سب کچھ سکھا دیا جو آپ نہیں جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل عظیم ہے (النسآء: ۱۱۳)۔

اس آیت میں وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ کا جملہ اکیلا نہیں ہے۔ بلکہ اس سے پہلے وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ہے۔ اور اسکے بعد وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْماً کے الفاظ ہیں۔ اس سیاقِ کلام کو ملحوظ رکھتے ہوئے مفسرین نے وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ کی تفسیر یہ لکھی ہے کہ اس سے مراد دین اور شریعت کے امور، خفیہ اور پوشیدہ اسرار اور دلوں کے بھید ہیں (خازن جلد ا صفحہ ۴۲۹، مدارک علی ہامش الخازن جلد ا صفحہ ۴۲۹)۔

فضل عظیم کے الفاظ حضور ﷺ کے علم کی بے پناہ وسعت کا تقاضا کرتے ہیں۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے۔ ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ یعنی اے نبی یہ غیب کی

خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں (آل عمران:۴۴)۔

دوسری جگہ فرمایا: وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ یعنی یہ نبی غیب بتانے میں بُخل نہیں کرتا (التکویر:۲۴)۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک دفعہ نبی کریم ﷺ ہم میں ایک جگہ پر کھڑے ہو گئے اور ہمیں دنیا کے آغاز سے لے کر جنتیوں کے جنت میں جانے اور دوزخیوں کے دوزخ میں جانے تک کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ جس نے اسے یاد رکھا سو یاد رکھا۔ اور جس نے بھلا دیا سو بھلا دیا (بخاری جلد ا صفحہ ۴۵۳، المستند صفحہ ۱۳)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سورج ڈھلنے کے بعد تشریف لائے اور منبر پر کھڑے ہو گئے اور قیامت کا ذکر فرمایا اور پھر فرمایا قیامت سے پہلے بڑے بڑے واقعات ہوں گے۔ پھر فرمایا جو آدمی کسی چیز کے بارے میں سوال کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ اللہ کی قسم تم جس چیز کے بارے میں بھی سوال کرو گے میں یہاں کھڑے کھڑے جواب دوں گا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ یہ دعویٰ سن کر زار و قطار رونے لگے۔ ادھر حضور ﷺ یہی فرمائے جا رہے تھے کہ مجھ سے پوچھ لو۔ ایک آدمی نے کھڑے ہو کر پوچھا میرا ٹھکانہ کہاں ہو گا؟ ارشاد فرمایا جہنم میں۔ حضرت عبد اللہ نے پوچھا میرے باپ کا کیا نام ہے؟ آپ نے فرمایا "حذافہ"۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا پوچھ لو۔ پوچھ لو۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے اور عرض کیا۔ ہم اللہ کے رب ہونے پر راضی ہیں، اسلام کے دین ہونے پر راضی ہیں اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہیں۔ پھر نبی کریم ﷺ خاموش ہو گئے (بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۸۳، المستند صفحہ ۱۳)۔

حضرت ابوزید فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی اور منبر پر تشریف فرما ہوئے اور خطبہ دیا حتیٰ کہ ظہر کا وقت آ گیا۔ پھر ظہر پڑھ کر تقریر شروع کر دی حتیٰ کہ عصر کا وقت آ گیا۔ عصر پڑھ کر پھر خطاب فرمایا حتیٰ کہ مغرب ہو گئی۔ بس ہمیں حضور ﷺ نے جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے سب کچھ بتا دیا۔ آج ہم میں سب سے زیادہ علم اسی کے پاس ہے جس نے اس خطبے کا زیادہ سے زیادہ حصہ یاد رکھا (مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۹۰، المستند صفحہ ۱۳۔۱۴)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر اعلان کر دیا کہ آج قیامت تک کے بارے میں جو چاہو پوچھ لو۔ اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاءُ یعنی اللہ اپنے منتخب رسولوں کے سوا کسی کو غیب پر ظاہر نہیں کرتا (آل عمران: ۱۷۹، خازن جلد ا صفحہ ۳۲۸)۔

اسکے علاوہ قیامت کی علامات، جنت، دوزخ، فرشتے وغیرہ کے بارے میں آپ ﷺ کی خبریں حد اور شمار سے باہر ہیں۔ آپ ﷺ کی غیب دانی اور غیبی اطلاعات و اخبار پر پوری امت کا اجماع و اتفاق ہے۔

جن دلائل سے غیب کی کلیت کی نفی موہوم ہوتی ہے وہ یا تو علمِ ذاتی پر محمول ہیں یا عدم التفات پر محمول ہیں یا قرآنی نزول کے ذریعے تعلیمی تدارج کی وجہ سے عدم تکمیل پر محمول ہیں اور اگر کہیں خاموشی اختیار فرمائی ہے تو خاموشی عدم علم کا ثبوت نہیں ہوتی۔

انجیل میں ہے کہ "وہ تمہیں آئندہ کی خبر دے گا" (یوحنا کی انجیل ۱۶: ۱۳)۔

تیرھویں آیت:

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى یعنی آپ کا بعد والا وقت پہلے وقت سے بہتر ہے (الضحیٰ: ۴)۔

گویا آپ ﷺ کے درجات اور ترقی کی کوئی حد نہیں۔ ہر لحظہ رفعت اور ہر گھڑی علو ہے۔ کوئی کمال آپ ﷺ کو عطا ہو جانے کے بعد چھن نہیں سکتا۔ اگر ایک مرتبہ کائنات کی ہر چیز کا نظارہ کر لیا (فَتَجَلّٰى لِيْ كُلُّ شَيْءٍ) تو اب اس میں ارتقاء ہی ارتقاء ہے۔ دنیا میں اگر اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا اعلان ہوا ہے تو آخرت میں مقامِ محمود اور لواءِ حمد آپ ﷺ کیلئے سراپا انتظار ہیں۔

تفسیر مظہری میں ہے کہ جو فقیر دو دن تک ایک ہی کیفیت میں رہا وہ رکا ہوا ہے (مظہری جلد ۱۰ صفحہ ۲۸۳)۔ یہی بات حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ نے کشف المحجوب میں حدیث کے حوالے سے لکھی ہے۔

چودھویں آیت:

وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی یعنی جلد ہی آپ کو آپ کا رب اتنا عطا کرے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے (الضحیٰ: ۵)۔

اس آیت کی روشنی میں یہ کہنا درست ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کی رضا چاہتا ہے۔

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم   خدا چاہتا ہے رضائے محمد

وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا، اللہ کی اپنی مرضی سے تھا۔ اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ بھی اللہ کی اپنی عطا ہے۔ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کا انعام بھی بن مانگے عطا ہوا ہے۔ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى کی دائمی ترقی کا اعلان بھی خود اللہ نے اپنی طرف سے فرمایا ہے۔

اتنی عطائیں نچھاور کر چکنے کے بعد محبت اپنے محبوب کی ناز برداریوں پر اُتر آئی اور بالآخر یہ پوچھ ہی لیا کہ محبوب! اب تو ہی بتا دے کہ تو کس طرح راضی ہوتا ہے؟

"جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب میرے اللہ نے مجھے راضی کرنا ہے تو پھر میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا جب تک میرا ایک اُمتی بھی دوزخ میں ہوگا (قرطبی جلد ۲۰ صفحہ ۸۷)۔ میں اس وقت تک اُمت کی شفاعت کرتا رہوں گا جب تک میرا رب مجھ سے یہ نہ پوچھے کہ یا محمد! کیا آپ راضی ہو گئے ہیں؟ اور میں عرض کروں گا ہاں میرے رب میں راضی ہوں" (مظہری جلد ۱۰ صفحہ ۲۸۳)۔

حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے رو رو کر فرمایا اے اللہ! میری اُمت۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریلِ امین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا کہ جا کر کہہ دیں ہم آپ کو آپ کی اُمت کے معاملے میں راضی کریں گے اور آپ کو رنجیدہ نہیں ہونے دیں گے (مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۱۳)۔

پندرھویں آیت:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ یعنی اور ہم نے آپ کے ذکر کو آپ کی خاطر بلند کر دیا (الم نشرح: ۴)۔

رَفَعْنَا (ہم نے بلند کیا) سے مراد یہ ہے کہ جب اللہ نے آپکے ذکر کو بلند کیا ہے تو کس کی مجال ہے کہ اللہ جل جلالہٗ کا مقابلہ کر سکے اور آپ کی شان کم کرنے میں کامیاب ہو سکے۔

جب کوئی شخص کسی چیز کو بلند کرتا ہے تو وہ اپنے قد وقامت کے مطابق اسے بلند کرتا ہے۔ جب اللہ نے اپنے حبیب ﷺ کا ذکر بلند کیا تو یہ بلندی اللہ کی اپنی رفعت شان اور عظمت وجلال کے مطابق ہوگی۔ حضور کے ذکر کی بلندی کو وہی چھو سکتا ہے جو اللہ کی ذات کی بلندی کو چھو سکتا ہو۔ جب اللہ کی بلندی کو کوئی نہیں چھو سکتا تو معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی شان ومقام تک بھی کسی کی نگاہ نہیں جاسکتی۔

رَفَعْنَا ماضی ہے یعنی سرکار دو عالم ﷺ کو یہ بلندی عطا ہو چکی ہے۔ نیز اس کا فاعل اللہ تعالیٰ خود ہے۔ گویا مصطفیٰ کریم ﷺ کی بلندیوں میں شک کرنے والا اللہ کی قوتوں اور عطاؤں میں شک کر رہا ہے۔

لَكَ کا معنی ہے تیرے لیے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے حضور کریم ﷺ کو یہ بلندی حضور کی خاطر عطا فرمائی ہے۔ حضور کو راضی کرنے کی خاطر ہو یا حضور کی از خود شان بڑھانے کی خاطر، دونوں مفہوم اس میں داخل ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپکے ذکر کی رفعت یہ ہے کہ اِذَا ذُكِرْتُ ذُكِرْتَ مَعِي یعنی جہاں میرا ذکر ہوگا وہاں آپ کا ذکر ہوگا (ابن جریر جلد ۱۵ جزء ۳۰ صفحہ ۲۵۸، ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۱۴۷، بغوی جلد ۴ صفحہ ۵۰۲)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اذان واقامت میں، تشہد اور خطبے میں اگر کوئی اللہ کا نام لے مگر حضور ﷺ کا ذکر نہ کرے تو یہ سب بے کار ہے۔ وہ کافر ہی رہے گا۔ تقریباً تمام مفسرین نے یہی بات لکھی ہے۔ حضرت قتادہ رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا ذکر دنیا اور آخرت میں بلند کر دیا ہے۔ کوئی خطیب، کوئی کلمۂ شہادت پڑھنے والا اور کوئی نماز پڑھنے والا ایسا نہیں جو اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ

اللّٰہ نہ کہتا ہو(ابن جریر جلد ۱۵ جز ۳۰ صفحہ ۲۵۸، ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۱۴۷)۔ حضرت ضحاک رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ کے وسیلے کے بغیر کوئی نماز قبول نہیں ہو سکتی اور آپ کا ذکرِ خیر کیے بغیر کوئی خطبہ جائز نہیں ہوتا (بغوی جلد ۴ صفحہ ۵۰۲)۔

آج مشرق سے لے کر مغرب تک اذانوں کا سلسلہ سورج کے ساتھ ساتھ اس طرح جاری وساری رہتا ہے کہ چوبیس گھنٹے کے ہر سیکنڈ میں کہیں نہ کہیں اذان کی آواز بلند ہو رہی ہوتی ہے۔

امام رازی رحمت اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: اس ذکر میں نبوت کے تمام کمالات اور خصائص، آپ ﷺ کی زمین وآسمان میں شہرت، عرش پر آپ کا اسم گرامی لکھا ہونا، شہادت اور تشہد میں اللہ کریم کے ساتھ آپ کا ذکر، اگلی کتابوں میں آپ کی بشارات، آفاق میں آپ کے چرچے، سلسلۂ نبوت کا آپ پر اختتام، ہر خطبے اور اذان میں آپ کی رسالت کا اعلان، خطوط اور کتب کے مصنفین کا شروع میں آپ پر درود وسلام لکھنا اور قرآن میں بار بار اللہ تعالیٰ کا اپنے ذکر کے ساتھ آپ کا ذکر کرنا سب چیزیں شامل ہیں (تفسیر کبیر جلد ۱۱ صفحہ ۲۰۸)۔

چنانچہ اللہ کریم نے بھی قرآن شریف میں اپنے نام کے ساتھ اپنے رسول ﷺ کا ذکر بے شمار آیات میں کیا ہے۔ مثلاً

اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت (انفال: ۲۰)۔

اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی نہ کرنا (النسآء: ۱۴)۔

اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت (النسآء: ۱۰۰)۔

اللہ اور اس کے رسول پر ایمان (النسآء: ۱۳)۔

اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی مذمت (مائدہ: ۳۳)۔

اللہ اور اس کے رسول کی محبت (توبہ: ۲۴)۔

اللہ اور اس کے رسول نے عطا کیا (توبہ: ۵۹)۔

ہمیں اللہ اور اس کا رسول اپنے فضل سے دے گا (توبہ: ۵۹)۔

اللہ اور اس کا رسول زیادہ حق دار ہیں کہ انہیں راضی رکھا جائے (توبہ: ۶۲)۔

اللہ اور اس کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا (توبہ: ۷۴)۔

اللہ اور اس کے رسول سے آگے مت بڑھو (حجرات: ۱)۔

(اے حبیب!) اس پر اللہ نے انعام کیا اور تو نے انعام کیا (احزاب: ۳۷)۔

حتیٰ کہ حضور کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو اپنے ہاتھ پر بیعت کرنا قرار دیا (الفتح: ۱۰)۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اور حدیث اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ آسمان کے فرشتے بھی جب اللہ کا ذکر کرتے ہوں تو اسکے ساتھ محمد کریم ﷺ کا ذکر بھی ضرور کرتے ہوں۔ چنانچہ عرش کی دہلیز پر بھی آپ ﷺ کا نامِ مبارک لکھا ہوا ہے (مظہری جلد ۱۰ صفحہ ۲۹۲)۔

امام رازی رحمت اللہ علیہ نے یہاں تک لکھا ہے کہ: بادشاہ و سلاطین آپ ﷺ کے پیروکار ہیں، تمام خلفاء آپ کے قبیلے سے ہیں، قاریوں نے آپ کے منشور کے الفاظ کو حفظ کر لیا ہے، مفسرین اس کے معانی کی تفسیر میں مصروف ہیں، واعظ آپ کی احادیث پر وعظ کیے جا رہے ہیں، بلکہ تمام علماء اور سلاطین آپ کے درِ اقدس پر آج بھی حاضری دے رہے ہیں اور دروازے کے باہر ادب سے کھڑے ہو کر سلام عرض کر رہے ہیں، آپ کے روضۂ انور کی مقدس مٹی پر اپنے چہرے رگڑ رہے ہیں، آپ کی شفاعت کے امیدوار ہیں اور آپ کا شرف قیامت تک کے لیے جاری و ساری ہے (تفسیر کبیر جلد ۱۱ صفحہ ۲۰۸)۔

حضرت سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

اَغَرُّ عَلَيْهِ لِلنُّبُوَّةِ خَاتَمٌ ۔۔۔ مِنَ اللّٰهِ مَشْهُوْدٌ يَلُوْحُ وَيُشْهَدُ

وَضَمَّ الْإِلٰهُ اسْمَ النَّبِيِّ مَعَ اسْمِهٖ ۔۔۔ اِذَا قَالَ فِي الْخَمْسِ الْمُؤَذِّنُ اَشْهَدُ

وَشَقَّ لَهٗ مِنْ اِسْمِهٖ لِيُجِلَّهٗ ۔۔۔ فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَهٰذَا مُحَمَّدُ

ترجمہ:۔(۱)۔ نبوت کی مُہر آپ کی پشت مبارک پر بڑی واضح ہے اور اللہ کی طرف سے نشانی کے طور پر دکھائی جا رہی ہے اور وہ ہر وقت چمک رہی ہے اور آپ کی رسالت کی گواہی دے رہی ہے۔

(۲)۔ پانچ وقت کی اذان میں جب مؤذن شہادت بولتا ہے تو اس میں اللہ نے نبی کا نام اپنے نام

میں ضم کر دیا ہے۔

(۳)۔اللہ نے اپنے نبی کے نام کو اپنے نام سے مشتق کیا ہے۔عرش کا مالک محمود ہے جب کہ نبی کریم ﷺ کا نام محمد ہے (تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۷۱۴)۔

سولہویں آیت:

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ یعنی کاش یہ لوگ اس پر راضی ہو جاتے جو کچھ انہیں اللہ اور اسکے رسول نے عطا کیا اور یہ کہتے کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے۔ابھی ہمیں اللہ اور اس کا رسول جلد ہی اپنے فضل سے نوازیں گے۔ہم اللہ ہی کی طرف رغبت رکھتے ہیں (توبہ:۵۹)۔

اس آیت میں اللہ اور اس کے رسول کے فضل کے الفاظ قابلِ غور ہیں۔اللہ کریم نے اپنے فضل و عطا کو بھی حبیب ﷺ کے فضل و عطا سے جدا نہیں رکھا۔سچ ہے کہ

وہ خدا نہیں بخدا نہیں　　وہ مگر خدا سے جدا نہیں

صحابہ کرام علیہم الرضوان کی عادت تھی کہ نبی کریم ﷺ کے سوال کے جواب میں اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ کہا کرتے تھے یعنی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالٰی نے تمام خزانوں کی ملکیت عطا فرمائی ہے۔حدیث شریف میں ہے کہ اُوْتِيْتُ بِمَفَاتِيْحِ خَزَائِنِ الْاَرْضِ فَوُضِعَتْ فِیْ يَدِیْ یعنی میرے پاس زمین کے تمام خزانوں کی چابیاں لائی گئیں اور میرے ہاتھ پر رکھ دی گئیں (بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۳۸ و صفحہ ۱۰۸۰)۔

تمام خزانوں کے مالک ان خزانوں کو بانٹنے کا اختیار بھی رکھتے ہیں۔حدیث شریف میں ہے کہ اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَ اللّٰهُ يُعْطِیْ یعنی دینے والا اللہ ہے اور میں بانٹنے والا ہوں (بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۶، مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۳۳، مشکوٰۃ صفحہ ۳۲، المستند صفحہ ۱۵)۔

خزانوں کے قاسم ﷺ ایسے جواد اور سخی ہیں کہ مانگنے والا کبھی انکار نہیں سنتا۔حدیث

شریف میں ہے مَاسُئِلَ النَّبِیُّ ﷺ شَیْئاً قَطُّ فَقَالَ لَا یعنی نبی کریم ﷺ نے کسی سوالی کے سامنے ''نہیں'' کا لفظ نہیں بولا (بخاری جلد۲ صفحہ۸۹۲، مسلم جلد۲ صفحہ۲۵۳)۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے اللہ کے نام پر پورا ریوڑ مانگ لیا۔ آپ نے اسے پورا ریوڑ عطا کر دیا۔ وہ اپنی قوم میں جا کر کہنے لگا۔ مسلمان ہو جاؤ۔ محمد اپنا سارا مال لٹا دیتا ہے۔ اور فقیر ہو جانے سے ذرا نہیں ڈرتا (مسلم جلد۲ صفحہ۲۵۳)۔

حضرت حسان بن ثابت ﷺ فرماتے ہیں

وَاللّٰهِ مَاقَالَ لَا اِلَّا فِیْ تَشَهُّدِهٖ　　　لَوْلَا التَّشَهُّدُ لَكَانَ لَاءُ هٗ نَعَمٖ

یعنی اللہ کی قسم آپ نے کبھی لا الہ الا اللہ کے سواء ''لا'' کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ اگر یہ کلمہ شہادت ضروری نہ ہوتا تو آپ کی یہ ''لا'' بھی ہاں ہی ہوتی۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا (کاش یہ راضی ہو جاتے) سے معلوم ہوا کہ بندے کو چاہیے کہ اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے دیے پر راضی رہے۔ اور جو ظاہری و باطنی دولت اللہ اور اسکے رسول کی سرکار سے ملے اسی پر مسرور و مطمئن ہو اور کسی دوسرے پر کرم کے دروازے کھلے دیکھے تو اس پر حسد نہ کرے۔

سترھویں آیت:

اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ یعنی (اے حبیب) ہم نے آپ کو کوثر عطا کی (الکوثر:۱)۔

کوثر کا لفظ کثرت سے بنا ہے۔ یہ فوعل کے وزن پر ہے جیسے نفل سے نوفل ہوتا ہے۔ یہ وزن مبالغے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ عرب لوگ کسی بھی چیز کی کثرت ظاہر کرنے کے لیے کوثر کا لفظ استعمال کرتے ہیں (قرطبی جلد۲۰ صفحہ۱۹۸، بغوی جلد۴ صفحہ۵۳۳)۔ کوثر سے مراد ہے اَلْكَثْرَةُ الْمُفْرَطَةُ الَّتِیْ لَا حَدَّ لَهَا یعنی ایسی کثرت جس کی کوئی حد نہیں۔

اس آیت میں کوثر سے مراد نبوت، قرآن، شریعت کی آسانی، بقاءِ اسلام، ترقی اسلام، ازواجِ مطہرات کی پاکیزگی، اولاد امجاد کی کثرت، صحابہ کرام کی کثرت، باقی امت کی کثرت، رفعت

ذکر، اللہ کریم سے کامل وابستگی اور اسی کی بارگاہ میں دائمی حضوری، علم، اخلاق، مقامِ محمود، کثیر معجزات، پوری دنیا کی اصلاح کی ذمہ داری، ختمِ نبوت، حوضِ کوثر، نہرِ کوثر، خیرِ دنیا اور خیرِ آخرت ہے۔ یہ سب چیزیں کوثر میں شامل ہیں۔ یہ خلاصہ ہے بے شمار تفاسیر کا (مثلاً ابن جریر جلد ۱۵ صفحہ ۳۶۰ تا ۳۶۷، قرطبی جلد ۲۰ صفحہ ۱۹۹، تفسیر کبیر جلد ۱۱ صفحہ ۳۱۳ تا ۳۱۶ مع الاضافہ)۔ یہ کل اکیس چیزیں ہوئیں۔ ان میں سے ہر ایک پر تفصیل سے بحث کی جا سکتی ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس ﷺ فرماتے ہیں کہ اَلْکَوْثَرُ الْخَیْرُ الْکَثِیْرُ الَّذِیْ اَعْطَاهُ اللّٰهُ اِیَّاهُ یعنی کوثر وہ خیرِ کثیر ہے جو اللہ نے اپنے حبیب کو عطا فرمائی ہے (مستدرکِ حاکم جلد ۳ صفحہ ۱۴۱، ابن جریر جلد ۱۵ صفحہ ۳۶۳)۔

حضرت ابو بشر نے حضرت سعید سے پوچھا کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ کوثر سے مراد صرف نہرِ کوثر ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ جنت کی نہرِ کوثر تو اس کوثر کا ایک حصہ ہے جو نبی کریم ﷺ کو عطا ہوئی (بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۴۲، مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۱۴۱)۔

تفسیرات احمدیہ اور تفسیر مدارک میں ہے کہ اس سے مراد بے تحاشا عطائیں ہیں (الخیر المفرط الکثیر، تفسیرات احمدیہ صفحہ ۷۴۱، مدارک جلد ۴ صفحہ ۴۱۳)۔

حضرت صدر الافاضل سید نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہے بے شمار نعمتیں اور فضیلتیں جن کی نہایت نہیں (خزائن العرفان صفحہ ۹۶۱)۔

مفرط، کثیر اور بے شمار اور ہر چیز کے الفاظ ہی تقریباً تمام مفسرین نے لکھے ہیں۔ لہٰذا ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو بے حد دیا۔ ہر چیز دی گویا سب کچھ دیا۔

حدیث شریف سے اسکی تائید یوں ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میرے پاس زمین کے خزانوں کی چابیاں لائی گئیں اور میرے ہاتھ پر رکھ دی گئیں (بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۸۰، المستند صفحہ ۱۴)۔

لفظ اِنَّا یعنی "بے شک ہم نے" اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ سب کچھ دینے والی اللہ کی ذات ہے لہٰذا کمالاتِ نبوت کے منکرین کا ناطقہ بند کر دیا گیا ہے کہ میرے محبوب سے الجھنے کی

بجائے مجھ سے بات کرو جس نے اسے ان بے انتہا کمالات سے نوازا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے لفظ آتَینَا (ہم نے دیا) کی بجائے اَعْطَیْنَا (ہم نے عطا کیا) استعمال فرمایا ہے۔ فرق یہ ہے کہ محض دے دینے کی نسبت عطا کر دینے میں بلا معاوضہ دینے اور کثرت سے دینے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ حبیب کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ عطا کرنے والا اللہ ہے اور بانٹنے والا میں ہوں (بخاری جلد ا صفحہ ۱۶)۔ جسے بے حد عطا ہوا ہے وہ تقسیم بھی بے حد ہی کرتا ہوگا۔

امام رازی رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اِنَّـآ اَعْـطَیْنٰكَ الْـكَـوْثَرَ کا اعلان اِس لیے فرمایا ہے کہ اے محبوب! جب ہم نے آپ کو کثرت سے دیا ہے تو پھر آپ تقسیم بھی کثرت سے کریں فَاَعْطِ اَنْتَ الْكَثِیْرَ وَلَا تَبْخَلْ (تفسیر کبیر جلد ۱۱ صفحہ ۳۰۷)۔

اس آیت میں اَعْطَیْنَا ماضی ہے یعنی حضور کریم ﷺ کو سب کچھ عطا ہو چکا ہے۔

اَعْـطَیْـنٰكَ میں محبوب کریم ﷺ کو خطاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا ہے مگر اپنے حبیب ﷺ کو قرآن میں بار بار خطاب فرما کر اور معراج کی رات راز و نیاز کی باتیں کر کے شرفِ کلیمی کی انتہا کر دی ہے۔

اس آیت میں جن عطاؤں کا ذکر ہوا ہے وہ واقعی کھلی آنکھ سے دیکھنے میں آ رہی ہیں۔ مثلاً اولادِ امجاد، صحابۂ کرام، علماءِ کرام، دیگر اُمت کی کثرت، حفاظِ قرآن اور قرآن و اسلام کی ترقی وغیرہ۔ گویا یہ ایک غیب کی خبر دی گئی تھی جو سچ ثابت ہوئی۔ لہٰذا یہ آیت نبی کریم ﷺ کا زندہ معجزہ ہے۔

حوضِ کوثر کے پانی سے وہ پانی افضل ہے جو سید المرسلین ﷺ کی انگلیوں سے معجزے کے طور پر جاری ہوا تھا۔ یہ معجزات، کمالات و تبرکات اسی کوثر کا حصہ ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جو شخص نہرِ کوثر کے تلاطم کی آواز سننا چاہتا ہو وہ اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر اس آواز کی طرف متوجہ ہو (ابن جریر جلد ۱۵ صفحہ ۳۶۱)۔

مرتبۂ الوہیت کے سواہ ہر وصفِ کمال نبی کریم ﷺ کی طرف بے دریغ منسوب کر دینا اِنَّـآ اَعْـطَیْـنٰكَ الْـكَـوْثَرَ کا عین تقاضا ہے۔ سورۃ کوثر کی تفسیر میں حضرت شیخ الحدیث علامہ محمد

اشرف سیالوی کی کتاب کوثر الخیرات ایک عالی شان کتاب ہے۔

اٹھارہویں آیت:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا یعنی اگر یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو اے نبی یہ آپ کے پاس آ جائیں پھر اللہ سے معافی مانگیں اور رسول بھی ان کے لیے معافی مانگیں تو اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے (النسآء: ٦٤)۔

اگر ہم سے خطا ہو جائے تو ہمیں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر توبہ کرنے اور حضور سے شفاعت کرانے پر معافی کی یقین دہانی کرائی گئی ہے۔ یہ آیت آج بھی قرآن میں موجود ہے۔ آج اس پر عمل صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی حیاتِ ظاہریہ کی طرح آج بھی زندہ ہوں۔ حدیث شریف میں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ فَنَبِيُّ اللّٰهِ حَيٌّ يُّرْزَقُ یعنی بیشک اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔ لہٰذا اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے۔ اسے رزق ملتا ہے (ابن ماجہ، مشکوٰۃ صفحہ ۱۲۱، المستند صفحہ ۱٦)۔

تمام انبیاء علیہم السلام کے جسموں کے محفوظ ہونے اور ان کے زندہ ہونے پر پوری امت کا اتفاق ہے۔ اور پوری امت شروع سے طلبِ شفاعت کے لیے نبی کریم ﷺ کی قبرِ انور پر حاضر ہوتی آ رہی ہے۔

نور الایضاح میں ہے کہ روضۂ انور پر حاضر ہونے والے کو چاہیے کہ اللہ کی بارگاہ میں یہی آیت "وَلَوْ اَنَّهُمْ" پڑھ کر عرض کرے کہ اے باری تعالیٰ میں تیرے حکم کے تحت یہاں آیا ہوں۔ اور یہی آیت پڑھ کر نبی کریم ﷺ سے عرض کرے کہ یا رسول اللہ میں اس آیت پر عمل کرتا ہوا آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں۔ میری شفاعت فرمایئے (حاصل نور الایضاح صفحہ ۱۹۱، ۱۹۴)۔

اس کے برعکس نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر شفاعت کرانے سے گریز کرتا اور

اس معاملے میں تکبر کرنا سیدھی منافقت ہے۔ سورۃ منافقون میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ یعنی جب ان منافقوں سے کہا جائے کہ آؤ اللہ کے رسول تمہارے لیے استغفار کریں تو یہ سر مارتے ہیں اور تو دیکھے گا کہ وہ رُکتے ہیں اور غرور کرتے ہیں (منافقون:۵)۔

اُنیسویں آیت:

عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا یعنی یقیناً آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز کرے گا (بنی اسرائیل:۷۹)۔

مقامِ محمود سے مراد شفاعت کا مقام ہے۔ احمد، ابن ابی حاتم اور ترمذی نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا مقامِ محمود سے مراد وہ مقام ہے جہاں میں اپنی امت کے لیے شفاعت کروں گا (مظہری جلد ۵ صفحہ ۴۷۱)۔

تفسیرِ مدارک میں ہے کہ مقامِ محمود سے مراد شفاعت ہے یہ علماء کا جمہوری فیصلہ ہے اور اس پر احادیث وارد ہیں (مدارک جلد ۳ صفحہ ۱۸۶)۔

جب آپ شفاعت کا دروازہ کھولیں گے تو اولین و آخرین سب کے سب آپ کی حمد کریں گے اس لحاظ سے اس مقام کو مقامِ محمود کہا گیا ہے يَحْمَدُهُ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ (مظہری جلد ا صفحہ ۴۷۱)۔

شفاعت کی وجاہت

اسی لفظ محمود سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی شفاعت، شان و شوکت اور وجاہت سے لبریز ہوگی۔ یہ شفاعت ایسی مجبور اور پابندِ سلاسل شفاعت نہیں ہوگی جس پر صرف شفاعت کا لیبل رہ جائے اور اسکی حقیقت کچھ بھی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى اے حبیب اللہ آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب میرا رب مجھے راضی کرے گا تو پھر میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا جب تک میرا ایک اُمتی بھی دوزخ میں ہوگا (مظہری جلد ۱۰ صفحہ ۲۸۳)۔اس سے آپ ﷺ کے شفاعت کے سلسلے میں وسیع اختیارات ثابت ہوئے۔

حدیث شریف میں ہے کہ سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول ہوگی۔اور میں اس پر فخر نہیں کرتا (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۰۲،ابن ماجہ صفحہ ۳۱۹)۔

نبی کریم ﷺ اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوں گے تو اللہ کریم فرمائے گا۔اپنا سر اُٹھایئے۔ مانگیے۔آپ کو ملے گا۔کہیے آپ کی ہر بات سنی جائے گی۔شفاعت کیجیے آپ کی شفاعت قبول ہوگی (بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۷۹،مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۰۹)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ میری شفاعت میری اُمت کے اہل کبائر کے لیے ہے (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۷۰،ابن ماجہ صفحہ ۳۱۹،مشکوۃ صفحہ ۴۹۴)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن انبیاء،پھر علماء اور پھر شہداء تینوں شفاعت کریں گے (ابن ماجہ صفحہ ۳۲۰)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ دوزخیوں کی صفیں بن رہی ہوں گی۔انکے پاس سے ایک جنتی آدمی گزرے گا۔دوزخیوں میں سے ایک آدمی پکار کر اسے بلائے گا کہ اے فلاں! کیا آپ مجھے نہیں پہچانتے۔میں وہ شخص ہوں جس نے آپکو پانی پلایا تھا۔دوسرا آدمی کہے گا میں نے آپکو وضو کرایا تھا۔ وہ ان دونوں کی شفاعت کرے گا اور انہیں جنت میں لے جائے گا (مشکوۃ صفحہ ۴۹۴)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ کچا بچہ (جو نامکمل ساقط ہوگیا تھا) اپنے ماں باپ کو دوزخ میں بھیجا جاتے ہوئے دیکھے گا تو وہ اللہ تعالیٰ سے جھگڑے گا۔اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔اے اپنے رب سے جھگڑا کرنے والے چھوٹے! اپنے ماں باپ کو جنت میں لے جا۔وہ انہیں اپنی ناف سے باندھ کر جنت میں لے جائے گا (ابن ماجہ صفحہ ۱۱۵)۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ شفاعت اللہ کریم کے اِذن سے ہی ہوگی۔"مَنْ ذَا الَّذِیْ

يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ یعنی اسکے ہاں اس کے اِذن کے بغیر کون شفاعت کرسکتا ہے"۔

مگر یہ اِذن محض کھوکھلا اور ڈرامہ بازی پر مبنی نہیں بلکہ گزشتہ آیات اور بے شمار احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ شفاعت، وجاہت اور شان وشوکت سے بھری ہوئی ہوگی حتیٰ کہ اسے وجاہت اور محبت کی بنا پر رب سے جھگڑا کرنے کی اجازت ہوگی جیسا کہ ایک ساقط شدہ بچہ اپنے ماں باپ کے لیے جھگڑا کرے گا۔

بیسویں آیت:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ یعنی اگر تمہیں اس میں کچھ شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو اس جیسی ایک سورت بنا کر لے آؤ۔ اور اللہ کے علاوہ اپنے مددگار بلالو اگر تم سچے ہو (البقرہ: ۲۳)۔

قرآن نبی کریم ﷺ کا زندۂ جاوید معجزہ ہے اس جیسی کتاب تو کیا صرف ایک سورت بنا کر لانا بھی کسی کے بس کا کام نہیں۔ آج تقریباً ڈیڑھ ہزار سال گزر جانے کے باوجود قرآن کے اس چیلنج کو کوئی قبول نہ کرسکا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا لَا یَنْقَضِیْ عَجَائِبُهٗ یعنی قرآن کے عجائب ہمیشہ سامنے آتے رہیں گے (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۱۸، المستند صفحہ ۴۰)۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن ہر دور میں انسانی ذہن کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ انسان کی راہنمائی کرتا ہے۔ آج کے سائنسی دور میں ایک عیسائی تبصرہ نگار (جو بعد میں مسلمان ہوگیا) لکھتا ہے

The relationship between the quran and science is a priore a surprise , especially when it turns out to be one of harmony and not of discord.

(The Bible the Quran and Science P.110 by: Maurice Bucaille)

ترجمہ: قرآن اور سائنس میں ایسا زبردست تعلق ہے کہ انسان قرآن کی سائنس سے ہم آہنگی دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔

ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ اگر قرآن کسی سائنسی تحقیق کو رَدّ کردے تو یقیناً ایسی سائنسی تحقیق نابالغ (Immature) ہوگی۔ اور بالآخر سائنس کو قرآن ہی کی طرف آنا پڑے گا۔ جیسا کہ سائنس والوں کے نظریات میں آئے دن تبدیلیاں آتی بھی رہتی ہیں۔

دیگر معجزات

قرآن نبی کریم ﷺ کی صداقت کا لاجواب ثبوت ہے۔ اس کے علاوہ بے شمار معجزات سے آپ ﷺ کی نبوت کی تائید ہوتی ہے۔ آپ نے چاند کے دو ٹکڑے کر کے جوڑ دیا (سورہ القمر: ۱)۔ بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۴۶، مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۷۳ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

حضرت اسماء بنتِ عمیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ پر وحی نازل ہو رہی تھی اور آپ ﷺ کا سر مبارک مولا علی رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ عصر کی نماز نہ پڑھ سکے حتیٰ کہ سورج ڈوب گیا آپ ﷺ نے پوچھا اے علی کیا آپ نے نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے عرض کیا نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ یہ تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں مصروف تھا، اس کی خاطر سورج واپس کر دے۔ اللہ کریم نے سورج واپس کر دیا۔ یہ واقعہ صہباء کا ہے جو خیبر میں واقع ہے (مشکل الآثار، الشفاء جلد ۱ صفحہ ۱۸۵، المستدرک صفحہ ۵۸-۵۷)۔

ایک مرتبہ کسی گڈریے کے ریوڑ میں سے بھیڑیے نے ایک بکری پکڑ لی۔ گڈریے نے کوشش کر کے اس سے بکری چھڑا لی۔ وہ بھیڑیا ایک چٹان پر چڑھ کر کتے کی طرح بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ میں نے اللہ کے دیے ہوئے رزق کو حاصل کرنے کی کوشش کی اور تم نے مجھ سے چھین لیا۔ اس آدمی نے کہا اللہ کی قسم میں نے آج تک بھیڑیے کو باتیں کرتے ہوئے نہیں سنا۔ بھیڑیے نے کہا اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ ان کھجوروں کے درمیان والے شہر میں ایک بندۂ خدا تم لوگوں کو جو کچھ ہو چکا ہے اور کچھ تمہارے بعد ہونے والا ہے ہر چیز کی خبر دیتا ہے۔ وہ شخص یہودی تھا۔ سیدھا

ں کریم ﷺ کے پاس پہنچا، سارا واقعہ سنایا اور مسلمان ہو گیا (مشکوٰۃ صفحہ ۵۴۱، المستند صفحہ ۴۲)۔

پتھر اور درخت آپ ﷺ کو اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کہہ کر سلام عرض کرتے تھے (ترمذی، مشکوٰۃ صفحہ ۵۴۰، المستند صفحہ ۴۰)۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے۔ ہمارے پاس پانی کم ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کسی کے پاس بچا کھچا پانی ہے تو لے آؤ۔ ایک برتن میں تھوڑا سا پانی لایا گیا۔ آپ ﷺ نے اس میں ہاتھ مبارک ڈالا اور فرمایا بابرکت وضو کے لیے آؤ، برکت اللہ کی طرف سے ہے۔ میں نے دیکھا کہ پانی آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پھوٹ رہا تھا۔ کھانا کھایا جا رہا ہوتا تھا اور وہ کھانا اللہ کی تسبیح بیان کر رہا ہوتا تھا، ہم سن رہے ہوتے تھے (بخاری جلد ا صفحہ ۵۰۴، مشکوٰۃ صفحہ ۵۳۸، المستند صفحہ ۴۴)۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابو بکر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم ایک سو تیس آدمی نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم میں سے کسی کے پاس کھانا موجود ہے؟ ایک آدمی کے پاس کچھ آٹا موجود تھا۔ اسے گوندھا گیا اتنی دیر میں ایک مشرک آدمی بکریاں ہانکتا ہوا پہنچ گیا۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا بکری بیچو گے یا مفت دو گے؟ اس نے کہا قیمت لوں گا۔ آپ ﷺ نے اس سے ایک بکری خریدی۔ اسے ذبح کیا گیا اور آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کی کلیجی کو بھونا جائے۔ اللہ کی قسم ایک سو تیس آدمیوں میں سے ہر آدمی نے وہ کلیجی خوب کھائی اور جو شخص پاس نہیں تھا اس کے لیے بچا کے رکھ لی گئی۔ پھر بقیہ گوشت کو پکا کر دو برتنوں میں ڈالوا دیا۔ ہم سب نے اس میں سے کھایا اور سیر ہو گئے۔ دونوں برتنوں میں گوشت بچ گیا۔ میں نے بچا ہوا گوشت اونٹ پر لاد لیا (بخاری، المستند صفحہ ۴۵)۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی شریف کھجور کے ستونوں پر کھڑی تھی۔ نبی کریم ﷺ جب خطبہ ارشاد فرماتے تو ایک کھجور کے تنے کے ساتھ ٹیک لگا لیتے تھے۔ جب آپ ﷺ کے لیے منبر بنایا گیا تو آپ منبر پر بیٹھ گئے۔ کھجور کا وہ تنا اس طرح رونے لگا جیسے اونٹنی کا بچہ گم ہو جائے تو وہ روتی ہے۔ نبی کریم ﷺ اس کے پاس تشریف لائے اور اپنا ہاتھ مبارک اس پر رکھا تو وہ بچے کی طرح سسکیاں لیتا لیتا چپ ہو گیا (بخاری جلد ا صفحہ ۵۰۶، المستند صفحہ ۴۱)۔

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کی محفل میں تھے۔ اتنے میں ایک دیہاتی وہاں پہنچ گیا۔ اس نے سوسار (گوہ) پکڑی ہوئی تھی۔ اس نے آتے ہی پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا نبی اللہ۔ اس نے کہا مجھے اپنے بتوں لات اور عزیٰ کی قسم ہے میں تجھ پر اس وقت تک ایمان نہیں لاؤں گا جب تک یہ گوہ تجھ پر ایمان نہ لائے۔ یہ کہہ کر اس نے گوہ نبی کریم ﷺ کے سامنے پھینک دی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے گوہ! پورا مجمع سن رہا تھا، وہ بڑے صاف الفاظ میں بولی لَبَّيْكَ وَ سَعْدَيْكَ اے اللہ کی زینت۔ فرمایا تم کس کی عبادت کرتی ہو؟ اس نے کہا میں اس کی عبادت کرتی ہوں جس کا عرش آسمان میں ہے اور بادشاہی زمین میں ہے اور اس کے راستے سمندروں میں ہیں، اس کی رحمت جنت میں ہے اور اس کا عذاب جہنم میں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں کون ہوں؟ اس نے کہا آپ رب العالمین کے رسول ہیں، آخری نبی ہیں، جس نے آپ کی تصدیق کی وہ فلاح پا گیا، جس نے آپ کو جھٹلایا وہ خسارے میں رہا۔ وہ دیہاتی مسلمان ہو گیا (الوفا صفحہ ۳۳۷، المستند صفحہ ۴۳)۔

حضرت بریدہ ؓ فرماتے ہیں کہ ایک دیہاتی نے نبی کریم ﷺ سے معجزہ طلب کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس درخت سے کہو تجھے رسول اللہ ﷺ بلاتے ہیں۔ وہ درخت دائیں بائیں اور آگے پیچھے ہلا اور اپنی جڑیں کاٹ دیں۔ زمین کو چیرتا ہوا، اپنی جڑیں گھسیٹتا ہوا اور گرد اڑاتا ہوا نبی کریم ﷺ کے سامنے پہنچ گیا اور کہنے لگا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ۔ پھر اس اعرابی نے کہا اسے واپس بھیج دیں۔ وہ درخت واپس چلا گیا اور اپنی جگہ پر جا کر جم گیا۔ اس دیہاتی نے کہا مجھے اجازت دیجیے میں آپ کو سجدہ کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر میں کسی انسان کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو بیوی کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کیا کرے۔ پھر اس نے کہا مجھے اپنے ہاتھ اور پاؤں چومنے دیجیے۔ آپ ﷺ نے اسے ہاتھ اور پاؤں چومنے کی اجازت دے دی (الشفا جلد ۱ صفحہ ۱۹۶)۔

جنگ احد میں حضرت ابوقتادہ ؓ کی آنکھ باہر نکل آئی۔ وہ اپنی آنکھ کو ہاتھ پر رکھ کر نبی کریم ﷺ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا ابوقتادہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا یہ وہی ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر چاہو تو صبر کرو تمہیں جنت ملے گی۔ اور اگر چاہو تو میں

اسے واپس لگا دوں اور اللہ سے دعا کروں اور یہ سو فیصد درست ہو جائے۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ جنت بڑی عظیم چیز ہے اور بہت بڑی عطا ہے لیکن میری بیویاں میرا مذاق اڑائیں گیں اور مجھے کانا کہیں گی۔ آپ میری آنکھ بھی ٹھیک کر دیں اور اللہ سے جنت بھی دلوا دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں اسی طرح کیے دیتا ہوں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کی آنکھ کو اپنے ہاتھ مبارک پر رکھا اور اسے اس کی جگہ پر فٹ کر دیا۔ وہ آنکھ مرتے دم تک دوسری آنکھ سے زیادہ روشن رہی۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے جنت کی بھی دعا فرمائی (الوفا صفحہ ۳۳۴، المستند صفحہ ۴۸)۔

ایک آدمی نے جہالت کے زمانے میں اپنی بیٹی کو کسی وادی میں پھینک دیا تھا۔ بعد میں وہ مسلمان ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ اس آدمی کے ساتھ وادی میں تشریف لے گئے اور اس لڑکی کا نام لے کر آواز لگائی۔ اے فلاں لڑکی اللہ کے اذن سے مجھے جواب دے۔ وہ لڑکی لَبَّیْكَ وَسَعْدَیْكَ کہتی ہوئی سامنے آ گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا تیرے ماں باپ مسلمان ہو چکے ہیں۔ اگر تم چاہو تو میں تمہیں ان کے پاس واپس بلا لوں۔ اس نے عرض کیا مجھے میرے ماں باپ کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں نے اپنے اللہ کو ماں باپ سے زیادہ مہربان پایا ہے (الشفا جلد ا صفحہ ۲۱۱)۔

ایک سفر میں صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے۔ آپ ﷺ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے۔ ہم نے ایک چڑیا کو دیکھا جس کے ساتھ دو بچے تھے۔ ہم نے اس کے بچے پکڑ لیے۔ وہ چڑیا ہمارے سروں پر چکر لگانے لگی۔ نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کس نے اس کے بچے پکڑ کر اسے پریشان کیا ہے۔ اس کے بچے واپس کر دو (مشکوٰۃ صفحہ ۳۰۷)۔

جنگ بدر سے ایک دن پہلے آپ ﷺ نے کفار کے نام لے لے کر فرمایا کہ اس جگہ پر فلاں مرے گا۔ اس جگہ پر فلاں مرے گا۔ اگلے روز وہ لوگ بالکل اسی جگہ پر مرے جس کی نشاندہی نبی کریم ﷺ نے فرمائی تھی۔ ایک انچ بھی اِدھر اُدھر نہ مرے (رواہ مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۵۳۱)۔

اس کے علاوہ نبی کریم ﷺ نے غیب کی بے شمار خبریں دی ہیں جن کا احاطہ کرنا دائرہ امکان سے باہر ہے۔

بخاری شریف جلد ا صفحہ نمبر ۵۰۴ پر علامات النبوۃ کا پورا باب موجود ہے یہ سب باتیں

آپ ﷺ کی نبوت کی صداقت کا لاجواب ثبوت ہیں۔

معجزے اور کرامت میں فرق

ایسا مافوق العادت کام جو نبی کر کے دکھائے اسے معجزہ کہتے ہیں اور ایسا ہی کام اگر ولی کر کے دکھائے تو اسے کرامت کہتے ہیں۔ نبی کے ہاتھ سے جو کام معجزہ کے طور پر ممکن ہو ولی کے ہاتھ سے وہی کام کرامت کے طور پر بھی ممکن ہوتا ہے۔ صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار علیہم الرضوان سب اولیاء ہیں، نبی نہیں۔ لہٰذا انکے ہاتھ سے سرزد ہونے والا مافوق العادت کام کرامت کہلائے گا نہ کہ معجزہ۔

معجزہ دکھانے میں نبی بے بس نہیں ہوتا بلکہ اپنی مرضی سے بھی معجزہ دکھا سکتا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ کفار نے نبی کریم ﷺ سے چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھانے کا مطالبہ کیا تو آپ ﷺ نے چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھا دیے۔ اسطرح کی کئی مثالیں آپ پڑھ چکے ہیں۔

قرآن پڑھنے کے آداب

قرآن کا مطالعہ کرنے والے کو چند باتیں ذہن میں رکھنا چاہییں۔

۱۔ قرآن کا موضوع توحید ہے۔ اسکی تصریح سورہ ابراہیم : ۵۲ میں موجود ہے۔ ہر نبی کی دعوت توحید تھی آیات قرآنی کے تمام مضامین دعوت الی التوحید کے محور کے گرد گھومتے ہیں۔ چلتے چلتے ہر بات اور ہر مضمون اچانک اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف پلٹتا ہے جو بظاہر جملۂ معترضہ معلوم ہوتا ہے حالانکہ قرآن اپنے موضوع کی طرف پلٹ رہا ہوتا ہے۔

۲۔ قرآن روحانی اور مابعد الطبعیاتی ضرورت کو درجۂ اول میں پورا کرتا ہے۔ جبکہ جسمانی اور سیاسی راہنمائی دلالۃً اور بدرجۂ اولیٰ کرتا ہے۔ لہٰذا روحانیت کا منکر اور مادہ پرستانہ ذہن والا آدمی اس سے کماحقہٗ فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔

۳۔ روحانی تربیت کا انداز ابواب کی تقسیم اور موضوعات کی علیحدگی سے نہیں ہوا کرتا بلکہ اس کا انداز ملفوظی اور تقریری ہوا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملفوظات کی کتب اسی ڈھب پر ہوتی ہیں۔ قرآن سالک طریقت کے لیے روحانی تربیت کا مکمل سامان فراہم کرتا ہے۔

۴۔ اسلام میں عقائد، احکام، اخلاص، معیشت، سیاست، دین ودنیا باہم مربوط ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کو لے کر اور باقیوں کو چھوڑ کر اسلام کے مجموعی نفاذ کا دروازہ بند ہے۔ لہٰذا قرآن ان تمام مضامین کو ساتھ لے کر چلتا ہے۔ کبھی عقائد کا بیان اور کبھی احکام کی تفصیل، کبھی سالک کی راہنمائی کے لیے قصص اور کبھی مجاہد کے لیے ترغیب وغیرہ کی طرف لوٹ لوٹ کر آتا ہے۔ اسے تصریف الآیات کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک ہی بات یا واقعہ کا حسب موقع بار بار بیان ہونا بھی تصریف الآیات ہی ہے۔

اس کے باوجود ترتیبِ قرآنی کا اپنا حسن وجمال قائم ہے۔ شروع میں سورۃ فاتحہ اس کے بعد قرآن کی سب سے لمبی سورۃ۔ آخر میں چھوٹی چھوٹی سورتیں اور سب سے آخر میں معوذتین ترتیب کا خوبصورت گلدستہ ہے۔ قرآن کو الحمد للہ سے شروع کرنا اور تعوذ باللہ پر ختم کرنا بھی ایک زبردست خوبی ہے، گویا جس کی حمد سے ابتدا کی تھی اسی کی پناہ مانگتے ہوئے بات کو ختم کر دیا ہے۔

سپردم بتو مایۂ خویش را

۶۔ قرآن خصوصی نزول کے لحاظ سے کبھی صرف کفار کو خطاب کرتا ہے (یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ)۔ کبھی اہلِ ایمان کو خطاب کرتا ہے (یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا) اور کبھی پوری دنیا کو خطاب کرتا ہے (یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ)۔ کبھی خصوصی نزول کسی ایک فرد یا ایک واقعہ کی وجہ سے ہوتا ہے لیکن اس کا بیان سب کے لیے عام اور اس کا اطلاق پوری دنیا کے لیے وسیع ہوتا ہے۔ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ جب قرآن کے احکام عرب کے ریگستان میں قابلِ عمل ہیں تو پوری دنیا کے صحراؤں اور قیامت تک کے ارتقائی ادوار میں کیوں نہ قابلِ عمل ہوں گے۔

۷۔ قرآن بلاشبہ کتابِ ہدایت ہونے کے ساتھ ساتھ وظیفہ، عمل اور روحانی تاثیر کی حامل کتاب بھی ہے۔ مختلف سورتوں کا مختلف مواقع اور ضروریات پر پڑھنا احادیث میں صراحتاً مذکور ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے ہم قرآن نازل کرتے ہیں جو مومنوں کیلئے شفا اور رحمت ہے (ترجمہ بنی اسرائیل: ۸۲)۔ حدیث شریف میں ہے کہ قرآن سب سے بہتر دوا ہے (ابن ماجہ صفحہ ۲۵۰)۔

ایک حدیث میں یہاں تک ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا ایک قافلہ کسی بستی کے پاس سے گزرا، انہیں وہاں ٹھہرنا پڑ گیا۔ بستی والوں نے مہمان نوازی سے انکار کر دیا۔ صحابہ کرام بستی کے باہر ٹھہر گئے۔ بستی والوں کے سردار کو سانپ نے ڈس لیا۔ انہوں نے سارے علاج کر لیے مگر افاقہ نہ ہوا۔ بالآخر وہ صحابہ کرام کے پاس آئے اور ماجرا سنایا۔ ایک صحابی نے فرمایا۔ میں دَم کروں گا۔ تمہارا سردار ٹھیک ہو جائے گا۔ مگر تم نے ہماری مہمان نوازی سے انکار کیا تھا، ہماری شرط یہ ہے کہ ہمیں ایک بکرا چاہیے۔ صحابی نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کیا۔ سردار درست ہو گیا۔ اور بکرا وصول کر لیا گیا۔ جب نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا تم لوگوں نے بالکل ٹھیک کیا۔ اس بکرے کو آپس میں بانٹ لو اور اس میں میرا حصہ بھی رکھنا۔ یہ فرما کہ نبی کریم ﷺ ہنس پڑے (بخاری جلد ا صفحہ ۳۰۴)۔

۸۔ قرآن کی تلاوت ادب سے باوضو، قبلہ رُخ بیٹھ کر، ٹھہر ٹھہر کر کی جائے۔

حسن قرأت عوام کے لیے لائق تحسین ہے جبکہ خواص زیادہ تکلف اور فن کاری سے گریز کرتے ہیں۔ الفاظ پر غور و خوض اور مختلف مقامات پر حسب موقع دعائیں کرتے جانا، رو رو کر تلاوت کرنا اور تقریباً دُسو آیات کی روزانہ تلاوت کرنا مناسب ہے۔

۹۔ قرآن کسی قابل استاد کے پاس پڑھا جائے۔ استاد کے بغیر ناظرہ، حفظ اور تفسیر میں بھاری خطا بلکہ گمراہی تک کا اندیشہ ہے۔

۱۰۔ ذاتی مطالعہ میں رکھنے کے لیے آج کے دور میں تفسیر ضیاء القرآن اور التبیان مناسب تفسیریں ہیں۔

علوم القرآن کے موضوع پر حضرت علامہ مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی رحمت اللہ علیہ کی کتاب ''علم القرآن'' قابل مطالعہ ہے۔ فقیر راقم الحروف نے بھی اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس کا نام ''احسن البیان فی علوم القرآن'' ہے۔

اِکیسویں آیت:

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا

الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی جسکے ماحول کو ہم نے بابرکت بنایا ہے تاکہ ہم اُسے اپنی نشانیاں دکھائیں بیشک وہی سننے والا دیکھنے والا ہے (بنی اسرائیل :۱)۔

اس آیت میں سُبْحٰنَ الَّذِی کا اہتمام جسمانی معراج کی دلیل ہے۔ عبد کا لفظ جسم اور روح کے مجموعے پر بولا جاتا ہے لہٰذا لفظ عبد بھی جسمانی معراج کی دلیل ہے۔ کفار نے معراج کا انکار کیا تھا۔ ان کا یہ انکار اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ معراج جسمانی تھی ورنہ روحانی معراج کے انکار کا کوئی تک نہیں۔ یہی قول حضرت سیدنا ابنِ عباس، حضرت جابر، حضرت انس، حضرت حذیفہ، حضرت عمر، حضرت ابوہریرہ، حضرت مالک بن صعصعہ، حضرت ابی حبہ بدری، حضرت سیدنا ابنِ مسعود، ضحاک، سعید بن جبیر، قتادہ، ابنِ مسیب، ابنِ شہاب، ابنِ زید، حسن، ابراہیم، مسروق، مجاہد، عکرمہ، ابنِ جریج، طبری، احمد بن حنبل اور ان کے علاوہ بے شمار فقہاء، محدّثین، متکلمین اور مفسّرین کا ہے رضی اللہ عنہم (الشفاء جلد ۱ صفحہ ۱۱۴)۔

نبی کریم ﷺ کو معراج نبوت کے بارہویں سال ہوئی۔ قرآن پاک میں دو جگہ پر معراج شریف کا ذکر ہے۔ مذکورہ بالا آیت میں معراج شریف پر تشریف لے جانے کا ذکر ہے۔ جبکہ ستائیسویں پارے میں وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی (سورہ نجم ۱ تا ۱۸) میں معراج کی تفصیلات اور واپسی کا ذکر ہے۔

اس کے علاوہ کتبِ حدیث میں معراج کے پورے باب موجود ہیں مثلاً بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۴۸ پر باب المعراج، مسلم جلد ۱ صفحہ ۹۱ پر باب الاسراء، مشکوٰۃ صفحہ ۵۲۶ پر باب فی المعراج موجود ہے۔ تمام کتب سیرت میں بھی واقعہ معراج کی تفصیلات درج ہیں۔

معراج کے لفظی معنی سیڑھی کے ہیں اور اصطلاحاً محبوب کریم ﷺ کے حالتِ بیداری میں آسمانوں کی سیر کو جانے اور اللہ کریم سے براہِ راست ہم کلام ہونے اور دیدار سے مشرف ہونے کو معراج کہا جاتا ہے۔ جسمانی معراج نبی کریم ﷺ کا خاصہ ہے، آپ ﷺ سے پہلے کسی نبی کو

جسمانی معراج نہیں ہوئی البتہ روحانی معراج ہوتی رہی ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ يَسْتَبْشِرُ بِهٖ اَهْلُ السَّمَآءِ یعنی آسمان والوں کو پہلے سے معراج النبی ﷺ کی خوشخبری سنا دی گئی تھی (بخاری جلد۲ صفحہ۱۱۲۰)۔ اور وہ اِس انتظار میں تھے کہ کب جلوۂ محبوب دیکھنا نصیب ہو (فتح الباری کمافی حاشیۃ البخاری صفحہ۱۱۲۰)۔

کتبِ حدیث میں جو تفصیلات درج ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ حطیم یا کعبہ میں سو رہے تھے کہ حضرت جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے آ کر جگایا اور معراج کی خوشخبری سنائی۔ چاہِ زمزم پر لے جا کر آپ ﷺ کے سینۂ اقدس کو چاک کیا گیا۔ قلبِ اطہر نکال کر زمزم سے غسل دیا گیا۔ اس میں ایمان وحکمت بھر دی گئی اور واپس رکھنے کے بعد سینۂ اقدس کو سی دیا گیا۔ (یہ سب کچھ نُوْرٌ عَلٰی نُوْر کرنے کے لیے تھا۔ جیسے وضو کے اوپر وضو نُوْرٌ عَلٰی نُوْر ہے)۔ پھر ایک سواری لائی گئی جو گدھے سے بڑی اور خچر سے چھوٹی تھی۔ اس کا نام بُراق تھا۔

نبی کریم ﷺ بُراق پر سوار ہونے لگے تو اُس نے شوخی دکھائی۔ حضرت جبریل امین علیہ السلام نے فرمایا کیا تم محمد کے سامنے شوخی کرتے ہو؟ اللہ کی قسم آج تک کوئی اس جیسا اللہ کا مکرم و محترم پیغمبر تم پر سوار نہیں ہوا۔ یہ سُن کر بُراق پسینے میں ڈوب گیا (الوفا صفحہ۲۲۴)۔ مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصٰی تک پہنچے۔ راستے میں قدرتِ خداوندی کے کئی مناظر دیکھے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ اپنی قبر شریف میں کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ جب مسجدِ اقصٰی پہنچے تو سواری کو باندھا تمام انبیاء علیہم السلام منتظر تھے۔ حضور علیہ السلام کی اقتداء میں سب نے نماز پڑھی۔ مختلف انبیاء علیہم السلام نے باری باری خطبہ دیا اور اپنے اپنے انداز سے اللہ کریم کی حمد وثناء بیان فرمائی۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے خطبے میں فرمایا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَرْسَلَنِی رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ وَ كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَنَذِیْرًا وَاَنْزَلَ عَلَیَّ الْفُرْقَانَ فِیْهِ تِبْیَانُ كُلِّ شَیْءٍ وَجَعَلَ اُمَّتِیْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ وَجَعَلَ اُمَّتِیْ هُمُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ وَشَرَحَ لِیْ صَدْرِیْ وَ وَضَعَ عَنِّیْ وِزْرِیْ

وَرَفَعَ لِی ذِکْرِی وَجَعَلَنِی فَاتِحًا وَخَاتِمًا ثُمَّ قَالَ اِبْرَاهِیْمُ عَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ لِلْاَنْبِیَآءِ عَلَیْهِمُ السَّلَام بِهٰذَا فَضَلَکُم مُحَمَّد ﷺ کَذَا فِی الشِّفَا وَالخَصَائِصِ الْکُبْریٰ

یعنی سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور تمام انسانوں کے لیے خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے اور مجھ پر حق اور باطل میں تمیز کرنے والا قرآن نازل فرمایا جس میں ہر چیز کا بیان موجود ہے اور میری اُمت کو بہترین اُمت بنایا جسے لوگوں کے لیے نکالا گیا ہے اور میری اُمت کو پہلا اور آخری بنایا ہے اور میرے لیے میرا سینہ کھول دیا ہے اور مجھ پر سے میرا بوجھ اتار دیا ہے اور میرے لیے میرا ذکر بلند فرمایا اور مجھے آغاز کرنیوالا اور اختتام کرنیوالا بنایا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہم الصلوٰۃ والسلام نے انبیاء علیہم السلام کو فرمایا انہی وجوہات کی بنا پر محمد تم پر فضیلت لے گئے (الشفاء جلد ا صفحہ ۱۰۹، ۱۱۰، تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۲۹)۔

پھر آسمان کی طرف عروج فرمایا۔ ہر آسمان کے دروازے پر ایک دربان ہوتا تھا۔ وہ پوچھتا کہ کون ہے حضرت جبریل علیہ السلام فرماتے کہ جبریل ہوں۔ وہ پوچھتے ساتھ کون ہے؟ فرماتے محمد (ﷺ) وہ پوچھتے کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ فرماتے ہاں۔ وہ مرحبا کہتے اور دروازہ کھول دیتے۔ ہر آسمان پر یہی ہوا۔ پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام، دوسرے آسمان پر حضرت یحییٰ وحضرت عیسیٰ علیہما السلام، تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام، چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام، پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام، چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ (یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ معراج سوچے سمجھے منصوبے اور باقاعدہ نظم وضبط کے ساتھ کرائی جارہی تھی۔ اس میں میزبانانہ تکلف کو ملحوظ رکھا گیا اور نبی کریم ﷺ کے اعزاز وتکریم کی پابندی کرائی گئی)۔

پھر سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے۔ سدرہ ایک درخت کا نام ہے جس کے پتے ہاتھی کے کان کی طرح اور اسکے پھل مٹکوں کی طرح ہیں۔ وہاں چار نہریں تھیں۔ دو ظاہر۔ دو باطن۔ باطنی نہریں

جنت کی تھیں اور دوسری دو نہریں نیل اور فرات تھیں۔ یہی سدرہ وہ مقام ہے جہاں تک بنی آدم کے اعمال پہنچتے ہیں، جو احکام اوپر سے آتے ہیں یہیں سے وصول ہوتے ہیں اور جو اعمال نیچے سے آتے ہیں یہیں پر انتہا پذیر ہوتے ہیں۔ یہی حضرت جبریل علیہ السلام کا آخری مقام ہے۔ یہاں پر آپ ﷺ کو بُراق سے اتارا گیا اور اس سے آگے آپ ایک مخمل کے سبز تخت پر تشریف فرما ہوئے جس کا نام رَفرف ہے۔ محبوب کریم ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے اپنی دل لگی کے لیے فرمایا کہ اس سے اوپر بھی میرے ساتھ چلیں۔ انہوں نے عرض کیا لَا اَقْدِرُ وَلَوْ خَطَوْتُ خُطْوَةً لَا حْتَرَقْتُ یعنی مجھ میں اس سے آگے جانے کی ہمت نہیں ہے، اگر میں ایک قدم بھی آگے بڑھا تو جل جاؤں گا (الیواقیت والجواہر جلد۲ صفحہ ۳۶۶)۔ پھر بیت المعمور کی طرف رَفع ہوا۔ پھر تین پیالے پیش کیے گئے۔ ایک میں شراب، دوسرے میں دودھ اور تیسرے میں شہد تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دودھ کا پیالہ لے لیا۔ کہا گیا کہ یہی فطرت ہے۔ جس پر آپ اور آپ کی اُمت ہیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اللہ کریم کے دیدار کا شرف حاصل کرنے کی اجازت چاہی تو دل لگانے اور مانوس کرنے کے لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آواز میں یہ الفاظ سنائے گئے، یَامُحَمَّدُ قِفْ اِنَّ رَبَّكَ يُصَلِّي یعنی اے محمد ٹھہر جایئے آپ کا رب درود بھیج رہا ہے (الیواقیت والجواہر جلد۲ صفحہ ۳۶۷)۔ پھر اللہ کریم سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونا اُس کی شان اور عظمت کو ظاہر کرتا ہے اسی طرح اللہ کریم جل شانہٗ نے اپنے حبیب ﷺ کو عرش پر چڑھ جانے کا شرف بخشا اور آپ ﷺ کی شان اور عظمت کا اظہار فرمایا (الیواقیت والجواہر جلد۲ صفحہ ۳۷۰)۔ مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَاطَغٰی کی نوبت آئی یعنی نہ آنکھ ٹیڑھی ہوئی اور نہ ادب کی حد سے بڑھی۔ حبیب کریم ﷺ سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ فرمایا رَاَیْتُ نُوْرًا یعنی میں نے اللہ کو دیکھا ہے وہ نور ہے (مسلم، المستند صفحہ ۶۳)۔ حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس میں کون سی تعجب کی بات ہے کہ خلیل ہونا ابراہیم کا حصہ ہو، کلام موسیٰ کا حصہ ہو اور اللہ کو دیکھنا محمد ﷺ کا حصہ ہو (مستدرک حاکم، المستند صفحہ ۶۳)۔ حضرت امام احمد بن

حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابن عباس کی حدیث پر مجھے اتنا اعتماد ہے کہ میں کہتا ہوں حضور نے اللہ کو دیکھا ہے، دیکھا ہے، دیکھا ہے، دیکھا ہے، دیکھا ہے۔ آپ مسلسل دیکھا ہے دیکھا ہے کہتے رہے حتیٰ کہ آپ کی سانس ٹوٹ گئی (الشفاء جلد ۱ صفحہ ۱۲۰، المستند صفحہ ۶۳)۔ اور فَاَوْحٰیٓ اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی کے راز و نیاز ہوئے یعنی اللہ نے اپنے بندے سے باتیں کیں، وہ باتیں جو بھی تھیں۔ فَعَلِمَ بِہٖ مَالَمْ یَکُنْ یَعْلَمُہٗ قَبْلَ ذٰلِکَ یعنی آپ ﷺ نے وہ سب کچھ جان لیا جو آپ اس سے پہلے نہیں جانتے تھے (الیواقیت والجواہر جلد ۲ صفحہ ۳۶۷)۔ اللہ کریم جل شانہٗ نے اپنے حبیب کریم ﷺ سے پوچھا یَا مُحَمَّدُ بِمَ اُشَرِّفُکَ؟ یعنی اے محمد میں آپ کو کون سا شرف بخشوں۔ آپ ﷺ نے عرض کیا رَبِّ بِاَنْ تَنْسِبَنِیْ اِلٰی نَفْسِکَ بِالْعُبُوْدِیَّۃِ یعنی اے میرے رب مجھے اپنا بندہ کہہ دے۔ اسی کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ کے الفاظ نازل فرمائے (تفسیر کبیر جلد ۷ صفحہ ۲۹۲، خازن جلد ۳ صفحہ ۱۵۳)۔ اس قدر انتہائی بلندیوں پر پہنچنے کے باوجود اپنے لیے عبد کا لفظ پسند فرمانا حبیب کریم ﷺ کی تواضع کی انتہا ہے اور اس میں اُمت کے لیے عاجزی کا سبق موجود ہے اور نبی کریم ﷺ کو معبود نہ سمجھنے کی تعلیم موجود ہے (قرطبی جلد ۱۰ صفحہ ۱۸۱)۔ قرآن مجید معراج شریف کی تفصیلات کی یوں منظر کشی فرماتا ہے۔

"نبی کریم ﷺ کو تعلیم دینے والا خود اللہ ہے جو شدید قوتوں والا ہے۔ اس زبردست ذات نے اپنے حبیب کی خاطر اہتمام کیا۔ محمد کریم ﷺ دائرۂ امکان کی بلند ترین چوٹی پر تھے۔ اللہ ان سے قریب اور مزید قریب ہوا۔ حتیٰ کہ محمد ﷺ اپنے رب سے دو کمان یا اس سے بھی کم فاصلے پر آ گئے۔ یہاں رب نے اپنے پیارے بندے سے راز و نیاز کی باتیں کیں۔ جو کچھ آنکھ نے دیکھا، دل نے اس کی تصدیق کی۔ اے لوگو! میرا محبوب تو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آیا ہے اور تم ہو کہ محض وہم و گمان اور اندازوں کی بنا پر اس سے جھگڑتے ہو؟ ایک مرتبہ تو کجا اس نے تو وہ نظارہ دوسری مرتبہ بھی دیکھا ہے اور ضرور دیکھا ہے۔ سدرۃ المنتہٰی کے قریب دیکھا ہے اور ادھر ہی جنت الماویٰ بھی موجود ہے۔ صورت حال یہ تھی کہ سدرہ کو انوارات و تجلیات نے ڈھانپ لیا تھا۔ مگر یہ محمد ﷺ کی

نگاہوں کی ہمت ہے کہ اس طرح ڈٹ کر دیکھا کہ آنکھ بھی نہیں جھپکی اور ڈٹ کر دیکھنے کے باوجود آنکھ بے ادب بھی نہیں ہوئی۔ اسکے علاوہ انہوں نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں" (تفسیری ترجمہ سورۃ النجم آیت ۵تا۱۸)۔

اسی دوران پچاس نمازیں فرض ہوئیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے توسط سے پانچ تک کم ہوگئیں۔

آسمانوں کی سیر ہوئی۔ حکومت سماوی کا مشاہدہ ہوا۔ جنت اور دوزخ کے مناظر دیکھنے میں آئے۔ آپ ﷺ جنت کے اندر بھی تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے حضرت بلال ؓ سے فرمایا کہ آپ کون سا بہترین عمل کرتے ہیں جس کی برکت سے اللہ کریم نے آپ کو یہ مقام بخشا ہے کہ میں نے جنت میں اپنے آگے آگے آپ کے جوتوں کی آواز سنی ہے (فَإِنِّي سَمِعْتُ دَفَّ نَعْلَيْكَ بَيْنَ يَدَيَّ فِي الْجَنَّةِ) انہوں نے عرض کیا میں جب بھی تازہ وضو کرتا ہوں تو دو رکعت نماز نفل پڑھتا ہوں (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۱۱۶، المستند صفحہ ۱۴۸)۔ پھر اس طویل سفر کا اختتام ہوا۔ آپ ﷺ اسی براق پر صبح کی روشنی سے پہلے پہلے واپس مکہ شریف میں تشریف لے آئے (تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۲۶)۔ مگر زمین پر ابھی تک وہی رات طاری تھی۔

آپ ﷺ جب اسمائے الٰہیہ کے حضور سے گزرے تھے تو انہی اسماء کے اوصاف سے متصف ہوگئے۔ اسم رحیم سے گزرے تو رحیم ہوگئے، اسم غفور سے گزرے تو غفور ہوگئے، اسم کریم سے گزرے تو کریم ہوگئے، اسم حلیم سے گزرے تو حلیم ہوگئے، اسم شکور سے گزرے تو شکور ہوگئے حتیٰ کہ جب معراج سے واپس تشریف لائے تو کمال کی انتہا تک پہنچ چکے تھے (الیواقیت والجواہر جلد ۲ صفحہ ۳۶۸)۔

حبیب کریم ﷺ نے جب یہ واقعہ بیان فرمایا تو قریش نے اس کا انکار کیا اور ثبوت کے طور پر بیت المقدس کی اشیاء اور ان کی نشانیاں پوچھنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو آپ ﷺ کے سامنے کر دیا۔ کفار ایک ایک نشانی کے بارے میں پوچھتے جا رہے تھے اور آپ ﷺ بیت المقدس کو دیکھ دیکھ کر جواب دیے جا رہے تھے (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۵۳۰)۔

اس کے بعد کفار نے کہا کہ اچھا اب کوئی راستے کا واقعہ سنائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا راستے میں روحا کے مقام پر مجھے ایک تجارتی قافلہ ملا جن کی اونٹنی گم ہو چکی تھی، وہ اس اونٹنی کی تلاش میں گئے ہوئے تھے۔ ان کی غیر موجودگی میں پانی کا ایک پیالہ بھرا رکھا تھا جسے میں نے پی لیا۔ جب ان کی اونٹنی انہیں مل گئی تو وہ واپس اپنے ٹھکانے پر آ گئے۔ جب وہ مکہ پہنچیں تو ان سے یہ ساری باتیں پوچھ لینا اور ان سے پوچھنا کہ جس پیالے کو تم بھرا ہوا چھوڑ کر گئے تھے واپسی پر وہ خالی تھا کہ نہیں؟ (طبرانی، بغوی جلد۳ صفحہ ۹۶، زرقانی جلد۶ صفحہ ۱۲۶)۔

آپ ﷺ نے ایک اور قافلے کے بارے میں بتایا کہ وہ قافلہ بنی فلاں کا ہے، ایک خاکی رنگ کا اونٹ سب سے آگے ہو گا جس پر دو بورے لدے ہوئے ہوں گے اور وہ صبح کے وقت مکہ پہنچ جائے گا۔ صبح تک لوگ منتظر رہے ایک شخص نے کہا وہ سورج نکل آیا، دوسرے نے فوراً کہا وہ قافلہ آن پہنچا۔ ولید بن مغیرہ نے یہ سب کچھ دیکھ کر کہا کہ یہ جادو ہے (بغوی جلد۳ صفحہ ۹۷، زرقانی جلد۶ صفحہ ۱۲۶)۔

آپ ﷺ نے ایک نشانی یہ بھی بتلائی کہ فلاں تجارتی قافلہ جو شام سے آ رہا ہے، بدھ کے دن سورج ڈوبنے سے پہلے پہلے پہنچ جائے گا۔ جب بدھ کا دن ہوا تو سورج غروب ہونے لگا مگر قافلہ ابھی تک نہیں پہنچا تھا۔ آپ ﷺ نے دعا فرمائی تو اللہ کریم نے سورج کو روک دیا حتیٰ کہ آپ کے فرمان کے مطابق غروبِ آفتاب سے پہلے پہلے قافلہ پہنچ گیا (بیہقی، زرقانی جلد۶ صفحہ ۱۲۶)۔

بعض کفار نے ابوبکر صدیق ؓ سے کہا کہ تمہارا دوست کہتا ہے کہ میں راتوں رات بیت المقدس سے ہو کر آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا کیا واقعی میرے یار نے یہ بات کہی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ فرمایا اگر میرے یار نے ایسا کہا ہے تو سچ کہا ہے۔ انہوں نے کہا کیا تم اس بات کی تصدیق کرتے ہو کہ وہ راتوں رات بیت المقدس گیا اور صبح سے پہلے پہلے واپس بھی آ گیا؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ میں اس سے بھی بڑی بڑی باتوں کی تصدیق کرتا ہوں۔ وہ صبح شام مجھے آسمان کی خبریں دیتا ہے اور میں اس کی تصدیق کرتا رہتا ہوں۔ اس کے بعد ابوبکر کا لقب صدیق پڑ گیا (مستدرک حاکم جلد۳ صفحہ ۲۹۲، المستند صفحہ ۲۵)۔

اللہ کریم جل شانہ نے کفار کے اعتراضات کا رد ان الفاظ سے فرمایا ہے کہ وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى یعنی قسم ہے روشن ستارے (وجودِ محمدی) کی جب وہ معراج کے بعد زمین پر اُترے۔ تمہارے آقا نہ گمراہ ہوئے اور نہ بے راہ چلے اور وہ اپنی خواہش سے بات نہیں کرتے، جو کچھ فرماتے ہیں وہ وحی ہے جو اللہ کی طرف سے کی جاتی ہے (النجم ۱تا۴)۔

واقعہ معراج اختصار سے آپ نے پڑھا۔ اسے کتبِ احادیث سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس کا زیادہ تر حصہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے لیا گیا ہے جو مشکوٰۃ صفحہ ۵۲۷، ۵۲۸ پر بھی درج ہے۔

نکات

۱۔ اتنے طویل سفر کے ایک ہی رات میں طے ہو جانے کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ کائنات کی روح ہیں۔ جب روح نکل گئی تو وقت بے جان ہو گیا۔ مرورِ زماں تھم گیا۔ اور جب روح واپس آئی تو قصۂ زیست پھر سے بحال ہو گیا۔

۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھنا حیاتِ انبیاء علیہم السلام کی دلیل ہے۔

۳۔ بُراق کا لفظ بَرق سے بنا ہے۔ بَرق کا معنی بجلی ہے اور بجلی کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہے (تیس کروڑ میٹر فی سیکنڈ)۔ اتنی تیز رفتاری سے گزرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ بھی لینا، پہچان بھی لینا اور یہ بھی جان لینا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں، نبی کریم ﷺ کے روحانی کمالات کا آئینہ دار ہے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مسجدِ اقصیٰ میں حضور ﷺ سے پہلے موجود ہونا اور آسمان پر بھی تمام انبیاء کا حضور سے پہلے پہنچ کر استقبال کرنا روح کی محیرالعقول رفتار کی دلیل ہے۔ سرکارِ دوعالم ﷺ کا فضا میں پرواز کر جانا اور سات آسمانوں کو چیرتے ہوئے عرش تک پہنچ جانا آپ ﷺ کی عظمت کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ اسلام ایک سائینٹفک مذہب ہے۔ فلسفۂ قدیم اجرامِ فلکیہ کو کراس کرنا محال سمجھتا ہے اور فلسفہ قدیم وجدید دونوں زمین کے گرد کرۂ زمہریر یا کرۂ ناری کو کراس کرنا ناممکن سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ محبوب کریم ﷺ کی جسمانی معراج کو ناممکن

سمجھتے رہے مگر دورِ جدید کی سائنس کی تائید اور اگر انسان واقعی چاند تک پہنچ چکا ہے تو یہ فلسفہ قدیم و جدید کے باطل ہونے کا سائنسی ثبوت ہے۔ قصیدہ بُردہ میں ہے۔

وَ اَنۡتَ تَخۡتَرِقُ السَّبۡعَ الطِّبَاقَ بِهِمۡ

فِيۡ مَوۡكَبٍ كُنۡتَ فِيۡهِ صَاحِبَ الۡعَلَمِ

ترجمہ:۔ آپ آسمان کے ساتوں طبقات میں شگاف کرتے چلے گئے جیسے آپ کسی لشکر کی قیادت فرما رہے ہوں اور جھنڈا آپ کے ہاتھ میں ہو۔

۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نمازیں معاف کرانا۔ اہلِ قبور سے مدد لینے کے جواز کی دلیل ہے۔

۵۔ نعلین سمیت اور لباس سمیت عرش پر چلے جانا اس بات کی دلیل ہے کہ جو چیز حضور ﷺ کے جسم مبارک سے نسبت اور مَس حاصل کر لے وہ دنیا کی تمام اشیاء سے افضل و مشرف ہے۔ اس پر اُمت کا اجماع ہے کہ آج جو جگہ نبی کریم ﷺ کے جسم اطہر سے چھو رہی ہے وہ عرشِ عظیم سے افضل ہے۔

تنبیہ

ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی اور فَاَوۡحٰیٓ اِلٰی عَبۡدِهٖ کی تفسیر بخاری اور مسلم میں اِس طرح بیان ہوئی ہے کہ وَدَنَا الۡجَبَّارُ رَبُّ الۡعِزَّةِ فَتَدَلّٰی حَتّٰی كَانَ مِنۡهُ قَابَ قَوۡسَيۡنِ اَوۡ اَدۡنٰی فَاَوۡحَی اللّٰهُ اِلَيۡهِ یعنی اللہ ربُّ العزت اپنے حبیب کے قریب ہوا اور مزید قریب ہوا یہاں تک کہ ربُّ العزت حضور ﷺ سے دو کمان یا اس سے بھی زیادہ قریب ہو گیا، پھر اللہ نے اُس کی طرف وحی فرمائی (بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۱۲۰)۔ نیز فَاَوۡحٰی کی ضمیر مستتر اگر حضرت جبریل امین علیہ السلام کی طرف لوٹائی جائے اور عَبۡدِهٖ کی ضمیر اللہ کریم کی طرف لوٹائی جائے تو اس سے ضمائر کا انتشار لازم آتا ہے جو کسی کلام میں شدید نقص کا باعث ہے۔ معلوم ہوا کہ مرجع ضمائر ایک ہی ذاتِ خداوندی ہے۔

ثانیاً مَازَاغَ الۡبَصَرُ وَمَا طَغٰی میں دید و مشاہدہ کو اتنے اہتمام سے بیان فرمانا محض سیدنا جبریلِ امین علیہ السلام کے شایانِ شان نہیں۔ یہ تجلیاتِ ذاتِ الٰہیہ ہی کی شان ہو سکتی ہے جن کا مشاہدہ نبی کریم ﷺ فرمائیں اور قرآن اسکی منظر کشی کرے۔

ثالثاً مَا طَغٰی کے معنی ہیں "حد سے نہ بڑھی"۔ جبریلِ امین تو خود درِ مصطفیٰ پر بصد ادب واحترام حاضری دیا کرتے تھے۔ چشمِ مصطفیٰ پر ادبِ جبریل لازم ہی نہیں۔ پھر حد سے بڑھنا یا نہ بڑھنا کیسا؟ یقیناً یہ اللہ پاک کی ذات والاصفات کا مشاہدہ ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے ادب کو ملحوظ رکھا۔

بائیسویں آیت:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ یعنی جو لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے (فتح: ۱۰)۔

اس آیت میں اللہ کریم نے نبی کریم ﷺ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا ہے۔ یہ آپ ﷺ کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ عظیم تعلق اور کامل فنا کی بنا پر ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی یعنی اے حبیب! جب آپ نے کنکریاں پھینکیں تو وہ آپ نے نہیں پھینکیں بلکہ اللہ نے پھینکیں (انفال: ۱۷)۔

حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرے قریب آتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں وہ جن سے سنتا ہے۔ میں اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں وہ جن سے دیکھتا ہے۔ میں اسکے ہاتھ بن جاتا ہوں وہ جن سے پکڑتا ہے۔ میں اسکے پاؤں بن جاتا ہوں وہ جن سے چلتا ہے (بخاری، مشکوٰۃ صفحہ ۱۹۷، المستند صفحہ ۲۲۳)۔

اس لحاظ سے یہ کہنا درست ہوا کہ نبی کریم ﷺ کے ہاتھ اور ولی کامل کے ہاتھ دراصل اللہ کے ہاتھ ہیں۔

مرشد کی ضرورت

اس آیت میں لفظ بیعت استعمال ہوا ہے۔ بیعت کے معنی ہیں بک جانا۔ صحابہ کرام علیہم

الرضوان نبی کریم ﷺ کے دستِ اقدس پر بیعت فرماتے تھے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر چودہ سو صحابہ کرام علیہم الرضوان نے بیعت فرمائی۔ مذکورہ آیت میں اسی واقعہ کا ذکر ہے۔ خواتین بھی آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرتی تھیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے

فَبَایِعْهُنَّ یعنی (اے حبیب) عورتوں کو بیعت کریں (الممتحنہ: ۱۲)۔

نبی کریم ﷺ کے اردگرد صحابہ کرام علیہم الرضوان کی جماعت موجود تھی، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے ہاتھ پر اس بات کی بیعت کرو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناؤ گے، چوری نہیں کرو گے، زنا نہیں کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گے، کسی پر بہتان نہیں لگاؤ گے، نیک کاموں میں نافرمانی نہیں کرو گے۔ جس نے وفا کی اللہ کے ذمے اس کا اجر ہے اور جو غلطی کر بیٹھا، اگر دنیا میں ہی اسے اس کی سزا مل گئی تو وہ اس کے گناہ کا کفارہ بن جائے گی۔ اور اگر کسی نے مذکورہ گناہوں میں سے کسی کا ارتکاب کیا پھر اللہ نے اس کی پردہ پوشی کی تو اب یہ اللہ کی مرضی ہے کہ قیامت کے دن اسے معاف کر دے یا سزا دے۔ ہم نے اس بات پر نبی کریم ﷺ کے دستِ اقدس پر بیعت کی (مسلم، بخاری، المستند صفحہ ۲۳۹)۔

مسلمان ہونے کے باوجود مرشدِ کامل کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ بیعت مسلمان بننے کے لیے نہیں بلکہ اچھا مسلمان بننے اور اخلاق و آداب سیکھنے اور قربِ خداوندی حاصل کرنے کے لیے کی جاتی ہے۔

تیسویں آیت:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ یعنی نبی مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کا مالک ہے۔ اور اسکی بیویاں ان کی مائیں ہیں (احزاب: ۶)۔

مراد یہ ہے کہ دین اور دنیا کے تمام معاملات میں نبی کریم ﷺ کا حق ہماری اپنی خواہشات اور ذاتی ارادوں سے بڑھ کر ہے۔ آپ کا ہر حکم ہر حال میں ہم پر نافذ ہے۔ ہمارے لیے ضروری ہے کہ حضور ﷺ کے فیصلے کے سامنے اپنے خیالات قربان کر دیں۔ نبی کریم ﷺ ہم پر اتنے

رؤف اور عاطف ہیں اور اس قدر ہماری منفعت کیلئے فکر مند ہیں کہ ہم خود بھی اپنے لیے اس قدر فکر مند نہیں۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ فرمایا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ پوری اُمت کے روحانی باپ ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں اور آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات تمام مومنوں کی مائیں ہیں۔ اسی لیے ان سے نکاح کی اجازت نہیں اور ان کی تعظیم کا ہمیں حکم ہے (مدارک جلد ۳ صفحہ ۴۸۳)۔

یہاں اہل بیت اطہار علیہم الرضوان کی شان میں مختصراً لکھ دینا مناسب ہے۔

اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ یعنی اے نبی کی عورتو، تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو (احزاب: ۳۲)۔

ازواجِ مطہرات کا عوام سے بڑھ کر درجۂ خواص پر فائز ہونا اس آیت سے قطعی طور پر ثابت ہے۔ اس کے فوراً بعد والی آیت میں فرمایا: اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا یعنی اے نبی کے اہلِ بیت! اللہ یہی چاہتا ہے کہ ناپاکی آپ کے قریب بھی نہ آئے اور آپکو اسطرح پاک رکھے جس طرح پاکی کا حق ہے (احزاب: ۳۳)۔

اس آیت میں ازواجِ مطہرات علیہن الرضوان کو براہِ راست اہلِ بیت (گھر والیاں) کا خطاب دیا گیا ہے۔ لیکن ان کے ساتھ ساتھ حضور ﷺ کی شہزادی سیدۃ النساء، سیدنا علی المرتضیٰ اور حسنین کریمین علیہم الرضوان سب اہلِ بیت میں شامل ہیں۔ آپ ﷺ کی چار شہزادیاں ہیں۔ حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم، اور سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراء۔ یہ سب نبی کریم ﷺ کی سگی بیٹیاں تھیں جو حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے پیدا ہوئیں رضی اللہ عنہن (سیرت ابن ہشام جلد ا صفحہ ۱۹۰، اصول کافی جلد ا صفحہ ۱۰۸ مطبوعہ ایران/قم)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ کالے بالوں سے بُنی ہوئی چادر اوڑھ کر نکلے، پھر حسن ابن علی تشریف لائے تو آپ نے انہیں چادر میں داخل فرمایا، پھر حسین

تشریف لائے تو انہیں اُن کے ساتھ داخل فرمایا، پھر فاطمہ تشریف لائیں تو انہیں بھی داخل فرمایا، پھر علی تشریف لائے تو انہیں بھی داخل فرمایا، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا (مسلم جلد۲صفحہ۲۸۳، المستند ۲۳)۔
حضرت ام سلمٰی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا میں بھی انکے ساتھ ہوں؟ فرمایا تیری شان اپنی جگہ پر ہے اور تو بھلائی پر ہے (ترمذی جلد۲صفحہ۲۱۹، المستند صفحہ۲۳)۔

حبیبِ کریم ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے دعا مانگی ہے کہ میں اپنی اُمت کے جس شخص کی بھی شادی کراؤں یا خود کسی عورت سے نکاح کروں تو وہ میرے ساتھ جنت میں جائے۔ اللہ نے میری یہ دعا قبول فرمالی (مستدرک حاکم، المستند صفحہ۲۳)۔

حضرت زید ابن ارقم ﷺ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کے بارے میں فرمایا جس نے ان سے جنگ کی اس سے میری جنگ ہے اور جس نے ان سے صلح کی اس سے میری صلح ہے (ترمذی جلد۲صفحہ۲۲۶، المستند صفحہ۲۳)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا اَحِبُّوا اللّٰہَ لِمَا یَغْذُوکُم وَاَحِبُّونِی بِحُبِّ اللّٰہِ وَاَحِبُّوا اَھْلَ بَیْتِی بِحُبِّی یعنی اللہ سے محبت کرو وہ تمہیں رزق دیتا ہے اور اللہ کی خاطر مجھ سے محبت کرو اور میرے اہلِ بیت سے میری خاطر محبت کرو (ترمذی جلد۲صفحہ۲۱۹، المستند صفحہ۲۲)۔

حضرت ابوبکر صدیق ﷺ فرماتے ہیں کہ اُرْقُبُوْا مُحَمَّدًا فِیْ اَھْلِ بَیْتِہٖ یعنی محمد کے اہلِ بیت میں محمد کو دیکھا کرو (بخاری جلد۱صفحہ۵۲۶، المستند صفحہ۲۲)۔

الحمدللہ آج ساداتِ کرام اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ کی تصویر بن کر پوری دنیا میں کثرت سے موجود ہیں۔ حبیبِ کریم ﷺ کی اُمت کو چاہیے کہ ساداتِ کرام زادہم اللہ عزاً وشرفاً کا احترام کریں، لیکن ساداتِ کرام کی خدمت میں مؤدبانہ درخواست ہے کہ وہ خود اپنے احترام کے طلبگار نہ ہوں اور نہ ہی اپنے سیّد ہونے کی وجہ سے آخرت سے بے نیاز ہوں۔ اس موضوع پر ہم اپنی طرف سے کچھ عرض کرنے کی بجائے قرآن، حدیث اور ساداتِ کرام کے اقوالِ طیبات پیش

کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ ہماری حیثیت صرف نوکر اور ناقل کی سی ہے۔

اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ یعنی اے حبیب اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے (الشعراء: ۲۱۴)۔

جس روز یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے قریش، بنی عبد المناف، حضرت عباس بن عبد المطلب، حضرت صفیہ اور سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا خوف دلایا (بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۰۲)۔

اسی آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ ﷺ نے تمام اہلِ بیتِ اطہار کو خصوصاً بلایا اور ہر ایک کو عذابِ الٰہی سے ڈرایا اور خوف دلایا۔ سب سے پہلے آپ نے حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے فرمایا لَا تَتَّكِئِیْ اَنِّیْ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰہِ اِعْمَلِیْ اِعْمَلِیْ اِعْمَلِیْ ''اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک اس پر بھروسہ مت کرنا کہ میں رسول اللہ کی صاحبزادی ہوں، اچھے عمل کرو، اچھے عمل کرو، اچھے عمل کرو'' اس کے بعد امیر المومنین حضرت امام حسن اور امام حسین سے فرمایا کہ اے محمد کے جگر کے ٹکڑو اَلْجَنَّةُ لِلْمُطِیْعِ وَ اِنْ كَانَ عَبْدًا حَبْشِیًّا وَ النَّارُ لِلْعَاصِیْ وَ اِنْ كَانَ سَیِّدًا قُرَیْشِیًّا یعنی جنت فرماں بردار کے لیے ہے خواہ وہ غلام حبشی ہو اور دوزخ نافرمان کے لیے ہے خواہ وہ سیّد قریشی ہو۔ اس کے بعد ازواجِ مطہرات سے فرمایا کہ تمہارے لیے یہی آیت کافی ہے جو تمہارے حق میں نازل ہوئی ہے کہ یَا نِسَآءَ النَّبِیِّ مَنْ یَّاْتِ الایة یعنی اے نبی کی ازواج تم میں سے جو کوئی کھلا ہوا جرم کرے گی، اس پر دوگنا عذاب کیا جائے گا اور یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔ اس پر اہلِ بیت میں خوف کی وجہ سے ایک شور برپا ہو گیا (سبع سنابل صفحہ ۸۸، از حضرت میر سیّد عبد الواحد بلگرامی قدس سرہ الاقدس)۔

حضرت سیّدنا امام جعفر صادق قدس سرہ الاقدس فرماتے ہیں میں ہمیشہ اس بات سے خائف رہتا ہوں کہ کل بروزِ قیامت میرے جدِ کریم ﷺ اس بات پر میری گرفت نہ فرمائیں کہ تم نے میری اتباع کا حق کیوں نہ ادا کیا۔ کیونکہ اتباعِ نبوی ﷺ کا تعلق نہ نسبِ صحیح سے ہے اور نہ نسبتِ قوی

سے، بلکہ اس کا تعلق اطاعت اور فرماں برداری سے ہے (کشف المحجوب صفحہ ۸۳ از حضرت سید علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش قدس سرہ الاقدس)۔

چوبیسویں آیت:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ یعنی تم بہترین اُمت ہو۔ تمہیں لوگوں کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو (آل عمران: ۱۱۰)۔

شانِ صحابہ و خلفائے راشدین علیہم الرضوان

نبی کریم ﷺ تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں اور یہ آپ ﷺ ہی کا فیضِ ہدایت ہے کہ آپ ﷺ کی اُمت تمام اُمتوں سے افضل ہے۔ خَيْرَ أُمَّتٍ (بہترین امت) کے اس لقب سے صحابہ کرام علیہم الرضوان سرِ فہرست نوازے گئے۔ انہیں اس آیت میں براہِ راست خطاب کیا گیا۔

اس آیت کا ایک ایک لفظ صحابہ کرام کی فضیلت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ سب سے پہلے فرمایا كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ تم بہترین امت ہو۔ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کی تعداد ایک دو تین چار نہیں بلکہ اتنی زیادہ ہے کہ اس تعداد پر امت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ معروف یہ ہے کہ صرف حجۃ الوداع کے موقع پر موجود صحابہ کرام علیہم الرضوان کی تعداد ایک لاکھ چودہ ہزار تھی۔ اب اس موقع پر غیر حاضر صحابہ، عورتوں اور بچوں سمیت کل صحابہ کرام کی تعداد کا اندازہ خود فرمالیجیے۔ یہ سارے کے سارے خیر یعنی بہترین لوگ ہیں۔

اس کے بعد فرمایا أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ یعنی تمہیں لوگوں کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ سب اللہ کے پسندیدہ اور دین کی خدمت کے لیے منتخب لوگ تھے۔

اسکے بعد فرمایا تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ یعنی تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام نہ صرف خود نیکی کرتے اور بُرائی سے بچتے

تھے بلکہ لوگوں کو بھی نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے منع کرتے تھے۔

اسکے بعد فرمایا وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ یعنی تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے ایمان پر اللہ تعالیٰ کی تصدیق موجود ہے۔ منافق کسی انسان کو دھوکا دے سکتا ہے۔ مگر دلوں کے بھید جاننے والے خالق و مالک کو ہرگز دھوکا نہیں دے سکتا۔ اور جب وہی ذات کسی کے ایمان کی تصدیق کر دے تو ایمان کی اس سے بڑی گواہی دائرہ امکان سے باہر ہے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان کا باہمی اتفاق و اتحاد بھی انکے بہترین امت ہونے کا مظہر ہے۔ قرآن نے انہیں رُحَمَاءُ بَیْنَهُمْ (آپس میں رحمدل) کا خطاب دیا ہے۔ ان کی ایک زبردست خوبی یہ تھی کہ وہ ہر دوسرے بھائی کو اپنے سے بہتر اور متبرک سمجھتے تھے۔ سیدنا علی المرتضیٰ شیرِ خدا کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنے شہزادوں کے نام تبرکاً ابوبکر، عمر اور عثمان رکھے تھے۔ یہ تینوں شہزادے خوبصورت جوان تھے۔ حضرت عباس شہیدِ کربلہ کے سگے بھائی تھے۔ حضرت سیدنا امام حسین ﷺ کے ہمراہ میدانِ کربلہ میں بہادری کے جوہر دکھاتے ہوئے شہید ہوگئے۔ انکے اسماءِ گرامی تاریخ کی بہت سی کتابوں میں آج بھی درج ہیں (مثلاً جلاء العیون صفحہ ۱۹۸، بہتر تارے صفحہ ۹۸، ۱۰۷، ۱۱۱)۔

قرآن کہیں مہاجرین و انصار اور ان کے پیروکاروں کو اللہ کی رضا کا سرٹیفکیٹ دیتا ہے (توبہ: ۱۰۰)۔ کہیں صلح حدیبیہ کے موقع پر چودہ سو صحابہ کے لشکر کو نبی کریم ﷺ کے دستِ اقدس پر خونِ عثمان ﷺ کا بدلہ لینے کی خاطر بیعت کرنے پر اللہ کی رضا کا اعلان اور ان کے قلبی اخلاص کا پرچار کرتا ہے (فتح: ۱۸)۔ کہیں محمد رسول اللہ کے ساتھی قرار دے کر انہیں کفار پر سخت اور آپس میں رحم دل قرار دیتا ہے (فتح: ۲۹)۔ کہیں ان کے صحیح ایمان اور عمل کی بنا پر ان سے خلافت کا وعدہ کرتا ہے (نور: ۵۵)۔ کہیں کہتا ہے کہ "وہ ایسے مومن ہیں جیسے مومن ہونے کا حق ہے" (انفال: ۷۴)۔ یہ سب سیدِ عالم ﷺ کی نگاہِ اقدس کا فیض ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ کسی ایسے مسلمان کو آگ نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا ہو یا مجھے دیکھنے والے کو دیکھا

ہو(ترمذی جلد۲صفحہ۲۲۶،المستند صفحہ۲۱)۔

حضرت عبداللہ ابن مغفل ﷜ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا،میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔میرے بعد انہیں اپنی تنقید کا نشانہ مت بنانا،جس نے ان سے محبت رکھی تو میرے ساتھ محبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھی اور جس نے اِنکے ساتھ بغض رکھا تو میرے ساتھ بغض کی وجہ سے اِن سے بغض رکھا،جس نے انہیں اذیت دی اُس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے ایذا دی اُس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی اللہ اُس پر ضرور گرفت کرے گا(ترمذی،مشکوٰۃ صفحہ۵۵۴،المستند صفحہ۲۲)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے اپنے بعد اپنے صحابہ کے اختلاف کے بارے میں سوال کیا تو اللہ نے میری طرف وحی فرمائی کہ اے محمد آپ کے صحابی میرے نزدیک آسمان کے ستاروں کی مانند ہیں جو ایک دوسرے سے بڑھ کر مضبوط ہیں اور ہر ایک کی جُداگانہ روشنی ہے،جس کسی نے اِن کے اختلافات میں سے کسی لائن کو بھی اختیار کر لیا تو وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہے۔میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں اِن میں سے جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے(مشکوٰۃ صفحہ۵۵۴،المستند صفحہ۲۳)۔تقریباً یہی حدیث احتجاج طبرسی جلد۲صفحہ۱۰۶ پر بھی موجود ہے۔

محبوب کریم ﷺ نے فرمایا اِذَا رَاَیْتُمُ الَّذِیْنَ یَسُبُّوْنَ اَصْحَابِی فَقُوْلُوْا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلٰی شَرِّکُمْ یعنی جب تم اُن لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو گالیاں دیتے ہیں تو کہو،تمہارے شر پر اللہ کی لعنت ہو(ترمذی،المستند صفحہ۲۲)۔

حضرت جابر ﷜ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:اِنَّ اللّٰهَ اخْتَارَ اَصْحَابِی عَلٰی جَمِیْعِ الْعَالَمِیْنَ سِوَی النَّبِیِّیْنَ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَاخْتَارَ لِی مِنْهُمْ اَرْبَعَةً اَبَابَکْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِیًّا فَجَعَلَهُمْ خَیْرَ اَصْحَابِی وَفِی اَصْحَابِی کُلِّهِمْ خَیْرٌ یعنی اللہ تعالیٰ نے میرے صحابہ کو نبیوں اور رسولوں کے سواہ سارے جہانوں پر ترجیح دیتے ہوئے پسند فرما لیا ہے اور ان میں سے خصوصاً میرے لیے چار صحابہ کو پسند فرمایا ہے،ابوبکر،عمر،عثمان اور علی۔اور

انہیں میرے صحابہ میں سے افضل بنایا ہے، ویسے میرے سارے صحابہ میں بھلائی ہی بھلائی ہے(طبرانی، الشفا جلد۲صفحہ۴۲)۔اس حدیث میں چار کا عدد تصریح کے ساتھ موجود ہے، اسی سے چار یار کی اصطلاح وضع کی گئی ہے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق ہیں، پھر حضرت عمر فاروق، پھر حضرت عثمان غنی اور پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم۔اس موضوع پر ہم اہل بیت اطہار اور خصوصاً سیدنا علی المرتضیٰ ﷛ کے ارشادات ومرویات اور ان کا عقیدہ بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

حضرت مولیٰ علی ﷛ کے شہزادے سیدنا امام محمد بن حنفیہ سے مروی ہے قُلْتُ لِاَبِی اَیُّ النَّاسِ خَیْرٌ بَعْدَ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اَبُو بَکْرٍ، قَالَ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ عُمَرُ یعنی میں نے اپنے والد ماجد علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد سب آدمیوں میں بہتر کون ہے فرمایا ابوبکر، میں نے عرض کیا پھر کون فرمایا عمر رضی اللہ عنہم اجمعین (بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۱۸)۔

سیدنا علی المرتضیٰ ﷛ فرماتے ہیں کہ مجھے اس ذات کی قسم ہے جس نے دانے کو پھاڑ کر پودا نکالا اور ایک ذرے (مالیکیول) سے انسان کو پیدا کیا، اگر رسول اللہ ﷺ نے مجھے خلیفہ مقرر کیا ہوتا تو میں آپ کے فرمان کی خاطر جہاد کرتا۔اگر میرے پاس تلوار نہ ہوتی تو اپنی چادر سے ہی مخالفین پر حملہ کر دیتا اور ابوبکر کو منبر رسول ﷺ کی ایک سیڑھی بھی نہ چڑھنے دیتا۔لیکن آپ ﷺ نے میرے مرتبے اور ابوبکر کے مرتبے کو خوب سمجھ کر فیصلہ دیا اور فرمایا ابوبکر کھڑے ہو جاؤ اور لوگوں کو نماز پڑھاؤ۔آپ نے مجھے نماز پڑھانے کا حکم نہیں دیا، لہٰذا رسول اللہ ﷺ جس شخص کو ہمارا دینی لیڈر بنانے پر راضی ہیں ہم اسے اپنا دنیاوی لیڈر بنانے پر کیوں نہ راضی ہوں (صواعق محرقہ صفحہ ۶۲)۔

حضرت مولیٰ علی ﷛ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابوبکر اور عمر، نبیوں اور رسولوں کے سوا جنت کے تمام بوڑھوں کے سردار ہیں خواہ اگلے ہوں یا پچھلے (ابن ماجہ صفحہ ۱۰)۔

حضرت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں: لَا اَجِدُ اَحَداً فَضَّلَنِیْ عَلٰی اَبِی بَکْرٍ وَ عُمَرَ اِلَّا جَلَّدْتُہٗ حَدَّ الْمُفْتَرِیِّ یعنی میں جسے پاؤں گا کہ مجھے ابوبکر وعمر سے افضل کہتا

ہے۔اسے الزام تراشی کی سزا کے طور پر اسی کوڑے ماروں گا (دارقطنی، صواعق محرقہ صفحہ ۶۰)۔

محدث عبدالرزاق رحمت اللہ علیہ کو سیدنا علی المرتضیٰ ﷺ سے بہت محبت تھی۔ لیکن چونکہ خود مولا علی نے ابوبکر اور عمر کو اپنے سے افضل قرار دیا ہے لہٰذا فرماتے تھے کہ میری اس سے بڑھ کر بدبختی کیا ہوگی کہ علی کی محبت کا دعویٰ بھی کروں اور علی کا کہنا بھی نہ مانوں (صواعق محرقہ صفحہ ۶۲)۔

حضرت سیدنا امام زین العابدین ﷺ سے کسی نے پوچھا کہ مَا كَانَ مَنْزِلَةُ اَبِیْ بَكْرٍ وَعُمَرَ مِنَ النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ مَنْزِلَتُهُمَا السَّاعَةَ وَهُمَا ضَجِيْعَاهُ یعنی ابوبکر اور عمر کا مرتبہ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں کیا تھا؟ فرمایا جو مرتبہ ان کا اَب ہے کہ حضور کے پہلو میں آرام کر رہے ہیں (مسند امام احمد جلد ۴ صفحہ ۹۶)۔

حضور غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے ہیں تمام صحابہ میں سب سے افضل چاروں خلفائے راشدین ہیں ان چاروں میں سب سے پہلے ابوبکر صدیق پھر حضرت عمر، پھر حضرت عثمان اور پھر حضرت علی کو فضیلت حاصل ہے (غنیۃ الطالبین صفحہ ۱۸۲)۔

اس موضوع پر لکھی جانے والی اہم کتابیں مندرجہ ذیل ہیں۔ صواعق محرقہ، سبع سنابل کا پہلا سنبلہ، تحفہ اثنا عشریہ (از: شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمت اللہ علیہ)، آیاتِ بیّنات (از: نواب محسن الملک سید محمد مہدی علی خان رحمت اللہ علیہ)، تحفہ حسینیہ (از: حضرت علامہ شیخ الحدیث ابوالحسنات محمد اشرف سیالوی)، ضربِ حیدری (از: فقیر راقم الحروف)۔

اجماعِ اُمت

اس آیت كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ سے ہی معلوم ہوا کہ اس امت کا اکثریتی اور اجماعی فیصلہ کبھی غلط نہیں ہوسکتا۔ قرآن شریف میں امت کے اجماعی فیصلوں کو سبیل المومنین قرار دیا گیا ہے یعنی مومنوں کا راستہ (النساء: ۱۱۵)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا

۱۔ يَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ یعنی اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۳۹، المستدرک ۹۴)۔

۲۔ عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَإِيَّاكُمْ وَالْفُرْقَةَ فَإِنَّ الشَّيْطٰنَ مَعَ الْوَاحِدِ یعنی ہمیشہ جماعت کے ساتھ رہو۔ اکیلے آدمی کے ساتھ شیطان ہوتا ہے (ترمذی جلد۲ صفحہ ۳۹)۔

۳۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَجْمَعُ اُمَّتِیْ عَلٰی ضَلَالَۃٍ وَیَدُ اللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَۃِ وَمَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ یعنی بے شک اللہ میری اُمت کو گمراہی پر جمع نہیں کریگا۔ اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے جس نے جماعت کو چھوڑا اسے آگ میں ڈالا جائے گا (ترمذی جلد۲ صفحہ ۳۹، مشکوٰۃ ۳۰، المستند ۹۴)۔

۴۔ اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّہٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ یعنی ہمیشہ بڑے گروہ کی پیروی کرو۔ جس نے بڑے گروہ کو چھوڑا اسے آگ میں ڈالا جائے گا (ابن ماجہ، مشکوٰۃ ۳۰، المستند ۹۴)۔

۵۔ اِنَّ اُمَّتِیْ لَا تَجْتَمِعُ عَلٰی ضَلَالَۃٍ فَاِذَا رَاَیْتُمُ الْاِخْتِلَافَ فَعَلَیْکُمْ بِالسَّوَادِ الْاَعْظَمِ یعنی میری اُمت کبھی بھی گمراہی پر متفق نہیں ہوگی جب تم اختلاف دیکھو تو بڑے گروہ کے ساتھ ہو جاؤ (ابن ماجہ صفحہ ۲۸۳، المستند صفحہ ۹۴)۔

۶۔ میں قیامت کے دن اپنی اُمت کی اکثریت پر فخر کروں گا (ابوداؤد، نسائی، مشکوٰۃ صفحہ ۲۶۷)۔

قیامت کے دن سو صفوں میں سے اسی صفیں امت محمدیہ کی ہوں گی (مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۴۰۷)۔

سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں: ''میرے بارے میں دو طرح کے لوگ ہلاک ہو جائیں گے۔ ایک حد سے زیادہ محبت کرنے والا جسے یہ محبت حق سے دور لے جائے گی۔ اور دوسرا مجھ سے بغض رکھنے والا جسے یہ بغض حق سے دور لے جائے گا۔ میرے بارے میں درمیانی راہ پر چلنے والے ہی صحیح ہوں گے۔ ہمیشہ بڑے گروہ کی پیروی کرو۔ بے شک اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔ تفرقہ بازی سے ہمیشہ بچو۔ جماعت سے الگ ہونے والا شیطان کا شکار بن جاتا ہے جس طرح اکیلی بکری ریوڑ سے بچھڑ کر بھیڑیے کا شکار بن جاتی ہے (نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۱۲۷ مطبوعہ ایران/قم)۔

سیدنا امام جعفر صادق ﷺ سے منقول ہے خُذُوْا بِالْمُجْمَعِ عَلَیْہِ فَاِنَّ الْمُجْمَعَ عَلَیْہِ لَا رَیْبَ فِیْہِ یعنی جس مسئلے پر اجماع ہو اسے تھام لو، اجماعی مسئلہ میں کوئی شک نہیں

ہوتا (مقدمہ اصول کافی صفحہ۲)۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

اسی آیت کُنتُم خَیرَ اُمَّۃٍ کے الفاظ تَأمُرُونَ بِالمَعرُوفِ وَتَنھَونَ عَنِ المُنکَرِ سے معلوم ہوا کہ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا اس امت کا طرۂ امتیاز ہے۔

پورا قرآن مجید مختلف قسم کے اوامر اور نواہی سے لبریز ہے۔ اور خصوصاً اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو فریضہ امر ونہی کی ادائیگی کا حکم ان الفاظ سے ہوا ہے۔

وَلتَکُن مِّنکُم اُمَّۃٌ یَّدعُونَ اِلَی الخَیرِ وَیَأمُرُونَ بِالمَعرُوفِ وَیَنھَونَ عَنِ المُنکَرِ یعنی تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے جو اسلام کی طرف دعوت دے۔ نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کرے (آل عمران:۱۰۴)۔

اسی طرح حدیث شریف کا تمام ذخیرہ بھی قرآن مجید ہی کے اوامر ونواہی کی تفصیل ہے۔

محبوب کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم میں جو بھی برائی کو ہوتا ہوا دیکھے اسے چاہیے کہ ہاتھ سے روکے۔ اگر ہاتھ سے روکنے کی ہمت نہیں رکھتا تو پھر زبان سے روکے۔ اور اگر زبان سے روکنے کی بھی ہمت نہیں رکھتا تو پھر کم از کم دل میں برا جانے۔ یہ ضعیف ترین ایمان ہے (مسلم جلد۱ صفحہ۵۱، ابوداؤد جلد۲ صفحہ۲۴۸، ترمذی جلد۲ صفحہ۴۰، ابن ماجہ ۲۹۰، مشکوٰۃ ۴۳۶، المستند ۱۰۲)۔

حدیث کی کتابوں میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر، دعوت، وعظ اور نصیحت کے ناموں سے مستقل ابواب موجود ہیں مثلاً بخاری جلد۱ صفحہ۱۶، مسلم جلد۱ صفحہ۵۱، ابوداؤد جلد۲ صفحہ۲۴۰، ترمذی جلد۲ صفحہ۳۹، ابن ماجہ صفحہ۲۸۹، مشکوٰۃ صفحہ۴۳۶، المستند صفحہ۱۰۲ پر مذکورہ ابواب موجود ہیں۔

کتب فقہ کی کتاب الحظر والاباحہ میں امر ونہی پر مستقل بحث ہوا کرتی ہے۔

حضرت امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ (م ۳۷۰ھ) نے اپنی تفسیر احکام القرآن جلد۲ صفحہ۴۸۶ پر، حضرت امام نووی رحمہ اللہ (م ۶۷۶ھ) نے شرح مسلم جلد۱ صفحہ۵۱ پر اور حضرت مُلّا احمد جیون (م ۱۱۳۰ھ) نے اپنی کتاب تفسیرات احمدیہ صفحہ۲۰۹ پر لکھا ہے کہ امر ونہی کے وجوب پر

پوری اُمت کا اجماع اور اتفاق ہے۔

ترکِ امر و نواہی کا وبال

اللہ کی لعنت: قرآنِ مجید میں اللہ جل مجدہٗ نے یہودیوں پر لعنت فرمائی ہے۔ محض اس وجہ سے کہ انہوں نے لوگوں کو برائی سے منع کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ یعنی اللہ نے داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبانی بنی اسرائیل پر لعنت بھیجی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ نافرمان تھے اور حد سے بڑھ گئے تھے۔ وہ بُرائی کرنے والوں کو بُرائی سے روکتے نہیں تھے۔ اور یہ بہت بری حرکت تھی (المائدہ:۷۸،۷۹)۔

اس آیت کی تفسیر میں خود محبوب کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بنی اسرائیل نافرمان ہوئے تو ان کے علماء نے انہیں منع کیا، لیکن وہ باز نہ آئے۔ اس کے بعد ان کے علماء نے ان سے میل جول رکھنا اور اکٹھے کھانا پینا شروع کر دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے نافرمانوں کی نحوست سب کے دلوں پر ڈال دی اور ان پر لعنت فرمائی (مشکوٰۃ صفحہ ۴۳۸)۔

معلوم ہوا کہ نافرمانوں کی اصلاح کے لیے کوشش جاری رکھنا ضروری ہے۔ صرف وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ کہہ کر صلح کلی کر لینے کی اجازت نہیں۔

عذابِ الٰہی: محبوب کریم ﷺ نے فرمایا اَوْحَى اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِلٰى جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنِ اقْلِبْ مَدِيْنَةَ كَذَا وَكَذَا بِاَهْلِهَا فَقَالَ يَا رَبِّ اِنَّ فِيْهِمْ عَبْدَكَ فُلَانًا لَمْ يَعْصِكَ طَرْفَةَ عَيْنٍ قَالَ فَقَالَ اَقْلِبْهَا عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ فَاِنَّ وَجْهَهٗ لَمْ يَتَمَعَّرْ فِيَّ سَاعَةً قَطُّ یعنی اللہ عزوجل نے جبریل علیہ السلام کو حکم دیا کہ فلاں فلاں شہر کو تباہ کر دو۔ انہوں نے عرض کیا یارب ان لوگوں میں تیرا ایک بندہ بھی ہے جس نے آنکھ جھپکنے کی دیر بھی آپ کی نافرمانی

نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس سمیت سب کو تباہ کردو۔ اس نے لوگوں کو کبھی بُرائی سے نہیں روکا (مشکوٰۃ صفحہ ۴۳۹)۔

اس حدیث میں عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ کے الفاظ قابلِ غور ہیں۔ مراد یہ ہے اللہ عزوجل نے امر و نہی نہ کرنے والے نیک آدمی کو عذاب دینے میں سب سے پہلے رکھا۔ باقی لوگوں کا ذکر بعد میں فرمایا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ مطیع اور نافرمان کی مثال ایسی ہے جیسے دو منزلہ جہاز میں لوگ سوار ہوں۔ نیچے کی منزل والے پانی لینے کے لیے اوپر جایا کرتے ہوں۔ یہ سوچ کر کہ بار بار اوپر جانے سے اوپر والے تنگ نہ آجائیں، انہوں نے نیچے سے جہاز میں سوراخ کردیا تاکہ پانی حاصل کرسکیں۔ اوپر والوں نے یہ سوچ کر انہیں منع نہ کیا کہ ہمیں کسی سے کیا غرض؟ تو اس صورت میں پورا جہاز ڈوب جائے گا اور دونوں فریق غرق ہوجائیں گے اور اگر اوپر والوں نے اس حرکت سے منع کیا تو جہاز نہیں ڈوبے گا اور دونوں فریق ہلاکت سے بچ جائیں گے (رواہ البخاری والترمذی، مشکوٰۃ صفحہ ۴۳۶)۔

یہی معنی قرآن مجید کی اس آیت کے بھی ہیں:

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً یعنی کہ اس عذاب سے ڈرو جو تم میں سے صرف نافرمانوں کو ہی نہ پہنچے گا (بلکہ ان کے ساتھ نیک لوگ بھی اس کی لپیٹ میں آجائیں گے) (انفال:۲۵)۔

پھر دُعائیں قبول نہیں ہوں گی: محبوب کریم ﷺ نے فرمایا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ اَوْ لَيُوْشِكَنَّ اللّٰهُ اَنْ يُّنْزِلَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْهُ فَتَدْعُوْنَ فَلَا يُسْتَجِيْبُ لَكُمْ یعنی اللہ کی قسم تمہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا پڑے گا۔ ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر عذاب نازل کردے پھر تم دعائیں مانگو گے مگر وہ قبول نہیں ہوں گی (ترمذی، مشکوٰۃ صفحہ ۴۳۶)۔

اس حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ دو کاموں میں سے ایک کام ہو کر رہے گا۔ یا تو تم

امر ونہی کرو گے یا پھر تمہارے رب کی طرف سے عذاب نازل ہوگا۔ پھر عذاب نازل ہونے کے بعد تم اللہ سے دعائیں مانگو گے تو وہ قبول نہیں ہوں گی۔

بزاز اور طبرانی کے الفاظ یہ ہیں کہ تم امر ونہی نہیں کرو گے تو اللہ تمہارے اوپر شریر حکمران مسلط کردے گا۔ پھر تمہارے نیک لوگ دعائیں مانگیں گے مگر وہ قبول نہیں ہوں گی (مرقاۃ جلد ۹ صفحہ ۳۳۲)۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث بھی نقل فرمائی ہے کہ اگر تم امر ونہی نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر شرارتی لوگوں کو حاکم بنا دے گا پھر وہ تمہیں شدید تکلیف دیں گے۔ پھر تمہارے نیک لوگ دعا کریں گے مگر ان کی دعائیں قبول نہیں ہوں گی (مرقاۃ جلد ۹ صفحہ ۳۳۲)۔

یہاں تک جو کچھ عرض کیا جا چکا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

۱۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس اُمت پر فرض ہے۔

۲۔ امر ونہی کے ترک کردینے والوں پر عذاب نازل ہوتا ہے۔ اور ان پر ظالم حکمران مسلط ہو جاتے ہیں پھر انکی دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔

امر ونہی کرنے والوں کے مختلف طبقات

امر ونہی کا فریضہ ایک نہایت نازک فریضہ ہے۔ یہ ہر آدمی کے بس کا کام نہیں۔ غلط دوا تجویز کردینے کی وجہ سے قدم قدم پر روحانی مریض کی موت کا خطرہ ہے۔ اس کام کی نزاکت کے پیشِ نظر یہاں قدرے تفصیل سے عرض کیا جاتا ہے کہ کون سا کام کس شخص کی ذمہ داری ہے اور کس شخص پر لازم ہے کہ وہ کس معاملے میں خاموش رہے۔

۱۔ خروج وانقلاب: یہ اربابِ حل وعقد کا کام ہے۔ سربراہِ مملکت کے قابلِ عزل ہو جانے کے بعد اہلِ علم آپس میں رابطہ اور ساز باز کریں اور حکمران کو ہٹانے کے لیے باہمی مشورے کے ساتھ مناسب اقدام اٹھانے کا فیصلہ کریں۔ یہ اہلِ حل وعقد اور ان کے ساتھیوں کے لیے عزیمت ہے۔

اِذَا اُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ (بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۱۵) اور مَنْ رَایٰ

مِنۡکُمۡ مُنۡکَراً سے ثابت ہے۔اس کے لیے حاکم کا قابل عزل ہونا، انقلابیوں میں اہلیت کا ہونا اور پہلے سے بھی بڑے فتنے کا اندیشہ نہ ہونا شرط ہے۔جونہایت نازک مسائل ہیں۔

امام اعظم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ اکیلے آدمی کا کام نہیں۔اسے انبیاء نے بھی اس وقت تک ہاتھ نہیں ڈالا جب تک انہیں اللہ کی طرف سے اس کا حکم نہیں ملا (احکام القرآن جلد۲صفحہ۳۳)۔

۲۔حدود وتعزیرات کا اجراء اور اقامۃ الصلوٰۃ: یہ سرکاری سطح کا کام ہے۔حکومت پر فرضِ عین ہے۔اِنۡ مَّکَّنّٰھُمۡ فِی الۡاَرۡضِ (الحج:۴۱) اور اَنۡ تَحۡکُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ (النساء:۵۸) سے ثابت ہے۔

۳۔جہاد بالسّیف: جہاد فرضِ کفایہ ہے اسکی فرضیت کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الۡقِتَالُ (البقرۃ:۲۱۶) وغیرہ سے ثابت ہے اور اس کا کفایہ ہونا لَا یَسۡتَوِی الۡقَاعِدُوۡنَ (اِلیٰ قَوۡلِہٖ تَعَالیٰ) کُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الۡحُسۡنیٰ (النساء:۹۵) سے ثابت ہے۔

جہاد ایک خاص مقصد کے حصول کے لیے کیا جاتا ہے۔جتنے لوگوں سے وہ مقصد حاصل ہو جائے۔انہی پر جہاد فرض ہے اور ان لوگوں کو جہاد کا حکم خود حکومت دے گی۔یہی وجہ ہے کہ دشمنوں کے ہجوم اور اندھا دھند چڑھائی کے وقت تمام مردوں اور عورتوں پر جہاد فرضِ عین ہو جاتا ہے۔(یہ نفیر عام کی صورت کہلاتی ہے)۔

جہاد کے لیے ماں باپ کی اجازت ضروری ہے (بخاری جلد۲صفحہ۸۸۲)۔مقروض کے لیے قرض خواہ کی اجازت اور بیوی کے لیے شوہر کی اجازت ضروری ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاد فرضِ کفایہ ہے اور ماں باپ اور شوہر کی خدمت اور قرض کی ادائیگی فرضِ عین ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ماں باپ کی اجازت کے بغیر جہاد پر آنے والے کو واپس بھیج دیا (ابن ماجہ صفحہ۲۰۰، المستند صفحہ۶۶۴)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ شہید کو قرض کے سوا ہر بات کی معافی ہو جاتی ہے (مسلم،

مشکوٰۃ صفحہ ۲۵۲، المستند صفحہ ۲۳۶)۔

نیز زراعت، تجارت، عورتوں اور بچوں اور گھروں کی دیکھ بھال جیسے اہم کاموں کیلئے مردوں کی ایک معقول تعداد کا اپنے اپنے علاقوں اور گھروں میں موجود رہنا عقلاً ونقلاً ضروری ہے۔

قدوری، کنز اور ہدایہ وغیرہ میں ہے کہ اَلْجِہَادُ فَرْضٌ عَلَی الْکِفَایَۃِ۔ جہاد کے فرض کفایہ ہونے پر پوری امت کا اجماع ہے۔ بے شمار احادیث کو سامنے رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جہاد کا درجہ ہر فرضِ عین کے بعد اور تمام نوافل سے اوپر ہے اور ظاہر ہے کہ فرضِ کفایہ کا یہی درجہ ہونا چاہیے۔

احادیث شریفہ میں ذکرِ الٰہی اور نفس کے خلاف جہاد کو جہاد بالسیف سے بہتر قرار دیا گیا ہے اور اسے جہادِ اکبر کا نام دیا گیا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ نفس ہر بُرائی اور کفر کی طرف مائل ہے حتیٰ کہ جہاد بالسیف سے بھی روکتا ہے، تو سب سے پہلے تو اس اندر کے موذی کو قتل کرنا پڑے گا۔ جس کی اصلاح پر جہاد بالسیف کا دارومدار ہے۔ ورنہ سارے کام دھرے کے دھرے رہ جائیں گے وَھُوَ کُرْہٌ لَّکُم میں اسی امر کی طرف اشارہ ہے۔

ایک غزوہ میں ایک شخص نے کفار کے خلاف زبردست جنگ لڑی اور زخمی حالت میں خیمے میں آکر لیٹ گیا مگر اپنے نفس پر قابو نہ رکھ سکا اور زخموں کی تاب نہ لاکر خودکشی کرلی۔ نبی کریم ﷺ نے اس پر فرمایا "اللہ اس دین کی امداد برے آدمی سے بھی کراتا ہے" (بخاری، مشکوٰۃ صفحہ ۵۲۴)۔

میدانِ جہاد میں ایک کافر کے سینے پر سوار شیرِ خدا کرم اللہ وجہہ نے اس کافر کو عین اس وقت چھوڑ دیا جب اس نے آپ ؓ کے چہرۂ اقدس پر تھوک دیا۔ اب ایک طرف جہاد بالسیف تھا اور دوسری طرف جہادِ اکبر۔ آپ ؓ نے کافر کے خلاف جہاد پر نفس کے خلاف جہاد کو ترجیح دی۔

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص اللہ تعالیٰ سے کہے گا کہ میں نے تیری راہ میں جہاد کیا اور اپنی جان قربان کردی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم نے یہ سب کچھ بہادر کہلانے کی غرض سے کیا پھر لوگوں نے تجھے بہادر کہا۔ تم نے جو چاہا وہ تمہیں مل چکا۔ پھر اسے جہنم میں ڈال دیا جائے

گا (مسلم جلد۲ صفحہ ۱۴۰)۔

اسکے برعکس صدقِ دل سے شہادت کی دعا مانگنے والا شہادت کا مرتبہ پائے گا۔ خواہ وہ اپنے بستر پر ہی مرا ہو (مسلم جلد۲ صفحہ ۱۴۱)۔

یاد رکھیے! یہ کوئی ڈھکا چھپا مسئلہ نہیں ہے بلکہ قرآن و سنت اور عقل و انصاف کی روشنی میں پایۂ ثبوت کو پہنچی ہوئی بات ہے کہ "بڑے موذی کو مار انفسِ امّارہ کو گر مارا"۔

یہی وجہ ہے کہ تمام اولیاء کرام جہادِ اکبر کے قتیل ہونے کے سبب سے زندہ ہیں۔ انکی حیات میدانِ جنگ میں مارے جانیوالوں کی حیات سے قوی تر ہے اور بخدا ایسا ہی ہے۔

جنگ کا ضابطہ: جنگ کی غرض و غایت فتنہ کا خاتمہ اور کلمۃ اللہ کی سربلندی ہے حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ (انفال:۳۹) اور لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَاءَ (بخاری، مسلم جلد۲ صفحہ ۱۴۰)۔

اس مقصد کے حصول کے لیے اسلامی حکومت کی سربراہی میں ایک خاص منصوبہ بندی اور طے شدہ ضابطے کے مطابق کفار کے خلاف حتمی کاروائی کا نام جہاد بالسیف یا قتال ہے۔ اس جہاد کی پانچ مختلف صورتیں ہیں۔

(۱)۔ دشمن اگر زبردستی کرے اور چڑھائی کردے تو اپنا دفاع کرنا۔ ایسے جہاد میں طاقت کا زیادہ ہونا ضروری نہیں۔ ہر حال میں دفاع فرض ہے۔ اور کفار کے ہجوم کی صورت میں تمام مردوں اور عورتوں پر فرضِ عین ہے۔ جیسے جنگِ خندق ہوئی تھی۔

(۲)۔ غیر اسلامی مملکت میں پھنسے ہوئے مظلوم مسلمانوں کو آزادی دلانا۔ اس کے لیے طاقت کا ہونا اور مناسب وقت کا انتظار ضروری ہے جیسے فتح مکہ۔

(۳)۔ غیر مسلم اقوام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے اگر اہلِ اسلام خطرہ محسوس کریں تو ان کی طاقت کو بالغ ہونے سے پہلے ہی ختم کر دینا۔ جیسے جنگِ بدر۔

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ خود اسلامی مملکت کے اندر غیر مسلموں کو انسانی حقوق کے نام پر بے جا مراعات دے کر آستین کے سانپ پالنا کتنی بڑی خطا ہے۔

(۴)۔ غیر مسلم ملک میں مختلف ادیان واقوام کے لوگوں کو ظلم وستم سے نجات دلا کر اسلامی نظامِ عدل فراہم کرنا۔ خواہ وہ لوگ بعد میں مسلمان ہو جائیں یا نہ ہوں۔ ان پر زبردستی نہیں کی جائے گی۔ اس کے لیے بھی طاقت کا ہونا ضروری ہے۔ جیسے فتح اندلس۔

(۵)۔ اگر اہل اسلام اس پوزیشن میں ہوں تو کسی دوسری وجہ کے بغیر صرف اسلام کو پھیلانے کے لیے غیر مسلم حکمرانوں کو خطوط لکھے جائیں۔ اگر وہ اسلام کو قبول کرلیں تو ٹھیک ورنہ انہیں جزیہ دینے اور ماتحت ہو جانے کو کہا جائے اس لیے کہ دین میں زبردستی نہیں ہے۔ یہیں پر آیت لَا اِکْـرَاہَ فِـیْ الدِّیْن صحیح طور پر فٹ بیٹھی ہے۔ لیکن اگر وہ اس کے لیے بھی تیار نہ ہوں تو ان کے خلاف باقاعدہ جنگ لڑی جائے۔ اسلام کے علاوہ تمام ادیان فتنہ ہیں اور اللہ کریم فرماتا ہے کہ فتنہ قتل سے بھی بدتر ہے (البقرۃ:۱۹۱)۔

فتنے کو ختم کرنا ایسا ہی ہے جیسے سانپ، بچھو اور پاگل کتے کو مار دینا۔ جہاد میں عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو مارنا اسی لیے منع ہے کہ یہ فتنہ نہیں پھیلا سکتے۔ لیکن اگر عورت کفار کی حکمران ہو تو اسے مارنا جائز ہے اس لیے کہ اب وہ فتنہ پھیلا رہی ہے۔

ایسے جہاد کے لیے بھی افرادی اور بارودی طاقت کا کفار کے مقابلے پر زیادہ ہونا اور محتاط اندازے کے مطابق فتح کا یقینی ہونا ضروری ہے۔ ورنہ عین اندیشہ ہے کہ یہ خودکشی کے مترادف نہ ہو جائے۔

حضرت خالد بن ولید ﷺ نے فارس کے لشکر کے امیر کے نام جو خط لکھا اسے پڑھیے اور اپنا ایمان تازہ کیجیے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مِنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيْدِ اِلٰى رُسْتَمَ وَ مِهْرَانَ فِيْ مَلَأ فَارِسٍ سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى اَمَّا بَعْدُ

ہم تمہیں اسلام کی دعوت دیتے ہیں اگر تم انکار کرو تو پھر جزیہ ادا کرو اور ہمارے ماتحت

ہو کر رہنا قبول کرلو۔ اور اگر اس سے بھی انکار کرو گے تو پھر سن لو کہ میرے ہمراہ ایسی قوم ہے جنہیں اللہ کی راہ میں مرنا اتنا محبوب ہے جتنی اہل فارس کو شراب محبوب ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی

(مشکوۃ صفحہ ۳۴۲، المستند صفحہ ۲۳۵)۔

جہاد کا اسلامی حکومت کی سربراہی میں ہونا ضروری ہے اگر حکومت اسلامی نظام سے غافل اور جہاد میں تساہل ہو تو اسے خطوط اور وفود کے ذریعے اس امر پر آمادہ کیا جائے اور جہاد ان قواعد و ضوابط کے مطابق کیا جائے جن کی تفصیل اسلام نے فراہم کردی ہے۔ کوئی ایسا قدم نہ اٹھایا جائے جس سے فتنہ ختم ہونے کی بجائے پہلے سے بھی زیادہ ہو جائے اور کلمۃ اللہ کے بلند ہونے کی بجائے اسلام کی رسوائی ہو۔ جذبات میں آ کر نعرے لگا دینا آسان ہے مگر ہر حکمِ خداوندی کی کماحقہٗ پاسداری ذرا مشکل ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نصیحت کرنے والا خارجی بھی اپنی دانست میں کلمۂ حق کہہ رہا تھا اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے خلاف تلوار اٹھانے والے بھی نعرۂ تکبیر ہی بلند کر رہے تھے۔

جنگ کے دوران کفار پر خودکش حملہ کر دینا جائز ہے اور یہ جنگی تدبیر کا ایک حصہ ہے۔ اسی طرح فضائی فوج میں خودکش سکواڈ (suicide squadron) تیار رکھنا بھی جائز ہے لیکن کسی مسلمان پر یا علماء اور عوام پر خودکش حملہ یا عام قاتلانہ حملہ کر دینا جائز نہیں، خواہ وہ عوام غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوں یا اُن کا تعلق کسی بھی فرقے سے کیوں نہ ہو۔

عوام کے جذبۂ جہاد سے فائدہ اٹھا کر عوام کے ہاتھوں میں براہِ راست اسلحہ دے دینا جائز نہیں۔ قتل کا بدلہ قتل، چوری کی سزا، زانی کی سنگساری اور مرتد کا قتل سب حکومت کے کام ہیں۔ اگر عوام کے لیے کسی کافر یا مرتد کو قتل کرنا جائز ہوتا تو ہم نے منکرینِ ختمِ نبوت کی اینٹ سے اینٹ بجادی ہوتی۔ ملک میں فتنہ پھیل جائے تو اسلحہ پر پابندی لگا دینا جائز ہے۔ وَيُكْرَهُ بَيْعُ السِّلَاحِ فِي أَيَّامِ الْفِتْنَةِ (قدوری صفحہ ۲۳۶)۔

منکرین جہاد کا انجام: حدیث شریف میں ہے کہ جہاد قیامت تک سرسبز و شاداب رہے گا۔ جلد ہی مشرق سے ایک گروہ اٹھے گا جو کہے گا کہ اللہ کی راہ میں جہاد بند ہو چکا ہے وہ لوگ جہنم کا ایندھن ہیں۔ حالانکہ اللہ کی راہ میں ایک دن کا جہاد ہزار غلام آزاد کرنے سے بہتر ہے اور تمام اہل زمین کا صدقہ دینے سے بہتر ہے (کنز العمال جلد ۴ صفحہ ۳۲۸)۔

اس حدیث میں منکرین ختم نبوت کی واضح نشاندہی موجود ہے جن کا مرکز، مدینہ شریف سے سیدھا مشرق میں ہے اور وہ واقعی جہاد کے منکر بھی ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جہاد سرکاری سطح کا کام ہے جسے حکومت حکم دے اس پر فرضِ عین ہے۔ جہاد کی ضرورت اور صورتحال کے مطابق حکومت کم یا زیادہ لوگوں کو حکم دے سکتی ہے۔ نفیرِ عام کی صورت میں تمام مردوں اور عورتوں پر فرضِ عین ہے کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ وغیرہ سے ثابت ہے۔

۴۔ کلام و مناظرہ و تردیدِ باطل: یہ اُمت کی تنظیمی سطح کا کام ہے۔ فرضِ کفایہ ہے۔ وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّةٌ (آل عمران: ۱۰۴) اور وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ سے ثابت ہے۔

۵۔ تفقہ فی الدین اور فقہی راہنمائی: یہ علاقائی، مدنی اور دیہی سطح کا کام ہے۔ یہ بھی فرضِ کفایہ ہے۔ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ کُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْھُمْ طَائِفَةٌ (التوبۃ: ۱۲۲) سے ثابت ہے اس کا تعلق اپنوں کی اصلاح سے ہے۔

۶۔ اپنی رعایا اور اہل و عیال کو امر و نہی: یہ انفرادی سطح کا کام ہے ہر شخص پر فرضِ عین ہے۔ قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا (تحریم: ۶) اور حدیث کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۵۷، المستند صفحہ ۱۰۲) سے اسکی فرضیت ثابت ہے۔ ماں باپ اپنی اولاد کو، افسر اپنے ماتحتوں کو، استاد اپنے شاگردوں کو اور حکومت اپنی رعایا کو امر و نہی کرے۔

۷۔ من وعن ابلاغ: یہ ہر کسی کے لیے مستحب ہے۔ بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَةً سے ثابت ہے۔ اس میں شرط یہ ہے کہ رٹی رٹائی بات آگے کر دی جائے یا مستند کتاب پڑھ کر سنا دی جائے۔

جاہل آدمی کا قرآن کی تفسیر یا حدیث کی شرح بیان کرنا سراسر ناجائز ہے۔ ایسے کام کے لیے عربی دانی، ناسخ و منسوخ وغیرہ کا علم بہت ضروری ہے۔ نبی کریم ﷺ نے جہلاء کی فتویٰ بازی کو قیامت کی نشانی قرار دیا ہے۔ فَضَلُّوا وَاَضَلُّوا وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی کریں گے (بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۰، مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۴۰)۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان جاہل مبلغین کو مساجد سے نکال دیتے تھے۔

۸۔ ظاہر اور واضح معروف و منکر کا ہر کسی کو امر و نہی: یہ انفرادی سطح کا کام ہے۔ عام طور پر مطلق امر و نہی سے یہی مراد لیا جاتا ہے۔ اسکا تعلق اپنی رعایا کے علاوہ دوسرے عام لوگوں کو امر و نہی کرنے سے بھی ہے۔ اسکا حکم مَنْ رَاٰیٰ مِنْکُمْ مُنْکَراً فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ (الحدیث) میں دیا گیا ہے۔ فقہ کی کتابوں میں امر و نہی کے اس خاص پہلو پر بحث ملتی ہے۔ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے کہ امر بالمعروف کئی طریقوں سے ہوتا ہے۔ اگر گمان غالب ہو کہ لوگ اسکی بات مان لیں گے تو اس صورت میں امر و نہی واجب ہے۔ اور اگر اس کا غالب گمان یہ ہو کہ لوگ اسے بدنام کریں گے، گالیاں دیں گے، دشمنی کھڑی ہو جائے گی اور مار کھائے گا تو کم ہمت آدمی امر بالمعروف نہ کرے تو بہتر ہے اور اگر ہمت والا ہو تو امر بالمعروف کر سکتا ہے، اسے مجاہد سمجھا جائے گا۔ اگر گمان غالب ہو کہ لوگ بات نہیں مانیں گے لیکن نقصان بھی نہیں پہنچائیں گے تو اسکی مرضی ہے کہ امر بالمعروف کرے یا نہ کرے۔ لیکن کرنا افضل ہے (فتاویٰ عالمگیریہ جلد ۵ صفحہ ۳۵۲، ۳۵۳)۔ ایسا شخص جب امر بالمعروف کرنے لگے تو اس کے لیے مندرجہ ذیل باتوں پر عمل کرنا ضروری ہے۔

(۱) اخلاص:۔ حدیث شریف میں ہے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے (بخاری جلد ۱ صفحہ ۲، مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۴۱، المسجد صفحہ ۲۳۷)۔ قیامت کے روز ایک شخص اللہ تعالیٰ سے عرض کرے گا کہ میں نے تیری راہ میں علم سیکھا اور لوگوں کو سکھایا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تیری نیت یہ تھی کہ لوگ تجھے عالم اور قاری سمجھیں اور لوگوں نے تجھے عالم اور قاری سمجھا بھی۔ جو تو نے چاہا وہ تجھے مل چکا۔ فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اسے ناک کے بل گھسیٹ کر دوزخ میں گرا دو (مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۴۰، المسجد صفحہ ۲۳۸)۔

(ب) حصولِ علم:۔ علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے (مشکوٰۃ صفحہ ۳۴، المستند صفحہ ۹۸)۔

کتبِ حدیث میں عموماً اخلاص و ایمان کے بعد علم کی بحث ملتی ہے۔ بعض بزرگوں نے اپنی معرکتہ الآراء کتابوں کا آغاز ہی علم کی بحث سے فرمایا ہے۔ مثلاً داتا ہجویری علیہ الرحمہ نے کشف المحجوب کا آغاز اور امام غزالی علیہ الرحمہ نے احیاء العلوم کا آغاز علم کی بحث سے کیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کو علم کی زیادتی طلب کرنے کا حکم ہوا ہے۔ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْماً دعا کرو کہ اے اللہ! میرے علم میں اضافہ فرما (طٰہٰ:۱۱۴)۔

اگر علم کے بغیر کوئی شخص امر و نہی شروع کر دے تو عین ممکن ہے کہ امر کے موقع پر نہی اور نہی کے موقع پر امر کر ڈالے یا نرمی کے موقع پر سختی اور سختی کے موقع پر نرمی کرے یا غلط اور جذباتی فیصلے کرتا رہے۔ خصوصاً عوام الناس کا علماء کو تبلیغ کرنے بیٹھ جانا تباہ کن اور دین شکن حرکت ہے۔ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے کہ "عوام میں سے کسی آدمی کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ قاضی، مفتی اور عالم کو تبلیغ کرے۔ اس لیے کہ یہ بدتمیزی ہے اور علمی باریکیوں کو عام آدمی سمجھ بھی نہیں سکتا (فتاویٰ عالمگیریہ جلد ۵ صفحہ ۳۵۳)۔

(ج) عمل:۔ علم کے مطابق عمل کرنا بہت ضروری ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ (البقرہ:۴۴) کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھلا دیا ہے؟ حدیث پاک میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے شریر آدمی وہ ہوگا جس نے اپنے علم سے فائدہ نہ اٹھایا ہو (مشکوٰۃ صفحہ ۳۷)۔

آپ ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ انْفَعْنِیْ بِمَا عَلَّمْتَنِیْ وَعَلِّمْنِیْ مَا یَنْفَعُنِیْ وَزِدْنِیْ عِلْماً اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی كُلِّ حَالٍ وَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ حَالِ اَهْلِ النَّارِ یعنی اے اللہ مجھے اس علم سے نفع پہنچا جو تو نے مجھے سکھایا ہے اور مجھے علم نافع سکھا اور میرے علم میں اضافہ فرما۔ ہر حال میں اللہ کا شکر ہے میں اہل نار کے حال سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں (مشکوٰۃ صفحہ ۲۱۹، المستند صفحہ ۱۲۵)۔

علم کے مطابق عمل کرنے سے مبلغ کی بات میں اثر پیدا ہوتا ہے اور اسکی شخصیت

دوسروں کے لیے نمونہ بن جاتی ہے۔

(د) بدکلامی سے پرہیز:۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ یعنی یہ اللہ کی رحمت ہے کہ آپ ان کے لیے نرم ہیں اگر آپ تند خو اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے اردگرد سے اٹھ کر چلے جاتے (آل عمران:۱۵۹)۔

حدیث شریف میں ہے کہ عالم علم وادب سے وعظ کرتا ہے اور جاہل آدمی مار پیٹ اور سخت کلامی سے کام لیتا ہے (سرالاسرار:۸۴)۔

ایک مرتبہ ایک دیہاتی نے مسجد میں پیشاب کر دیا۔ نبی کریم ﷺ نے پانی منگوا کر مسجد دھلوا دی اور دیہاتی کو بعد میں آرام سے سمجھا دیا (مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۳۸، المستند صفحہ ۱۰۲)۔

(ھ) تعلیم میں تدارج:۔ کسی نومسلم پر بیک وقت تمام اعمال کا بوجھ نفرت کا باعث بن سکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن میں تبلیغ کے لیے بھیجا تو یوں ہدایت فرمائی کہ اہل کتاب کو پہلے توحید و رسالت کی دعوت دینا۔ جب وہ اسے مان لیں تو پھر پانچ نمازوں کا حکم سنانا۔ جب وہ اسے بھی مان لیں تو پھر زکوٰۃ کا حکم سنانا۔ جب وہ اسے بھی مان لیں تو پھر زکوٰۃ لیتے وقت ان کا اچھا اچھا مال نہ لے لینا اور مظلوم کی آہ سے ڈرنا۔ مظلوم کی آہ اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا (بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۲۳، المستند صفحہ ۱۰۳)۔

(و) ہمہ وقتی اور لمبی تقریر سے پرہیز:۔ نبی کریم ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کو کبھی کبھی وعظ فرماتے اور ان کے تھک جانے کا خیال رکھتے تھے (بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۶)۔

حضرت سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کو وعظ کیا کرتے تھے۔ کسی نے آپ سے کہا کہ آپ ہر روز وعظ کیا کریں۔ آپ نے فرمایا میں یہ نہیں چاہتا کہ میں تقریر کرتا رہوں اور لوگ تھک جائیں۔ میرا طریقہ وہی ہے جو نبی کریم ﷺ کا طریقہ تھا (بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۶، المستند صفحہ ۱۰۳)۔

حتیٰ کہ امام کے لیے بھی یہ ہدایت ہے کہ بیمار، ضعیف اور حاجت مند لوگوں کا خیا

رکھتے ہوئے قرأۃ لمبی نہ کیا کرے (بخاری جلد ا صفحہ ۹۱، مسلم جلد ا صفحہ ۱۸۸)۔

(ز) جہلاء سے مت الجھیں:۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰماً یعنی میرے بندے وہ ہیں کہ اگر ان سے جاہل بحث کریں تو سلام کہہ کے ٹال دیتے ہیں (فرقان: ۶۳)۔

(ح) لوگوں کی سمجھ سے بالاتر بات نہ کریں:۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ نااہل کے سامنے علم کی بات کرنا ایسے ہی ہے جیسے خنزیر کے گلے میں جواہر، موتیوں اور سونے کا ہار ڈال دیا جائے (مشکوٰۃ صفحہ ۳۴، المستند صفحہ ۹۸)۔

نیز فرمایا اَنْزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ یعنی لوگوں سے ان کے مرتبہ کے مطابق پیش آؤ (مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۴، المستند صفحہ ۲۷۸)۔

(ط) فقہی اختلافات کو ہوا نہ دیں:۔ اگر عوام علماء کے فقہی اختلافات دیکھیں تو ان میں چہ میگوئیاں شروع ہو جاتی ہیں اور تنفر کو فروغ ملتا ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لوگوں کو خوش رکھو متنفر مت کرو، آسانی پیدا کرو، مشکل پیدا نہ کرو، ایک جیسی بات کرو اختلاف نہ کرو (مشکوٰۃ صفحہ ۳۲۳)۔

(ی) بحث کا طریقہ:۔ حتی الوسع گریز کے باوجود اگر کسی سے بحث کرنا ہی پڑ جائے یا حکمت و مصلحت، بحث و مناظرے ہی کی متقاضی ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ یعنی اچھے طریقے سے رَدّ کریں۔ یہ انداز اپنائیں کہ جیسے آپ کا مخالف آپ کا جگری دوست ہو (حٰم: ۳۴)۔

مناظرے میں مخالف کے رویے، پاس بیٹھی ہوئی عوام کی نفسیات اور اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کی ضرورت کا لحاظ بہت ضروری ہوتا ہے۔ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ میں اسی کا ذکر ہے۔

(ک) کسی کو کافر کہنے میں جلدی نہ کریں:۔ سب سے پہلے تو یہ ضروری ہے کہ فیصلہ کرنے والے کو کفر اور ایمان کی تعریف کا بخوبی علم ہو۔ اسکے بعد کسی کے قول کے بارے میں مکمل

حسنِ ظن سے کام لے کر اس میں صحت کا پہلو تلاش کرنا چاہیے تاکہ وہ شخص کفر کے فتوے سے بچ نکلے۔ اگر کسی قول کے سو معنی بنتے ہوں، جن میں سے ننانوے معنی کفریہ ہوں اور ایک معنی درست بنتا ہو تو ایسے قول پر کفر کا فتویٰ نہیں دینا چاہیے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اگر کسی نے دوسرے کو کافر کہا اور وہ فی الواقع کافر نہ ہو تو یہ کفر اسکی اپنی طرف لوٹ آئے گا (مسلم جلد ۱ صفحہ ۵۷، المستند صفحہ ۱۰۵)۔

(ل) تبلیغ کو نتیجہ خیز بنانے کی کوشش کریں:۔ مبلغ کے لیے ضروری ہے کہ اپنی تبلیغ کے نتائج پر نظر رکھے۔ جذباتی باتوں اور غلط طریقہ کار کے ذریعے مبلغ اپنا کلیجہ تو ٹھنڈا کر سکتا ہے مگر تبلیغ کا حق ادا نہیں کر سکتا۔

(م) نرمی اور سختی کے مواقع:۔ مبلغ کے لیے ضروری ہے کہ موقع کی مناسبت سے نرم یا سخت رویہ اختیار کرنے پر دسترس رکھتا ہو۔ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ کب ہاتھ کا استعمال کرنا ہے، کب زبان کا استعمال کرنا ہے، کب خاموش رہنا ہے اور کب صرف اپنے موڈ سے اگلے کو احساس دلانا ہے۔ حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ میں دس سال نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر رہا، آپ ﷺ نے مجھے ایک بار بھی نہیں فرمایا کہ یہ کام تم نے کیوں کیا اور یہ کام تم نے کیوں نہیں کیا (بخاری، مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۵۳، المستند صفحہ ۱۰۳)۔

اس کے لیے فرض، واجب، سنت، مستحب اور مباح وغیرہ شرعی احکام کا فرق جاننا بھی ضروری ہے تاکہ حکم کی سختی اور نرمی کے مطابق تبلیغ میں بھی سختی اور نرمی کی جا سکے۔

مثلاً نبی کریم ﷺ کا لباس مبارک، کھانا، پینا، نشست و برخاست، سونا جاگنا، طب اور زراعت کا طریقہ۔ یہ سب چیزیں سننِ زوائد ہیں۔ یہ سب مستحبات کے حکم میں ہیں۔ ان پر سختی کرنا مغزِ شریعت اور روحِ تبلیغ کے منافی ہے۔

حضرت مُلّا احمد جیون رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سنت کی ایک قسم سنتِ زائدہ ہے۔ اسکے ترک سے برائی لازم نہیں آتی۔ نبی کریم ﷺ کا لباس اور نشست و برخاست کا طریقہ اسی

زمرے میں آتے ہیں۔ یہ سب کام نبی کریم ﷺ نے عبادت کے طور پر نہیں بلکہ عادت کے طور پر کیے ہیں (نورالانوار صفحہ ۱۷۱)۔

شامی میں ہے کہ سنتِ زائدہ مستحب کے حکم میں ہوتی ہے (شامی جلد ا صفحہ ۷۶)۔

مستحب کا جان بوجھ کر ترک کر دینا بھی جائز ہوتا ہے بلکہ مکروہِ تنزیہی بھی جائز ہی کی اقسام سے ہے حتیٰ کہ بیانِ جواز کے لیے مکروہ تنزیہی کا جان بوجھ کر ارتکاب مسنون ہے۔

جیسا کہ سیدنا جابر ؓ نے جان بوجھ کر صرف ایک کپڑے میں نماز پڑھی۔ کسی نے آپ سے پوچھا کہ آپ نے کپڑا پاس ہونے کے باوجود ایک کپڑے میں نماز کیوں پڑھی؟ فرمایا میں نے یہ اس لیے کیا کہ تیرے جیسا احمق دیکھ لے (بخاری جلد ا صفحہ ۵۱)۔

دراصل یہ کام اتنا مشکل ہے کہ کسی مدرسے سے فارغ التحصیل ہونا بھی اسکے لیے ناکافی ہے۔ چہ جائیکہ ہر کس و ناکس اسلام کے سر پر دستِ شفقت رکھنے کے لیے اس کی تبلیغ شروع کر دے۔ اس کا تعلق حکمت سے ہے جو سالہا سال تک آداب سیکھے اور زانوئے مریدی طے کیے بغیر کسی کے خُلق میں داخل نہیں ہوتی۔

(ن) **دعائے نصرت:۔** دعا مومن کا ہتھیار ہے۔ فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (بقرہ:۲۸۶)۔ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ (آل عمران:۱۷۳) اور وَاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِيْرًا (بنی اسرائیل:۸۰) خاص طور سے امرونہی کے موضوع پر وارد ہوئی ہیں۔

(س) **دل برداشتہ نہ ہوں اور تگڑے رہیں:۔** مُبلّغ کو چاہیے کہ ثابت قدم اور مستقیم رہے۔ اپنا کام پوری ہمت سے کرتا جائے لیکن اگر اس کی مکمل کوشش کے باوجود کوئی شخص ٹھیک نہ ہو تو دل برداشتہ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ (بقرہ:۲۷۲) ان کو ہدایت دے کے ہی چھوڑنا آپ کی ذمہ داری نہیں ہے۔

پھر فرماتا ہے لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (شعراء:۳) کہ اے محبوب! کیا آپ ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے اپنی جان پر کھیل جائیں گے۔

اسلام کا سیاسی ضابطہ

اسلامی مملکت کے سربراہ کے لیے بالغ، عالم باعمل، صحت مند اور مرد ہونا ضروری ہے۔ قرآن شریف میں طالوت بادشاہ کو اس عہدے کیلئے ترجیح دینے کا سبب یہ بیان ہوا ہے کہ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ یعنی اسے اللہ نے علم اور جسم میں فراخی دی (البقرہ: ۲۴۷)۔

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا وہ قوم کبھی فلاح نہیں پاسکتی جس نے اپنا حاکم عورت کو بنا لیا (بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۲۷، ۱۰۵۲، ترمذی جلد ۲ صفحہ ۵۲، مشکوٰۃ صفحہ ۳۲۱، المستند صفحہ ۲۲۰)۔

نیز فرمایا جب تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد ہوں تو پھر تمہارے لیے زندگی سے موت بہتر ہے (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۵۲، المستند صفحہ ۲۲۰)۔ قرآن وسنت کے بے شمار دلائل، عورت کے پردے، نسوانی مجبوریوں اور شریعت اسلامیہ کے مزاج کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عورت کی حکمرانی سخت ناجائز ہے۔ سربراہ کا انتخاب کرنا اہلِ حل وعقد یعنی اہلِ علم کا کام ہے۔ جو موقع پر حاضر ہوں انکی اکثریت کا فیصلہ مان لیا جائے گا (جیسا کہ خلفاءِ راشدین علیہم الرضوان کیلئے ہوا)۔

شوریٰ

سربراہِ مملکت کو بادشاہ، امیر، حاکم، وزیر اعظم یا صدر وغیرہ کچھ بھی کہہ سکتے ہیں۔ سربراہِ مملکت اپنی صوابدید سے شوریٰ کے افراد کو نامزد کرتا ہے اور انہیں وزارتیں سونپ سکتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ امیر کا بھلا چاہتا ہے تو اسے اچھا وزیر عطا کر دیتا ہے، جب وہ بھولتا ہے تو وزیر اسے یاد کرا دیتا ہے اور اگر وہ یاد رکھے تو وزیر اس سے تعاون کرتا ہے۔ اسکے برعکس جب اللہ تعالیٰ امیر کا بھلا نہیں چاہتا تو اسے برا وزیر دے دیتا ہے جب وہ بھولتا ہے تو وزیر یاد نہیں دلاتا اور اگر وہ یاد رکھے تو وزیر اس سے تعاون نہیں کرتا (ابوداؤد، نسائی، مشکوٰۃ صفحہ ۳۲۲، المستند صفحہ ۲۲۱)۔

نیز فرمایا زمین پر میرے وزیر ابوبکر اور عمر ہیں (ترمذی، مشکوٰۃ صفحہ ۵۶۰، المستند صفحہ ۲۲۱)۔

عدالت

ججوں کا تقرر بھی سربراہِ مملکت اپنی صوابدید سے کرتا ہے۔ جج کے لیے عالم اور مجتہد ہونا

شرط ہے۔ اسکی نظر عدالتی نظائر پر کامل ہونی چاہیے تاکہ قرآن، حدیث اور صالحین کے فیصلوں کے مطابق فیصلہ کر سکے جیسا کہ سنن نسائی میں حضرت ابن مسعود ؓ اور سیدنا فاروق اعظم ؓ کے فرمان موجود ہیں کہ قرآن، سنت اور صالحین کے فیصلوں کے مطابق فیصلے کیے جائیں اور اگر ان میں مسئلے کا حل نہ ملے تو اجتہاد کریں (نسائی جلد ۲ صفحہ ۳۰۵)۔

جج شوریٰ کا رُکن بھی ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ متعدد صحابہ کرام علیہم الرضوان دونوں طرف کام کرتے تھے۔ خود سربراہِ مملکت جج کے فرائض سرانجام دینے کا سب سے زیادہ حق دار ہے۔ نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین خود فیصلے دیا کرتے تھے اور مختلف علاقوں کے گورنر خود ہی جج بھی ہوتے تھے۔ جیسے حضرت عمرو بن عاص مصر میں اور حضرت معاذ بن جبل یمن میں۔

جج کیلئے ضروری ہے کہ صورتحال کی مکمل معلومات حاصل کرے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس نے لاعلمی میں فیصلہ دیا وہ دوزخی ہے (ابوداؤد، ابنِ ماجہ، مشکوٰۃ صفحہ ۳۲۴، المستند صفحہ ۲۲۲)۔

اور غصے میں فیصلہ نہ دے (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۳۲۴، المستند صفحہ ۲۲۲)۔ مکمل طور پر تازہ دم ہونے کی حالت میں فیصلہ دے تاکہ اس کا فیصلہ کسی دوسرے دباؤ سے متاثر نہ ہو۔

جج کا عہدہ ایسا نازک ہے کہ حدیث پاک میں ہے جسے قاضی (جج) بنایا گیا وہ چھری کے بغیر ذبح ہوگیا (ترمذی، ابوداؤد، ابنِ ماجہ، مشکوٰۃ صفحہ ۳۲۴، المستند صفحہ ۲۲۲)۔

اسلام میں ان میں سے کسی بھی عہدے کو طلب کرنا منع ہے حدیث شریف میں ہے کہ

- اللہ کی قسم ہم یہ امر (عہدہ) کسی ایسے شخص کو نہیں دیتے جو اسے خود طلب کرے یا اس کا لالچ رکھے۔ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۳۲۰، المستند صفحہ ۲۲۰)۔

اکثر عدالتی فیصلوں کا دارومدار گواہی پر ہوتا ہے۔ اس ضمن میں شریعتِ اسلامیہ نے ایک عظیم قاعدہ بیان کر کے عدالت کے بے شمار مسائل کو جلد اور بہ آسانی نمٹا دیا ہے۔ نبی کائنات ﷺ نے فرمایا اَلْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِىْ وَالْيَمِيْنُ عَلٰى مَنْ اَنْكَرَ یعنی گواہی فراہم کرنا مدعی کے ذمے ہے اور اگر اس کے پاس گواہ نہ ہوں اور مدعیٰ علیہ اقبالِ جرم بھی نہ کرے تو اس صورت میں مدعیٰ علیہ قسم اٹھا کر بری ہوسکتا ہے (مشکوٰۃ صفحہ ۳۲۶)۔ واضح رہے کہ یہ قسم مدعیٰ علیہ نے خود ذاتی طور پر

اُٹھانا ہوتی ہے۔اسکی جگہ پر کسی دوسرے سے قسم لینے کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں۔

خارجہ پالیسی

خارجہ پالیسی کی بنیاد یہ ہے کہ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ یعنی نیکی اور تقویٰ کے معاملے میں تعاون کرو اور گناہ اور سرکشی کے معاملے میں تعاون مت کرو (المائدہ:۲)۔ نیکی اور تقویٰ کے معاملے میں تعاون کرو اور گناہ اور سرکشی کے معاملے میں تعاون مت کرو۔خواہ کوئی معاملہ(DEAL) کسی مسلم ملک سے ہو یا غیر مسلم سے۔ البتہ مسلمان کو غیر مسلم پر ترجیح دیتے ہوئے اس کے اسلام کا پاس رکھا جائے گا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مسلمانوں کے درمیان معاہدہ جائز ہے سواء اس معاہدے کے جس میں حلال کو حرام یا حرام کو حلال کر دیا گیا ہو۔مسلمان اپنی طے شدہ شرائط کے پابند ہوں گے۔سواء ان شرائط کے جن میں حلال کو حرام یا حرام کو حلال کر دیا گیا ہو(ترمذی،ابنِ ماجہ،مشکوٰۃ صفحہ ۲۵۴،المستدرک صفحہ ۲۳۳)۔

اسلامی ممالک کا ایک اتحادی بلاک(FEDERATION) تیار کرنا بہت اچھی تدبیر ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً یعنی یقیناً یہ تمہاری امت،ایک ہی امت ہے(الانبیاء:۹۲،مومنون:۵۲)۔

اور لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ یعنی مومن مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں(آلِ عمران:۲۸)۔

ان آیتوں میں اسلامی بلاک کی حوصلہ افزائی موجود ہے۔اس کے علاوہ مندرجہ ذیل آیات میں خارجہ پالیسی کے بنیادی نکات موجود ہیں۔صرف ترجمہ اور خلاصہ ملاحظہ فرمائیں۔

معاہدے پورے کرو(المائدہ:۱)۔اگر کسی قوم سے خیانت کا ڈر ہو تو معاہدہ سیدھا ان کی طرف پھینک دو(انفال:۵۸)۔اخبار اور اطلاعات کے بارے میں پوری چھان پھٹک اور تفتیش ضروری ہے(الحجرات:۶)۔تم میں ان کے سننے والے(جاسوس) موجود ہیں(توبہ:۴۷)۔دشمن

کے خلاف جس قدر ہو سکے اپنی جنگی تیاری مکمل رکھو (انفال:۶۰)۔

اسلام اور جمہوریت

اسلام کا ضابطہ کسی دوسرے نظام کا نہ تو پابند ہے اور نہ ہی اسے کسی دوسرے نظام پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ اسلام کا مطالعہ کرتے وقت آمریت اور جمہوریت کی عینک اُتار دینا ضروری ہے۔ جمہوری نظام میں ہر پڑھے لکھے اور جاہل کا ووٹ برابر ہے۔ کثیر جماعتی نظام میں اقلیت، اکثریت پر حکومت کرتی ہے۔ صرف ستّر لاکھ ووٹ لے کر چودہ کروڑ انسانوں پر حکومت کی جا چکی ہے۔ ووٹ خریدنے کے لیے ناجائز اور اوچھے ہتھکنڈے استعمال کیے جاتے ہیں۔

برادری سسٹم، نسل پرستی اور لسانیت وغیرہ کے حوالے سے ووٹ مانگے جاتے ہیں۔ نیز جو پہلے ووٹ مانگ لے، جو مسئلہ حل کر دے، جو رشوت دے دے، جس کے لیے برادری مجبور کر دے یا جس کی سفارش آ جائے، جس نے کسی قاتل کو رہا کرایا ہو اسے ووٹ دیا جاتا ہے اور جو اشتہار بازی اور کنویسنگ زیادہ کرے یا ووٹ کے دن جس کی گاڑی ووٹر کو اٹھانے کیلئے پہلے پہنچ جائے اسے ووٹ مل جاتا ہے۔ یہ ہے جمہوریت۔ سمجھدار لوگوں کیلئے یہ سوچنے اور عبرت پکڑنے کی باتیں ہیں۔

اسکے برعکس اسلام میں خود عہدہ طلب کرنے اور اس کے لیے لوگوں کو منانے اور قائل کرنے (CANVASSING) کی بالکل کوئی اجازت نہیں (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۳۲۰)۔

پھر اسلام میں کثیر پارٹیوں اور حزبِ اختلاف کا کوئی تصور نہیں۔ پارٹی اور حزب کی بنیاد پر ہی جمہوریت میں اپنی پارٹی کی خاطر ہر جائز ناجائز کام اور ظلم وستم کو روا رکھا جاتا ہے۔ یہ پارٹی تعصب ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے عصبیت کی دعوت دی وہ ہم میں سے نہیں اور جس نے عصبیت کی خاطر جنگ لڑی وہ ہم میں سے نہیں اور جو عصبیت پر مرا وہ ہم میں سے نہیں (ابوداؤد، مشکوٰۃ ۴۱۸)۔

حضرت واثلہ ؓ نے پوچھا یارسول اللہ عصبیت کیا ہے۔ فرمایا عصبیت یہ ہے کہ تو ظلم کرنے میں اپنی قوم کی مدد کرے (ابوداؤد، مشکوٰۃ ۴۱۸، المستدرک صفحہ ۲۳۴)۔

نیز فرمایا کہ تم میں اچھا وہ ہے جو اپنے اقارب کی حمایت اس وقت تک کرے جب تک وہ غلطی پر نہ ہوں (ابوداؤد، مشکوٰۃ ۴۱۸)۔

اسلام میں حق کے لیے ہر کوئی حزبِ اقتدار ہے اور باطل کے لیے ہر کوئی حزبِ اختلاف ہے ورنہ عصبیت اور جہالت ہے۔

پھر اسلام میں وطن کا تصور اس طرح نہیں ہے جس طرح آج کل اس کا پراپیگنڈہ کیا جا رہا ہے۔ آج کل ہر مسلم اور غیر مسلم کو وطنیت کے حوالے سے اہمیت دی جا رہی ہے بلکہ غیر مسلموں کو اندرونِ خانہ ترجیح دی جا رہی ہے اور اس پر لیبل جمہوریت کا لگایا جا رہا ہے۔ ایک غیر مسلم اور مسلمان مل کر کہہ رہے ہوتے ہیں کہ وطن میرا ایمان ہے۔

یاد رکھیے وطن اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکام کے نفاذ کی خاطر ایک اہمیت ضرور رکھتا ہے مگر وطن ایمان نہیں ہے۔ بلکہ اگر وطن میں احکامِ اسلامیہ پر چلنا ممکن نہ رہے تو وہاں سے ہجرت کر جانا ضروری ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا یعنی کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی جس میں تم ہجرت کر جاتے؟ (النساء: ۹۷)۔

بقول اقبال علیہ الرحمۃ

چین و عرب ہمارا ہندوستان ہمارا	مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

بعض صوفیاء نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ وطن کی محبت ایمان میں سے ہے لیکن ساتھ ہی وہ خود ہی لکھتے ہیں کہ وطن سے ان کی مراد روح کا وطنِ اصلی ہے۔ جہاں سے روح اس دنیا میں آئی ہے۔ پھر اسلام میں جمہور سے مراد اہلِ علم کی اکثریت ہوتی ہے نہ کہ ہر کس و ناکس کی۔ اسلام کی اگر انہی چند ہدایات پر عمل کر لیا جائے تو موجودہ جمہوریت کی اچھی طرح مرمت ہو جائے۔

پچیسویں آیت:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ

مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِہٖ جَہَنَّمَ وَسَآءَ تْ مَصِیْراً یعنی جو شخص اس پر ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد رسول کی نافرمانی کرے اور مومنوں کے راستے سے انحراف کرے تو وہ جدھر جاتا ہے ہم اسے جانے دیں گے۔ اور اسے جہنم میں ڈالیں گے اور وہ بُرا ٹھکانا ہے (النساء:۱۱۵)۔

اس آیت میں نبی کریم ﷺ کی نافرمانی اور مومنوں کے راستے (سبیل المومنین) سے ہٹنے پر جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔ اس سے ایک تو نبی کریم ﷺ کی حدیث، سُنّت اور فیصلوں کی حجیت معلوم ہوئی۔ اور دوسرے نمبر پر صحابہ کرام علیہم الرضوان کا قابلِ اتباع ہونا معلوم ہوا۔ سبیل المومنین میں سب سے پہلے صحابہ کرام کا راستہ شامل ہے۔ اسی لفظ سبیل المومنین سے تقلید کا مفہوم بھی نکل رہا ہے۔

تقلید

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ یعنی جو میری طرف رجوع کرے اسکی پیروی کر (لقمان:۱۵)۔

ایک اور جگہ فرمایا فَسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ یعنی اگر تم خود نہیں جانتے تو اہلِ علم سے پوچھ لو (انبیاء:۷)۔

نیز فرمایا فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ کُلِّ فِرْقَۃٍ مِّنْھُمْ طَآئِفَۃٌ لِّیَتَفَقَّھُوْا فِی الدِّیْنِ وَلِیُنْذِرُوْا قَوْمَھُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَیْھِمْ یعنی ان کے ہر طبقے میں سے ایک گروہ کیوں نہ نکل پڑا۔ جو دین کی سمجھ حاصل کرتا اور اپنی قوم کو ڈراتا جب انکی طرف لوٹ کر آتے (توبہ:۱۲۲)۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ ہر طبقے میں اہلِ علم کا وجود ضروری ہے۔ دین کی مکمل سمجھ اور فقہ حاصل کرنا فرضِ کفایہ ہے۔ اور جو لوگ یہ مہارت حاصل نہ کر سکیں انہیں چاہیے کہ اہلِ علم سے پوچھ لیا کریں اور ان کی پیروی کیا کریں۔ یہی تقلید ہے۔

حدیث شریف میں ہے اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ قَالُوْا لِمَنْ قَالَ لِلّٰہِ وَلِکِتَابِہٖ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِاَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِھِمْ یعنی دین خیر خواہی کا نام ہے۔ صحابہ کرام نے پوچھا

کس کی خیر خواہی۔فرمایا اللہ کی، اللہ کی کتاب کی، اسکے رسول کی، مسلمانوں کے آئمہ کی اور عوام کی خیر خواہی (مسلم جلد ۱ صفحہ ۵۴، المستند صفحہ ۵۴)۔

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے بعض مسلمانوں کو آئمہ اور باقیوں کو عوام قرار دیا ہے۔ مقتدی اور مقتدا کا فرق واضح ہو گیا۔ یہی اقتدا تقلید کہلاتی ہے۔

اِجتہاد کا دائرہ اور حدود

اسی آیت (سبیل المومنین) سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مجتہد اپنی گردن سے سبیل المومنین کا پٹہ نہیں اتار سکتا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں۔

''نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہمیشہ بڑے گروہ کی پیروی کرو۔ تمام مذاہب کے صحیح ہونے کے باوجود ان میں سے صرف چار مذاہب پر اُمت متفق ہو گئی اور باقی کا نام ونشان نہ رہا۔ تو اب انہی چار مذاہب کا اتباع ہی سوادِ اعظم کا اتباع ہے۔ اور ان میں سے نکلنا سوادِ اعظم میں سے نکلنا ہے'' (عقد الجید: ۳۳)۔

آگے فرماتے ہیں

''مذاہب اربعہ (حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی) کے اختیار کرنے میں بہت بڑی مصلحت پوشیدہ ہے اور ان کے چھوڑنے میں بہت بڑا افساد ہے'' (عقد الجید: ۳۴)۔

فقہ حنفی

فقہ حنفی نام ہے امامِ اعظم ابو حنیفہ اور آپ کے شاگردوں کی تحقیقات کا۔ اس پر فقہ حنفی کے لفظ کا اطلاق اس لیے کیا جاتا ہے کہ اسکے اصول امامِ اعظم نے وضع کیے ہیں۔ اور مقدم اور استاد ہونے کا شرف بھی آپ علیہ الرحمۃ کو ہی حاصل ہے۔ لہٰذا امام اور صاحبین کے اختلاف کو دلیل بنا کر آئمہ سے اختلاف کرنا جائز نہیں بلکہ ایسا اختلاف اصولی اختلاف ہو گا جس کی اجازت نہیں۔

فروعی اختلاف

اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَۃٌ (میری امت کا اختلاف رحمت ہے)۔ اس حدیث کے

بارے میں علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ اسے بیہقی نے اپنے رسالہ اشعریہ میں سند کے بغیر روایت کیا ہے(جامع صغیر:۱۲)۔

حضرت مُلّا علی قاری علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ اسے حلیمی، قاضی اور امام الحرمین وغیرہ نے روایت کیا ہے۔شاید یہ بعض حفاظ کی کتب سے لی گئی ہو جو ہم تک نہ پہنچ سکیں (موضاتِ کبیر:۱۱)۔

ناصر الدین البانی نے بھی لکھ دیا ہے کہ اس حدیث کی کوئی بنیاد ہی نہیں (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ جلد ا صفحہ ۷۶)۔

اگر اسے حدیث مان ہی لیا جائے تو اس سے مراد صرف فروعی اختلاف ہے۔شامی میں ہے کہ فِـی الْـفَـرْعِ لَا مُـطْـلَـقُ الْاِخْـتِلَافُ یعنی اُصول میں اختلاف جائز نہیں فروع میں اختلاف جائز ہے(شامی جلد ا صفحہ ۵۰)۔

ایسے مسائل جن کے بارے میں امام کا قول موجود نہ ہو یا ایسے مسائل جو نئے زمانے میں سامنے آئے ہوں ان میں اختلاف فروعی اختلاف ہے۔مثلاً قطبین پر نمازوں کا مسئلہ ایسا ہے جس کے بارے میں امام اعظم علیہ الرحمۃ اور صاحبین سے کچھ منقول نہیں لہٰذا یہ فروعی مسئلہ ہے۔لاؤڈ سپیکر کا استعمال، اعضاء کی پیوندکاری، بیمہ زندگی، انعامی بانڈ، ہومیو پیتھک دواؤں کا استعمال، ہوائی جہاز میں سفر کے مسائل وغیرہ بے شمار ایسے مسائل ہیں جو نئے دور میں سامنے آئے ہیں اور انکے بارے میں آئمہ اربعہ سے کچھ منقول نہیں۔لہٰذا یہ فروعی مسائل ہیں اور ان میں اختلاف فروعی اختلاف ہے۔

فروعی اختلاف پر پابندیاں

فروعی مسائل کے تعین اور اس اختلاف کی تعریف جان لینے کے بعد یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ فروعی مسائل میں بھی بے دھڑک ہر بات کہہ دینے کی اجازت نہیں ہے بلکہ اس کے لیے مندرجہ ذیل پابندیاں ضروری ہیں۔

پہلی پابندی: امت ایک طرف لگ چکی ہو تو نئی لائن مت دو

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس امت کے امرِ جمیع کو متفرق کرنے کی جو بھی کوشش کرے

اسے تلوار سے مارو، خواہ وہ کوئی بھی ہو (مسلم جلد۲ صفحہ ۱۲۸، المستند صفحہ ۱۰۴)۔

سیدنا علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔

مجھے اختلاف سے اتنی نفرت ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ یا تو سب لوگ ایک ہو جائیں یا پھر مجھے موت آ جائے محمد بن سیرین رحمت اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حضرت علی سے روایت کی جانے والی اکثر باتیں من گھڑت ہوتی ہیں (بخاری جلد ا صفحہ ۵۲۶)۔

نبی کریم ﷺ چاہتے تھے کہ کعبہ شریف کو گرا کر نئے سرے سے بنیادِ ابراہیمی پر تعمیر کریں لیکن فرمایا کہ میں ایسا اس لیے نہیں کر رہا کہ میری اُمت فتنے میں نہ پڑ جائے (بخاری جلد ا صفحہ ۲۱۵، مسلم جلد ا صفحہ ۴۲۹)۔

اس حدیث کی یاددہانی کے بعد آج کے ماڈرن مجتہدین کو چاہیے کہ اُدھر ہی تھم جائیں اور منشاءِ رسول کریم ﷺ کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

ایک مرتبہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے وضو فرمایا اور ہاتھوں کو بہت اوپر تک دھویا۔ ایک آدمی نے اعتراض کر دیا کہ آپ ہاتھ دھونے میں اس قدر مبالغہ کیوں کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم دیکھ رہے ہو تو میں ایسا ہرگز نہ کرتا (مسلم جلد ا صفحہ ۱۲۷)۔

مطلب یہ ہے کہ ہاتھوں کو اوپر تک دھونا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ایک استحبابی امر اور ذوق کی بات تھی۔ لہٰذا ایک دیہاتی کی سمجھ سے بالاتر مسئلہ سمجھتے ہوئے فوراً معذرت خواہانہ رویہ اختیار فرمایا۔

حضرت سید نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمۃ سے پوچھا گیا کہ فلاں شخص جوتوں سمیت نماز پڑھنے کا جواز دلائل سے ثابت کرتا ہے اور اس کی تبلیغ کرتا ہے۔ اسکا کیا جواب ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ان دلائل کا جواب دینے سے پہلے میں ایک اہم بات کہنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ اس کے نزدیک جوتوں سمیت نماز پڑھنا زیادہ سے زیادہ جائز یا مستحب ہے اور وہ جوتے اتار کر نماز پڑھنے کے جواز کا بھی قائل ہے تو اس سے پوچھا جائے کہ محض ایک جائز یا مستحب کام کے لیے اُمت کی لائن خراب کرنے اور ایک نئی بات چھوڑ کر لوگوں کے ذہن خراب کرنے کا کیا جواز ہے۔ اس کے

بعد آپ نے اس کے دلائل کا مکمل جواب بھی دیا (حاصل انوارِ شریعت جلد دوم کا آغاز)۔

دوسری پابندی: جب تک اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہ دیکھ لو اختلاف سے بچو

نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے اس بات پر بیعت لی کہ جب تک اللہ کے حکم کی صاف مخالفت اور کفر ہوتا ہوا نہ دیکھ لو اختلاف سے بچو (بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۴۵، مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۲۵، المستند صفحہ ۱۰۵)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اختلاف اتنا بڑا منکر ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اسے صرف کفر کے مقابلے پر روا رکھا۔

تیسری پابندی: بحث و تکرار سے بچو

صحابہ کرام علیہم الرضوان کا اختلاف اگر علمی حد سے بڑھ کر بحث و تکرار تک پہنچ جاتا (جنگ و جدل تو دور کی بات) تو نبی کریم ﷺ اسے سخت ناپسند فرماتے۔ قراءۃ کے مسئلہ پر دو صحابیوں میں بحث ہو رہی تھی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم دونوں ٹھیک ہو۔ اختلاف مت کرو۔ تم سے پہلی قوموں نے اختلاف کیا اور ہلاک ہوئیں (بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۹۵، مشلہ مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۳۹، المستند صفحہ ۱۰۵)۔

محض اختلاف جائز تھا لہٰذا فرمایا تم دونوں ٹھیک ہو۔ لیکن بحث کرنا اور جھگڑا کرنا درست نہ تھا لہٰذا سخت ناراض ہوئے بلکہ ہلاکت کا خوف دلایا۔

لہٰذا کسی کے مؤقف کے درست ہونے یا غلط ہونے سے ہمیں سروکار نہیں۔ جہاں لے دے شروع ہو گئی منشاءِ رسول کریم ﷺ سے انحراف لازم آیا۔ جب ایک انسان کو معلوم ہو کہ میری اس نئی بات سے لے دے شروع ہو جانے کا اندیشہ ہے تو ایسی بات چھوڑنے سے پہلے ہوش کو ہاتھ مار لینا ضروری ہے۔

صحیح بخاری میں اس موضوع پر مستقل ابواب موجود ہیں۔ باب مایکرہ من التعمق والتنازع (بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۸۴) اور باب کراھیة الاختلاف (بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۹۵)۔

چوتھی پابندی: مشکلات اور تنفّر سے اجتناب

نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو یمن میں بھیجا تو نصیحت فرمائی کہ آسانی پیدا کرنا مشکل پیدا نہ کرنا۔ لوگوں کو خوش رکھنا، نفرت پیدا نہ کرنا۔ اور دونوں ایک جیسی بات کرنا، اختلاف نہ کرنا۔ (بخاری جلد۲ صفحہ۱۰۶۳، مسلم جلد۲ صفحہ۸۲، مشکوٰۃ صفحہ۳۲۳، المستند صفحہ۱۰۴)۔

اگر ایک صحابی کا فیصلہ کچھ اور دوسرے کا کچھ اور ہوتا تو یہ لوگوں کے لیے مشکل اور تنفّر کا باعث ہوتا۔ لہٰذا علمی اختلاف کے جواز کے باوجود فرمایا کہ ایک جیسی بات کرنا اختلاف نہ کرنا۔

نیز علمی بحث کو عوامی حلقوں میں گھسیٹ کر لے آنا اور اشتہار بازی اور اخباری بیان، سب تنفر ہے جو کہ ممنوع ہے۔ نیز حدیث شریف میں ہے کہ نااہل کے سامنے علمی بات کرنا ایسے ہے جیسے خنزیر کے گلے میں سونے اور موتیوں کے ہار ڈال دیے جائیں (مشکوٰۃ صفحہ۳۴)۔

نیز فرمایا کہ علم کی آفت نسیان ہے اور یہ ضائع اس طرح ہوتا ہے کہ اسے نااہل کے سامنے رکھ دیا جائے (مشکوٰۃ صفحہ۳۷)۔

آج اِخْتِلَافُ اُمَّتِـیْ رَحْـمَةٌ ہر کوئی پڑھ دیتا ہے مگر اسکے حقوق کی رعایت اور پاسداری بہت مشکل ہے۔

پانچویں پابندی: فیصلہ اکثریت کریگی

جدید مسائل میں اجتہاد نہ صرف جائز ہے بلکہ فرض کفایہ ہے اور لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ (الاٰیة) اور حدیث معاذ بن جبل ﷺ (مشکوٰۃ صفحہ۳۲۴) وغیرہ سے ثابت ہے۔ اسی کے بارے میں نبراس میں لکھا ہے کہ اَلْاِجْتِهَادُ بَاقٍ اِلٰى آخِرِ الدَّهْرِ کہ اجتہاد قیامت تک باقی ہے (نبراس صفحہ۲۷) لیکن ایسے مسائل میں اگر تمام علماء متفق ہو جائیں تو بہت اچھا ورنہ فیصلہ اکثریت کے قول کے مطابق ہوگا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم اختلاف دیکھو تو بڑے گروہ کے ساتھ ہونا تم پر لازم ہے (ابن ماجہ صفحہ۲۸۳، المستند صفحہ۹۴)۔

سنن نسائی میں مستقل باب اس نام سے موجود ہے۔ اَلْحُکْمُ بِاتِّفَاقِ اَهْلِ الْعِلْمِ یعنی فیصلہ اہلِ علم کے اتفاق سے ہوگا (نسائی جلد۲ صفحہ۳۰۵)۔

بعض لوگ اپنے ہی رفقاء کو جمع کر لیتے ہیں اور اپنی فضول تحریروں پر ان سے تائید اور تقریظ لکھا کر شائع کر کے عوام میں بلے بلے بنا لیتے ہیں۔ اگر ایسی لاکھوں تائیدات و تقاریظ بھی میسر آ جائیں تو وہ محض فردِ واحد کی تحریر کی حیثیت رکھتی ہیں۔ پھر اس فردِ واحد کا حق پر یا خطا پر ہونا ایک الگ بحث ہے۔

ان پانچ پابندیوں میں سے کسی ایک کو بھی توڑ کر اختلاف کیا جائے تو یہ اختلاف نہیں بلکہ سبیل المومنین سے انحراف ہے۔

اجتہاد جاری ہے، مگر کہاں اجتہاد کرنا چاہیے

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب نبی کریم ﷺ نے یمن میں قاضی بنا کر بھیجا تو آپ سے امتحاناً پوچھا کہ فیصلہ کیسے کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا کتاب اللہ میں تلاش کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو پھر کیا کرو گے؟ عرض کیا پھر سنتِ رسول ﷺ میں تلاش کروں گا۔ فرمایا اگر میری سنت میں بھی نہ پاؤ تو پھر کیا کرو گے؟ عرض کیا پھر اجتہاد کروں گا اور انصاف سے کام لوں گا۔ آپ ﷺ نے اُن کے سینے پر ہاتھ مبارک مارا اور اللہ کا شکر ادا کیا (مشکوٰۃ صفحہ۳۲۴)۔

یہ اصول سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے لیے درست تھا، اس لیے کہ نبی کریم ﷺ اور سیدنا معاذ بن جبل کے درمیان کوئی اور واسطہ نہ تھا جسے ترجیح دی جاتی۔ آج کے دور میں قرآن، پھر حدیث، پھر اجماعِ امت اور پھر صالحین کے فیصلے ترجیح رکھتے ہیں اور اس کے بعد کسی قاضی یا مجتہد کی ذاتی رائے کا نمبر آتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر تم میں سے کسی کو فیصلہ دینا پڑے تو سب سے پہلے قرآن میں دیکھے۔ اگر قرآن میں نہ ملے تو سنت میں دیکھے۔ اگر سنت میں بھی نہ ملے تو فَلْيَقْضِ بِمَا قَضٰى بِهِ الصّٰلِحُوْنَ یعنی صالحین کے فیصلے دیکھے اور ان کے مطابق فیصلہ کرے۔ اور اگر صالحین کے فیصلے بھی نہ ملیں تو فَلْيَجْتَهِدْ رَأْيَهٗ یعنی

اپنی رائے سے کام لے کر اجتہاد کر سکتا ہے (نسائی جلد ۲ صفحہ ۳۰۵)۔

سیدنا فاروقِ اعظم ﷺ نے قاضی شریح کو لکھا کہ اگر اللہ کی کتاب اور سنت رسول ﷺ میں بھی مسئلہ نہ ملے اور صالحین نے بھی اس بارے میں کوئی فیصلہ نہ دیا ہو تو اب چاہو تو آگے بڑھو (یعنی اجتہاد کرو) اور چاہو تو پیچھے رہو۔ میرا خیال یہ ہے کہ تمہارے لیے پیچھے رہنا (اجتہاد نہ کرنا) ہی بہتر ہے۔ والسلام علیکم (نسائی جلد ۲ صفحہ ۳۰۵)۔

قاضی شریح جلیل القدر تابعی ہیں انہیں فاروقِ اعظم ﷺ مشورہ دے رہے ہیں کہ تمہارے لیے اجتہاد نہ کرنا بہتر ہے۔

یہی وہ سبیل المومنین کا پٹہ ہے جسے گلے میں ڈالنے کے بعد بقول سیدنا ابنِ مسعود ﷺ مَا قَضیٰ بِهِ الصّٰلِحُوْنَ (صالحین کے فیصلے) اختیار کرنے کے بعد اجتہاد کی اجازت ہے۔ اگر اہلیت مشکوک ہو تو بقول سیدنا فاروقِ اعظم ﷺ پیچھے ہٹ جاؤ اور اگر اہلیت موجود ہو تو بقول سیدنا ابنِ مسعود ﷺ اجتہاد سے مت ڈرو۔ اس اجتہاد کا تعلق احتهاد فی المسائل سے ہے یعنی جدید پیش آنے والے مسائل۔ ایسا اجتہاد نہ صرف جائز ہے بلکہ فرض کفایہ ہے۔ اگر کوئی بھی ان مسائل کا محققانہ حل پیش نہ کرے گا تو پوری اُمت گناہگار ہوگی۔ اس توضیح کے بعد پوری اُمت پر جمود کا الزام محض سینہ زوری ہے اور اجماعِ اُمت یا صالحین کے فیصلوں کے مقابلے پر اجتہاد کرنا اور پرانے طے شدہ مسائل کو چھیڑ بیٹھنا سبیل المومنین سے انحراف ہے اور اُمت کے شیرازہ پر ایک ضرب کاری ہے۔

مذاہب اربعہ کے اختلافات کو چھیڑ بیٹھنا اور دورِ حاضر کے جدید مسائل پر اختلافی بحث عوامی حلقوں میں لے آنا عوام کے لیے زہرِ قاتل ہے۔

نیز اجتماعی اور اکثریتی راستے کو چھوڑ کر کسی فردِ واحد کے قول کو پیا نے بیٹھ جانا بھی سراسر غلط ہے۔ شاذ اور متروک و مردود اقوال کو یکجا کر کے اسلام سے الگ تھلگ ایک مکمل میتھالوجی تیار کی جا سکتی ہے۔ جو سبیل المومنین سے انحراف ہے اور كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ کے منافی ہے۔

اگر ہماری تحقیق اکثریتی فیصلے یا قولِ امام کے خلاف جا رہی ہو تو ہم پر اپنی تحقیق او

مجتہدانہ بہادری کے جوہر دکھانا واجب نہیں بلکہ امتِ مسلمہ کے اتحاد اور اسکی بھلائی کی خاطر خاموش رہنا لازم ہے۔

اجتہاد میں خطا وصواب دونوں کا امکان ہے۔ یہ مسئلہ منصوص ہے کہ مجتہد خاطی کو بھی اجر ضرور ملتا ہے (مسلم، بخاری، مشکوٰۃ صفحہ ۳۲۴، المستند صفحہ ۹۵)۔ اگر بالفرض کوئی اجتہادی مسئلہ مبنی برخطا ہی مروّج ہوتو کون سی قیامت آچلی ہے۔ بلکہ ہماری یہ جدید مرمت قیامت برپا کردے گی۔ اور اگر ہم ہی خطا پر ہوئے تو قیامت بالائے قیامت ہوگی۔

آج کے دور میں چونکہ زمامِ اقتدار باطل کے ہاتھوں میں ہے۔ لہٰذا فقہی اور عدالتی اختلاف کو چھیڑنا، محض جگ ہنسائی کا باعث بنتا ہے۔ حکومت کو ہاتھ میں لینے سے پہلے ایسے اختلاف کو چھیڑنا علم کا قبل از وقت اسقاط ہے۔

اگر کسی کو کسی سے علمی اختلاف ہوتو اسے باہمی گفتگو یا خط وکتابت کے ذریعے دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ چھوٹے چھوٹے اختلافات کو عوامی حلقوں میں اُچھالنا اُمتِ مسلمہ پر ظلم ہے۔

شریعت کے ماخذ:۔ گزشتہ بحث سے آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ شریعت کے چار ماخذ ہیں۔

(۱)۔قرآن (۲)۔سنت (۳)۔اجماع (۴)۔قیاس

چھبیسویں آیت:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا یعنی محمد تمہارے مردوں میں سے کسی ایک کے باپ بھی نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں۔ اور اللہ ہر چیز سے باخبر ہے (احزاب: ۴۰)۔

حضرت زید بن حارث ﷺ کو نبی کریم ﷺ کا منہ بولا بیٹا سمجھ کر زید بن محمد کہا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے منہ بولا بیٹا بنانے سے منع فرمادیا۔ چنانچہ قرآن شریف میں اس کی تصریح موجود ہے کہ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآئَكُمْ اَبْنَآئَكُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ یعنی اللہ نے تمہارے

مُنہ بولے بیٹوں کو تمہارے فرزند نہیں بنایا، یہ صرف تمہارے مُنہ کی باتیں ہیں۔ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ یعنی انہیں ان کے اپنے باپوں کے نام سے پکارا کرو (احزاب: ۵،۴)۔

جب حضرت زید ﷛ نے اپنی زوجہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دی تو اس مسئلے کی وضاحت کیلئے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ حضرت زینب سے نکاح فرمائیں۔ اس نکاح کا ذکر زَوَّجْنٰكَهَا (احزاب: ۳۷) میں موجود ہے۔ جب آپ ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ محمد نے اپنی بہو سے نکاح کر لیا ہے۔ اس موقع پر یہ آیت ختم نبوت نازل ہوئی۔

اس آیت کے چار حصے ہیں۔ (۱)۔ محمد تمہارے مَردوں میں سے کسی ایک کے باپ بھی نہیں ہیں۔ (۲)۔ لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں۔ (۳)۔ وہ آخری نبی ہیں۔ (۴)۔ اللہ ہر چیز سے باخبر ہے۔

پہلے حصے میں حضرت زید والے مسئلے کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ سابقہ انبیاء علیہم السلام میں اکثر ایسا ہوتا رہا ہے کہ باپ کے بعد اس کا بیٹا نبی ہوا کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے کسی بیٹے کو جوانی تک نہیں پہنچایا تا کہ آپ ﷺ کے بعد اجرائے نبوت کے وہم کی بھی نفی ہو جائے اور مُنہ بولے بیٹے سے بھی اجرائے نبوت کی غلط فہمی جنم نہ لے سکے۔ حدیث شریف میں یہاں تک وضاحت موجود ہے کہ حضرت ابن ابی اوفی ﷛ فرماتے ہیں کہ لَوْ قُضِیَ اَنْ یَّكُوْنَ بَعْدَ مُحَمَّدٍ ﷺ نَبِیٌّ عَاشَ اِبْنُهٗ وَلٰكِنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَهٗ یعنی اگر محمد کریم ﷺ کے بعد نبی آنا ہوتا تو آپ ﷺ کے بیٹے ابراہیم زندہ رہتے لیکن آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں (بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۱۴)۔

لٰكِنْ کا لفظ سابقہ کلام سے پیدا ہونے والی غلط فہمی کا ازالہ کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ کسی مرد کا باپ نہ ہونے سے یہ غلط فہمی پیدا ہو سکتی تھی کہ شاید آپ کسی کے روحانی باپ بھی نہیں ہیں۔ دوسرے حصے میں لٰكِنْ کے ذریعے اس وہم کا ازالہ کر دیا گیا ہے اور رسول اللہ کہہ کر روحانی باپ ہونے کی وضاحت کر دی گئی ہے۔

آپ ﷺ کے بعد چونکہ کسی نبی نے نہیں آنا جو آ کر ان مسائل کی وضاحت کرے گا یا عملی نمونہ پیش کرے گا لہٰذا تیسرے حصّے میں آپ ﷺ کے آخری نبی ہونے کی تصریح کر دی گئی ہے۔ گویا آخری نبی ہونے کے ناطے آپ ﷺ کی ذمہ داری ہے کہ اُمت کی راہنمائی کے لیے زندگی کا کوئی گوشہ تشنہ تعمیل نہ چھوڑا جائے اور ہر خدائی حکم پر عمل کر کے دکھا دیا جائے۔

چوتھے حصّے میں نکاح کے مذکورہ بالا مسئلے کی حکمت اور مصلحت کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ باخبر ہے کہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں اور آپ ﷺ کے آخری نبی ہونے کی وجہ سے عملی نمونہ پیش کرنا ضروری تھا۔ نیز اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ آخری نبی بنائے جانے کے لائق کون سی ہستی ہے۔ تقریباً یہ ساری بحث تفسیر کبیر جلد ۹ صفحہ ۱۷۱ پر بھی موجود ہے اور دوسرے بہت سے مفسرین نے بھی مختصراً ایسی بات بیان فرمائی ہے۔

خاتَم (ت کے زبر کے ساتھ) اور خاتِم (ت کے زیر کے ساتھ) دونوں قرأتیں منقول ہیں (بغوی جلد ۳ صفحہ ۵۴۳)۔ قاعدہ یہ ہے کہ مختلف قرأتوں کی صورت میں مفہوم ایک ہی رہنا چاہیے۔ خاتَم (ت کی زبر کے ساتھ) کے کئی لغوی معنی ہیں۔ مثلاً آخری، مُہر، انگوٹھی، گھوڑے کے پاؤں کی سفیدی وغیرہ۔ ان میں سے "آخری" والا معنی خاتِم (ت کی زیر کے ساتھ) سے مطابقت رکھتا ہے۔ گویا دوسری قرأت نے خاتم کا معنی باندھ کر دکھا دیا اور فضول ہیرا پھیری کے تمام راستے بند کر دیے۔

ختمِ نبوت پر مزید قرآنی آیات

نبی کریم ﷺ کی رسالت پوری کائنات کیلئے ہے۔ کوئی علاقہ اور کوئی قوم رحمۃ للعلمین ﷺ کی پہنچ سے باہر نہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا یعنی فرما دیں اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں (الاعراف: ۱۵۸)۔

آپ ﷺ کی تعلیمات کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ علم و ہنر اور رشد و ہدایت کا کوئی گوشہ اس معلّم کتاب و حکمت ﷺ کے فیض سے محروم نہیں۔ سیاست و معیشت، اخلاق و معاشرت، سائنس و

طب، تعلیم و اصلاح وغیرہ کے تمام پہلوؤں میں آپ ﷺ نے مکمل راہنمائی فراہم کر دی ہے۔

آپ ﷺ کے تشریف لانے کے ساتھ ہی کاغذ کی ایجاد، ڈاک سسٹم کی ترویج اور آہستہ آہستہ مواصلاتی نظام کی بے پناہ ترقی سے پوری دُنیا باہم مربوط ہو چکی ہے۔ جس سے ایک ہی پیغام کو عالمی سطح پر مشتہر کرنا بالکل آسان ہو چکا ہے۔ عالمگیر نبوت کا پیغام عالمی سطح تک پھیلانے کا یہ خُدائی بندوبست ہے۔ سائنس کی یہ ترقی ختم نبوت کے ساتھ بڑا گہرا تعلق رکھتی ہے۔ پھر بھی جدید پیش آنے والے مسائل کو حل کرنے کے لیے قرآن وسنت کی روشنی میں اجتہاد و استنباط کا مکمل سسٹم جاری کر دیا گیا ہے۔ اس منصوبے کی قیامت تک کے لیے حتمی حیثیت کے پیش نظر اللہ کریم نے اعلان فرمادیا اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْناً (المائدہ:۳) یعنی آج میں نے تمہاری خاطر تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا۔

گویا اجتہاد کا قیامت تک کے لیے جاری ہو جانا بھی ختم نبوت کی بڑی واضح دلیل ہے۔

اسکے علاوہ کفار کے خلاف حتمی کارروائی کے طور پر جہاد کا حکم بھی ختم نبوت سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف میں نبی کریم ﷺ پر نازل ہونے والی وحی کے بعد کسی دوسری آسمانی تعلیم کا ذکر نہیں کیا گیا، بلکہ اس کے بعد قیامت کا ذکر کیا گیا ہے۔ فرمایا وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ (البقرۃ:۴) یعنی متقی وہ ہیں جو آپ ﷺ پر نازل ہونے والے اور آپ ﷺ سے پہلے نازل ہونے والے پر ایمان رکھتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

اس آیت میں آپ ﷺ سے پہلے نازل ہونے والی آسمانی وحی کا بھی ذکر ہے اور خود آپ ﷺ پر نازل ہونے والی آسمانی وحی کا بھی ذکر ہے۔ لیکن آپ ﷺ کے بعد میں نازل ہونے والے آسمانی احکام کی بجائے فرمایا وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ یعنی وہ آخرت پر پورا یقین رکھتے ہیں۔ پورا قرآن پڑھ کر دیکھ لیجیے آخرت اور یوم آخرت کے الفاظ قیامت کے معنی میں ہی استعمال

ہوتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اب قیامت تک کے لیے نبوت اور وحی نبوت کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔

ختم نبوت پر احادیث

یہ گزارش اچھی طرح یاد رکھیے کہ قرآن کے معانی و مفاہیم نبی کریم ﷺ کی احادیث کی روشنی میں ہی معلوم کیے جاسکتے ہیں۔ ہر زبان میں ایک ایک لفظ کے کئی کئی معانی ہوا کرتے ہیں۔ عربی زبان میں یہ احتمال اور بھی زیادہ موجود ہے۔ خصوصاً قرآن میں تو زبردست احتمالات ہُوا کرتے ہیں۔ مثلاً: صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم اور حج وغیرہ کے لفظی معنی بالترتیب رحمت، پاکیزگی، رُکنا اور غلبہ ہیں۔ اب یہ الفاظ بول کر اللہ تعالیٰ نے کیا کہنا چاہا ہے؟ اس بات کا فیصلہ لغت (Dictionary) نہیں دے سکتی۔ یہ فیصلہ نبی کریم ﷺ کے ارشادات سے ہی ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ آپ ﷺ اس کتاب کے معلم ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (النحل: ۴۴) یعنی ہم نے یہ قرآن آپ ﷺ پر اس لیے نازل کیا ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کو اس کی وضاحت کریں جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے۔

یہ ایمان اور نصیب کا ایسا موڑ ہے کہ اگر سوچ کا سٹیرنگ حدیث کو چھوڑ کر صرف لُغت کی طرف مڑ گیا تو وہ زمانہ در زمانہ اور علاقہ در علاقہ بدلتی رہنے والی لُغت کے سنگلاخ جنگلوں میں بھٹک گیا اور اگر کسی کی سوچ کا رُخ حدیثِ رسول ﷺ کی طرف ہو گیا تو اُسے ایک فیصلہ کن چیز (یعنی حکمت) ہاتھ آ گئی اور وہ قرآن کے حقیقی معنی اور منشائے خداوندی سے آگاہ ہو گیا۔ اس اِنتباہ کے بعد مندرجہ ذیل احادیث کا مطالعہ کیجیے:

﴿حدیث نمبر 1﴾۔ كَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِيْلَ تَسُوْسُهُمُ الْاَنْبِيَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهٗ نَبِيٌّ وَاِنَّهٗ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ وَسَيَكُوْنُ خُلَفَاءُ فَيَكْثُرُوْنَ قَالُوْا فَمَا ذَا تَأْمُرُنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ فُوْا بَيْعَةَ الْاَوَّلِ فَالْاَوَّلِ اَعْطُوْا حَقَّهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ (بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۹۱، مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۲۶، مشکوٰۃ صفحہ ۳۲۰، المستدرک صفحہ ۶)۔

ترجمہ:۔ بنی اسرائیل میں لوگوں کی اصلاح کا کام انبیاء کے ذمے تھا۔ ایک نبی کے بعد دوسرا نبی آ جاتا تھا۔ لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ بلکہ اب خلفاء ہوں گے اور کثرت سے ہوں گے۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! پھر ہمارے لیے کیا حکم ہے۔ فرمایا پہلے کی بیعت نبھاؤ بس پہلے کی بیعت نبھاؤ۔ تم ان کا حق ادا کرتے رہو۔ اللہ ان سے ان کی رعایا کے بارے میں خود پوچھ لے گا۔

اس حدیث میں ختم نبوت کی وضاحت چار طرح سے کردی گئی ہے۔

(ا) بنی اسرائیل کے پے در پے آنے والے انبیاء علیہم السلام کی بجائے لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کے الفاظ فرمائے گئے۔ اس سے ظل اور بروز وغیرہ کی جڑ کٹ گئی۔

(ب) کثرت سے خلفاء کا ہونا بھی اس بات کو واضح کر رہا ہے کہ خلفاء سے مراد انبیاء نہیں ہیں۔ ورنہ چودہ سو سال میں کثرت سے انبیاء آ چکے ہوتے۔

(ج) ''پہلے خلیفہ کی بیعت نبھانے'' کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ ایک ہی شخص کئی خلفاء کا زمانہ پائے گا۔ خلفاء کا یہ تسلسل بھی ختم نبوت میں کسی ظلی اور بروزی رخنہ اندازی کی اجازت نہیں دیتا۔

(د) ''تم اُن کا حق ادا کرتے رہو۔ اللہ اُن سے اُن کی رعایا کے بارے میں خود پوچھ لے گا''۔ ان الفاظ سے معلوم ہوا کہ ان خلفاء سے خطا کے سرزد ہونے کا امکان ہوگا اور وہ معصوم نہیں ہوں گے اور جو معصوم نہ ہو وہ نبی نہیں ہوتا۔

﴿حدیث نمبر 2﴾۔ اِنَّ مَثَلِی وَمَثَلَ الْاَنْبِیَآءِ مِنْ قَبْلِی کَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰی بَیْتًا فَاَحْسَنَہٗ وَاَجْمَلَہٗ اِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَۃٍ مِنْ زَاوِیَۃٍ فَجَعَلَ النَّاسُ یَطُوفُوْنَ بِہٖ وَیَتَعَجَّبُوْنَ لَہٗ وَیَقُوْلُوْنَ ھَلَّا وُضِعَتْ ھٰذِہِ اللَّبِنَۃُ قَالَ فَاَنَا اللَّبِنَۃُ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ (بخاری جلد ا صفحہ ۵۰۱، مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۴۸، ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۰۲، المستد صفحہ ۷)۔

ترجمہ:۔ میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے ایک آدمی نے حسین وجمیل محل بنایا ہو مگر کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی ہو۔ لوگ آ کر اس محل میں گھوم پھر کر دیکھتے ہیں اور اس کی خوبصورتی پر حیران ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ایک اینٹ کی جگہ کیوں خالی ہے۔ بس میں وہ

آخری اینٹ ہوں۔اور میں خاتم النبیین ہوں۔

﴿حدیث نمبر 3﴾۔سَیَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ کَذّٰابُوْنَ ثَلَاثُوْنَ کُلُّھُمْ یَزْعَمُ اَنَّہٗ نَبِیٌّ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ (ترمذی جلد۲صفحہ۴۵، بخاری جلد۱صفحہ۵۰۹، مسلم جلد۲صفحہ۳۹۷، ابوداؤد جلد۲صفحہ۲۲۸)۔

ترجمہ:۔میری اُمت میں تیس جھوٹے شخص ہوں گے، ان میں سے ہر ایک نبوت کا دعویٰ کرے گا۔حالانکہ میں آخری نبی ہوں۔میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

﴿حدیث نمبر 4﴾۔اِنَّ الرِّسَالَۃَ وَالنُّبُوَّۃَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِی وَ لَا نَبِیَّ (ترمذی جلد۲صفحہ۵۳، المستدرک صفحہ۷)۔

ترجمہ:۔بلاشبہ رسالت اور نبوت دونوں منقطع ہو چکی ہیں۔اب میرے بعد نہ تو کوئی رسول ہوگا اور نہ کوئی نبی۔

﴿حدیث نمبر 5﴾۔بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَۃُ کَھَاتَیْنِ (بخاری جلد۲صفحہ۹۶۳، مسلم جلد۲صفحہ۴۰۶)۔

ترجمہ:۔میں اور قیامت دو انگلیوں کی طرح جڑے ہوئے ہیں (یعنی میرے اور قیامت کے درمیان کوئی نبی نہیں)۔

﴿حدیث نمبر 6﴾۔اَنَا الْعَاقِبُ وَالْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لَیْسَ بَعْدَہٗ اَحَدٌ (مسلم جلد۲صفحہ۲۶۱، المستدرک صفحہ۷)۔

ترجمہ:۔میں عاقب ہوں، اور عاقب وہ ہوتا ہے جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو، ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ عاقب وہ ہوتا ہے جس کے بعد ایک بھی نہ ہو۔

﴿حدیث نمبر 7﴾۔اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّا اِنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ (بخاری جلد۱صفحہ۵۲۶، مسلم جلد۲صفحہ۲۷۸، مشکوٰۃ صفحہ۵۶۳، المستدرک صفحہ۲۹)۔

ترجمہ:۔اے علی! کیا آپ خوش نہیں کہ آپ میرے وہی کچھ لگتے ہیں جو موسیٰ کے ہارون لگتے

تھے۔فرق صرف یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

﴿حدیث نمبر 8﴾۔لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ (ترمذی جلد۲صفحہ۲۰۹،مشکوٰۃ صفحہ۵۵۸،المستدصفحہ۲۸)۔

ترجمہ:۔اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن الخطاب ہوتا۔

ان احادیث میں نبی کریم ﷺ نے مثالیں دے دے کر اور الفاظ پھیر پھیر کر ختم نبوت کی وضاحت کی حد کر دی ہے۔آپ ان احادیث کا دوبارہ مطالعہ کر لیجیے۔آخر اس سے بڑھ کر کون سے الفاظ کا استعمال کیا جاتا،جس سے منکرینِ ختم نبوت کی تشفی ہوتی؟ نبی کریم ﷺ نے کہیں فرمایا" پے در پے انبیاء کی بجائے اب خلفاء ہوں گے"۔کہیں فرمایا:"انبیاء کے محل کی آخری اینٹ میں ہوں" کہیں فرمایا"لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ" کہیں فرمایا"نبوت ختم ہوگئی"۔کہیں فرمایا"میں اور قیامت دو انگلیوں کی طرح جڑے ہوئے ہیں" کہیں فرمایا"میں عاقب ہوں اور عاقب وہ ہوتا ہے جس کے بعد ایک نبی بھی نہ ہو" کہیں سیدنا علی المرتضیٰ ؓ کے حوالے سے ماتحت اور ظلی و بروزی نبوت کی نفی کر دی۔کہیں یہاں تک وضاحت کر دی کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن الخطاب ہوتا۔

ان تمام احادیث میں لفظ"خاتم" کی ایسی زبردست وضاحت کر دی گئی ہے کہ ایک بددماغ شخص کا دماغ بھی ٹھکانے پر آ جائے۔اس سے پہلے آپ خاتم کی دو قرأتوں کی بحث بھی پڑھ چکے ہیں۔

دنیا بھر کے مفسرین نے اس آیت کے تحت نبی کریم ﷺ کو آخری نبی تسلیم کیا ہے اور اس مسئلے پر پوری اُمت کا اجماع اور اتفاق چلا آ رہا ہے۔ہمارے عقائد کی مشہور درسی کتاب شرح عقائد نسفی میں لکھا ہے کہ ثَبَتَ اَنَّہٗ آخِرُ الْاَنْبِیَاءِ یعنی ثابت ہوگیا کہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں (شرح عقائد نسفی صفحہ۱۳۸)۔خاتم النبیین کی وضاحت کرتے ہوئے قاضی عیاض رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اِجْتَمَعَتِ الْاُمَّۃُ عَلٰی حَمْلِ ھٰذَا الْکَلَامِ عَلٰی ظَاھِرِہٖ وَاَنَّ مَفْھُوْمَہٗ الْمُرَادَ بِہٖ دُوْنَ تَاوِیْلٍ وَلَا تَخْصِیْص یعنی پوری اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ خاتم النبیین اور لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کے الفاظ اپنے ظاہر پر محمول ہیں اور ان میں کسی قسم کی تاویل اور تخصیص جائز نہیں (الشفاء جلد۲

صفحہ ۲۴۷)۔ مُلّا علی قاری علیہ الرحمۃ پوری اُمت کی کتابوں کا جائزہ لینے کے بعد فیصلہ لکھتے ہیں کہ دَعْوَی النُّبُوَّۃِ بَعْدَ نَبِیِّنَا ﷺ کُفْرٌ بِالْاِجْمَاعِ یعنی ہمارے نبی کریم ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنا کفر ہے اور اس پر پوری اُمت کا اجماع و اتفاق ہے (شرح فقہ اکبر صفحہ ۱۶۴)۔

جس قوم کے پاس ختمِ نبوت پر دلائل کا اس قدر ذخیرہ موجود ہو وہ یقیناً اس عقیدے کو اختیار کرنے میں حق بجانب ہے۔ اور وہ اس موضوع پر اللہ کی بارگاہ میں سُرخرو ہے۔

مرزا قادیانی کا اپنا بیان:۔ مرزا قادیانی لکھتے ہیں "میں نبوت کا مدعی نہیں، بلکہ ایسے مدعی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں" (آسمانی فیصلہ صفحہ ۳)۔

حیاتِ مسیح علیہ السلام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جسم سمیت آسمان پر اٹھائے جانا اور قیامت کی نشانی کے طور پر آسمان سے نازل ہونا قطعی دلائل سے ثابت ہے۔ ختمِ نبوت کی وضاحت کرتے ہوئے تمام مفسرین نے بیان کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ختمِ نبوت کے منافی نہیں۔ مدارک، خازن، بیضاوی، تفسیرات احمدیہ اور مظہری وغیرہ میں اس مسئلے کو تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔

مثلاً تفسیر مدارک کے الفاظ یہ ہیں: لَا یُنَبَّأُ اَحَدٌ بَعْدَہٗ وَعِیْسٰی مِمَّنْ نُبِّیَٔ قَبْلَہٗ یعنی آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی بنایا نہیں جائے گا جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُن میں سے ہیں جو آپ سے پہلے نبی بنا دیے گئے ہیں۔

تفسیر بیضاوی کے الفاظ یہ ہیں: وَلَا یَقْدَحُ فِیْہِ نُزُوْلُ عِیْسٰی بَعْدَہٗ لِاَنَّہٗ اِذَا نَزَلَ کَانَ عَلٰی دِیْنِہٖ، مَعَ اَنَّ الْمُرَادَ مِنْہُ اَنَّہٗ اٰخِرُ مَنْ نُبِّیَٔ یعنی نزولِ عیسیٰ ختمِ نبوت کے خلاف نہیں اسلئے کہ جب وہ نازل ہوں گے تو شریعت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر عمل کریں گے، اسکے علاوہ آخری نبی ہونے سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ سب سے آخر میں نبی بنائے گئے ہیں (بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۲۴۷)۔

تفسیر مظہری کے الفاظ یہ ہیں: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ختمِ نبوت کے منافی نہیں ہے۔اس لیے کہ جب وہ نازل ہوں گے تو نبی کریم ﷺ کی شریعت پر چلیں گے۔اسکے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ انکو نبی کریم ﷺ سے پہلے نبوت مل چکی ہے۔اللہ تعالیٰ نے آسمانی خبروں کا سلسلہ نبی کریم ﷺ پر ختم کر دیا ہے۔لیکن کسی سابق نبی کا باقی رہنا ختمِ نبوت کے خلاف نہیں ہے (مظہری جلد ۷ صفحہ ۳۵۱)۔

ہاں البتہ جس طرح مرزا قادیانی کی ایک نئی شخصیت نے کھڑے ہو کر نبوت اور مسیحیت کا دعویٰ کر دیا ہے، یہ ضرور ختمِ نبوت کے تمام اعلانات کے منافی ہے۔اب آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قیامت کی نشانی کے طور پر جسم سمیت واپس آنے کا ختمِ نبوت کے ساتھ ایک گہرا رشتہ ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان پر اٹھایا جانا اس آیت سے ثابت ہے: وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا (النسآء: ۱۵۷۔۱۵۹)۔

ترجمہ:۔اسے یہودیوں نے یقیناً قتل نہ کیا بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔تمام اہلِ کتاب اس کی موت سے پہلے پہلے اس پر ایمان لائیں گے اور وہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہو گا۔

یہاں قادیانی ایک سوال اٹھایا کرتے ہیں کہ اس آیت میں آسمان کا لفظ کہیں موجود نہیں۔اس کا جواب یہ ہے کہ ''اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا'' سے مراد آسمان پر اٹھانا ہی ہے۔ویسے تو اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے۔لیکن اسکی سلطنت کا ظہورِ کامل آسمانوں میں ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ خود کا آسمانوں میں ہونا بیان فرماتا ہے (تفسیر جامع البیان میں ہے: لِاَنَّ السَّمَآءَ مَحَلُّ ظُهُوْرِ سُلْطَانِهٖ : صفحہ ۵۲)۔یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو معراج کے لیے آسمان پر لے جایا گیا، ورنہ اللہ تعالیٰ تو زمین پر بھی موجود تھا۔قرآن پڑھیے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ءَ اَمِنْتُمْ مَّنْ

فِیْ السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِکُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا ھِیَ تَمُوْرُ (ملک:۱۶)۔اس آیت کا ترجمہ مرزا قادیانی کے بیٹے مرزا بشیر الدین نے اس طرح کیا ہے:

کیا آسمان میں رہنے والی ہستی سے تم اس بات سے امن میں آ گئے ہو کہ وہ تم کو دنیا میں ذلیل کرے (ترجمہ مرزا بشیر الدین)۔

یہاں مرزا بشیر الدین نے اللہ تعالیٰ کو صاف طور پر آسمان میں رہنے والی ہستی قرار دیا ہے۔اس سے اگلی آیت میں بھی ءَ اَمِنْتُمْ مَنْ فِیْ السَّمَآءِ کے الفاظ موجود ہیں۔اور مرزا بشیر الدین نے وہاں بھی یہی ترجمہ کیا ہے۔

حدیث شریف میں بھی یہی ہے کہ جو زمین پر ہیں تم ان پر رحم کرو اور جو آسمان پر ہے وہ تم پر رحم کرے گا (ابوداؤد، ترمذی، مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۳)۔

مرزا قادیانی خود بھی لکھتے ہیں کہ رَافِعُکَ اِلَیَّ کے یہ معنی ہیں کہ جب عیسیٰ فوت ہوئے تو ان کی روح آسمان پر اٹھائی گئی (ازالہ اوہام صفحہ ۲۲)۔

اب بتایئے کہ مرزا قادیانی نے آسمان کا لفظ کہاں سے نکالا۔اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح کو آسمان پر کیسے پہنچا دیا۔جو آپ کا جواب ہوگا وہی ہمارا جواب ہے۔

صحیح اور سیدھا طریقہ یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر کرتے وقت اس قسم کی ہیرا پھیری کی بجائے نبی کریم ﷺ کی ان احادیث کی طرف رجوع کیا جائے جو خالص اسی موضوع پر وارد ہوئی ہیں۔

اس آیت کی تشریح احادیث میں اس طرح بیان ہوئی ہے۔

(۱)۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اِنَّ عِیْسٰی لَمْ یَمُتْ وَاِنَّهٗ رَاجِعٌ اِلَیْکُمْ قَبْلَ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ یعنی عیسیٰ نہیں مرے بلکہ وہ قیامت سے پہلے پہلے تمہاری طرف واپس آنے والے ہیں (ابن جریر جلد ۳ جز ۳، صفحہ ۳۵۵، درِ منثور جلد ۲ صفحہ ۳۶، ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۵۰۵)۔

(۲)۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے کا واقعہ حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ: جب اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھانے کا ارادہ فرمایا تو عیسیٰ

علیہ السلام اپنے گھر کے چشمے پر نہا کر گھر سے نکلے۔ آپکے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ باہر بارہ حواری موجود تھے۔ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کون چاہتا ہے کہ میری جگہ قتل کیا جائے اور درجہ میں میرے ساتھ رہے۔ اس پر ایک نوجوان کھڑا ہو گیا اور خود کو اس کام کیلیے پیش کر دیا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا بیٹھ جا اور پھر عیسیٰ علیہ السلام نے دوبارہ وہی فرمایا۔ پھر وہی نوجوان کھڑا ہو گیا اور عرض کیا کہ میں حاضر ہوں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا پھر تو ہی وہ شخص ہے۔ اسکے فوراً بعد اس پر عیسیٰ علیہ السلام کی صورت ڈال دی گئی اور عیسیٰ علیہ السلام مکان کے روشندان سے آسمان پر اٹھا لیے گئے۔ یہودی عیسیٰ علیہ السلام کی گرفتاری کیلیے گھر میں داخل ہوئے اور اس حواری کو عیسیٰ سمجھ کر گرفتار کر لیا اور قتل کر کے صلیب پر لٹکا دیا۔ ابنِ کثیر فرماتے ہیں کہ اسکی سند صحیح ہے اور بہت سے سلف سے اسی طرح مروی ہے (مصنف ابنِ ابی شیبہ جلد ۸ صفحہ ۴۶۱، تفسیر ابنِ کثیر جلد ۱ صفحہ ۵۷۸)۔ مفہوماً یہی بات ابن جریر میں اختصار کے ساتھ موجود ہے (ابن جریر جلد ۴ جزء ۶ صفحہ ۱۸، ۱۹)۔

(۳)۔ ''اللہ کی قسم تم میں عیسیٰ ابنِ مریم ضرور نازل ہوگا۔ حکومت کرے گا، عدل کرے گا، صلیب کو توڑ دے گا اور خنزیر کو قتل کرے گا (یعنی صلیب پرستی اور خنزیر خوری ختم ہو جائے گی) جنگ بند کرے گا (یعنی امن عامہ کی وجہ سے جنگ کی ضرورت ہی نہ رہے گی)، دولت اس قدر بہائے گا کہ اسے کوئی بھی قبول نہ کرے گا۔ نوبت یہاں تک آ جائے گی کہ لوگ ایک سجدہ کرنا دُنیا اور اس کی ہر چیز سے بہتر سمجھیں گے''۔ پھر ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اگر چاہو تو یہ آیت پڑھ لو وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا کہ تمام اہل کتاب اس کی موت سے پہلے پہلے اس پر ایمان لائیں گے اور وہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوگا (بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۹۰، مسلم جلد ۱ صفحہ ۸۷، ترمذی جلد ۲ صفحہ ۴۷، ابنِ ماجہ صفحہ ۲۹۹۔ واللفظ للبخاری، المسند صفحہ ۷۵)۔

(۴)۔ اللہ تعالیٰ مسیح ابنِ مریم کو بھیجے گا۔ وہ دمشق کے مشرقی سفید مینار کے پاس نازل ہوگا۔ اس نے دو زرد چادریں اوڑھی ہوں گی۔ دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوں گے۔ جب اپنے سر کو جھکائے گا تو اس میں سے قطرے ٹپکیں گے اور جب سر اٹھائے گا تو جواہرات جیسے موتی

گریں گے۔ اس کے سانس کی ہوا جس کافر تک پہنچے گی وہ مر جائے گا۔ وہ دجّال کو لُد کے دروازے کے پاس پکڑ کر قتل کر دے گا (مسلم جلد۲ صفحہ ۴۰۱۔۴۰۳، ترمذی جلد۲ صفحہ ۴۸، ابن ماجہ صفحہ ۲۹۷)۔ واضح رہے کہ لُد آجکل اسرائیل کی ایک ائرپورٹ کا نام ہے۔

(۴)۔ یَنْزِلُ اَخِیْ اِبْنُ مَرْیَمَ مِنَ السَّمَآءِ یعنی میرا بھائی ابنِ مریم آسمان سے نازل ہو گا (کنز العمال جلد۷ صفحہ ۲۶۸، مجمع الزوائد جلد۷ صفحہ ۳۴۹، المستدرک صفحہ ۷۵)۔

(۵)۔ حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق ﷜ کے دور میں حضرت سعد بن ابی وقاص قادسیہ کے حاکم تھے۔ انہوں نے حضرت نضلہ بن معاویہ انصاری کو تین سو سوار دے کر حلوان عراق کی طرف مالِ غنیمت لوٹنے کیلئے بھیجا۔ وہ اپنے مشن میں کامیاب ہو کر واپس آرہے تھے کہ راستے میں عصر کی نماز کیلئے اذان دی۔ جب وہ اذان کہنے لگے تو اچانک حلوان کے پہاڑوں میں سے اذان کا جواب سنائی دینے لگا۔ جب نضلہ اذان سے فارغ ہوئے تو سب لوگ کھڑے ہو کر کہنے لگے کہ اللہ تجھ پر رحم کرے، تو جو کوئی بھی ہے ہمارے سامنے آکر اپنی صورت دکھا۔ کیونکہ یہ لشکر رسول اللہ ﷺ اور عمر ابنِ خطاب کا بھیجا ہوا ہے۔ اس پر ایک شخص کا سر پہاڑ کے شگاف سے ظاہر ہوا۔ اسکے سر اور داڑھی کے بال سفید تھے اور اس نے اون کے دو پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اس نے سامنے آکر سلام کہا اور لوگوں نے اس کے سلام کا جواب دیا۔ لوگوں نے پوچھا تو کون ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میرا نام زریت بن برتملا ہے۔ میں اللہ کے نیک بندے عیسیٰ ابنِ مریم کا وصی ہوں۔ انہوں نے مجھے اس پہاڑ میں ٹھہرایا ہے اور میرے لیے آسمان سے نازل ہونے کے وقت تک زندہ رہنے کی دعا فرمائی ہے۔ میری طرف سے عمر کو سلام کہنا اور اسے میری طرف سے بتا دینا کہ قیامت قریب ہے۔ اس کے بعد وہ غائب ہو گیا اور لوگ اسے نہ دیکھ سکے۔ پھر نضلہ نے یہ سارا واقعہ حضرت سعد بن ابی وقاص کی طرف لکھا اور انہوں نے حضرت فاروقِ اعظم کی طرف لکھا۔ حضرت فاروقِ اعظم نے اس کے جواب میں حضرت سعد کو لکھا کہ آپ بھی مہاجرین و انصار کی ایک جماعت لے کر اس پہاڑ پر جائیں اور اگر زریت بن برتملا سے ملاقات ہو جائے تو میری طرف سے انہیں سلام کہیں۔ چنانچہ حضرت سعد چار ہزار مہاجرین و انصار

کو لے کر اس پہاڑ پر گئے اور چالیس دن تک ہر نماز کے لیے اذان پڑھتے رہے مگر انہیں کوئی جواب یا آواز سنائی نہ دی (فتوحاتِ مکیہ جلد ۱، ازالۃ الخفا جلد ۲ صفحہ ۱۶۷۔۱۶۸)۔ شیخ اکبر قدس سرہٗ اپنے کشف کے ذریعے فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

ردِّ عیسائیت اور حیاتِ مسیح علیہ السلام

عیسائیوں نے جب کبھی اسلامی تعلیمات پر کوئی اعتراض کیا تو اہلِ اسلام نے ہمیشہ اس کا منہ توڑ جواب دیا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے سامنے کسی عیسائی نے یہ سوال رکھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر موجود ہیں جبکہ آپ کے نبی زمین میں دفن ہیں۔ لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کے نبی سے افضل ہوئے۔ آپؒ نے فرمایا اگر اس طرح اوپر جانے سے افضلیت ثابت ہوتی ہو تو پھر پانی کا بلبلا موتیوں سے افضل ہونا چاہیے۔ کیونکہ بلبلا پانی کے اوپر رہتا ہے جبکہ موتی پانی کی تہ میں بیٹھا ہوتا ہے۔ عیسائی نے یہ سوال ایک شعر کی صورت میں کیا تھا۔ اور شاہ صاحب نے اس کا جواب بھی شعر میں ہی دیا تھا۔ دونوں شعر ملاحظہ کیجیے:

﴿سوال﴾ کسے بگفت کہ عیسیٰ زِ مصطفیٰ اعلیٰ است
کہ ایں بزیرِ زمیں دفن وآں باوجِ سما است

﴿جواب﴾ بگفتمت کہ نہ ایں حجت قوی باشد
حباب برسرِ آب و گوہر تہِ دریا است

مرزا قادیانی کو بھی شروع شروع میں عیسائیت کے رد کا بہت شوق تھا۔ لیکن ایسے کاموں کیلئے لیاقت اور مستقل مزاجی کی ضرورت ہوتی ہے۔ مرزا قادیانی سے جب عیسائیوں کے اس قسم کے اعتراضات کے جواب نہ بن سکے تو چاہیے تو یہ تھا کہ وہ وقت کے علماء اور مشائخ کی طرف رجوع کرتے اور ان سے رہنمائی لیتے۔ لیکن مرزا قادیانی نے اس کے برعکس یہ ترکیب نکالی کہ حیاتِ مسیح علیہ السلام کا سرے سے انکار ہی کر دیا جائے۔ نہ بچے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔ چنانچہ وہ خود اپنی کتاب کشتیٔ نوح میں یوں لکھتے ہیں خوب یاد رکھو کہ بجز موت مسیح، صلیبی عقیدہ (عیسائیت) پر

موت نہیں آسکتی (کشتی نوح صفحہ ۲۵)۔

لیکن مرزا قادیانی ان حقائق کو بھول گئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام باپ کے بغیر پیدا ہوئے تھے (سورۂ مریم وغیرہ) اور اللہ نے انکا نام روح اللہ اور کلمۃ اللہ رکھا ہے (آل عمران)۔ وہ اپنے ہاتھ سے مٹی کے پرندے بنا کر ان میں پھونک مارتے تھے تو وہ اصلی پرندہ بن جاتا تھا۔ وہ بیماروں کو شفا دیتے اور مردوں کو زندہ کر دیتے تھے (آل عمران)۔ کیا یہ سب باتیں عیسائیت کے ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدائی کو تقویت نہیں دے رہیں؟ کیا آپ ان تمام حقائق کا انکار محض اس لیے کر دیں گے کہ ان سے عیسائیت کو تقویت مل رہی ہے؟ قرآن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے خاندان کے حوالے سے پوری پوری سورتیں موجود ہیں (آل عمران، مائدہ اور مریم)۔ کیا ان سب کو بھی عیسائی دشمنی میں آ کر قرآن سے نکال باہر کریں گے؟

ایک سوال یہ بھی ہے کہ کیا مرزا قادیانی نے وفاتِ مسیح کا شوشا چھوڑ کر عیسائیوں کو مطمئن کر دیا ہے؟ کیا واقعی صلیبی عقیدے پر موت طاری کر دی گئی ہے؟ ہم دیکھتے ہیں کہ آج بھی عیسائی لوگ قادیانیت کو قبول کرنے کی بجائے دھڑا دھڑ اسلام کو قبول کرتے جارہے ہیں۔ اور مسلمانوں کا حیاتِ مسیح علیہ السلام کا عقیدہ اس کام میں رکاوٹ نہیں ڈال رہا۔ بلکہ زبردست مددگار ثابت ہو رہا ہے۔ جب انہیں معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کے قائل ہیں اور اسلام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عزت و آبرو موجود ہے تو ان کا دل اسلام کے لیے خود بخود نرم ہو جاتا ہے۔ اور خدا گواہ ہے کہ ہم یہ بات محض ہوائی اور بے بنیاد نہیں کر رہے بلکہ ہم نے خود عیسائیوں سے گفتگو کی ہے اور اپنے ذاتی تجربے کی بنیاد پر یہ بات عرض کر رہے ہیں۔

آج تک عیسائیوں نے حیاتِ مسیح سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلمانوں کو کبھی نقصان نہیں پہنچایا۔ یہ شوشا محض قادیانیوں نے خود چھوڑ رکھا ہے اور عیسائیوں کی مخالفت کا ڈھونگ رچائے بیٹھے ہیں۔ کسی عیسائی نے جو شعر فارسی زبان میں کہا تھا، قادیانی وہی بات اردو کے اس شعر میں کہتے ہیں:

غیرت کی جا ہے عیسیٰ زندہ ہو آسماں پر   مدفون ہو زمیں میں شاہِ جہاں ہمارا

اس شعر کے لکھنے والوں نے یہ بھی نہیں سوچا کہ وہ اس شعر سے عیسائیت کی تردید کر رہے

ہیں یا تائید؟۔قادیانیوں کے اس عیسائی نما شعر کا ہم یوں جواب دیتے ہیں:

افضل ہے آسماں سے وہ سرزمین طیبہ   مدفون ہے جہاں پر شاہِ جہاں ہمارا

یہ شعر بھی میں نے پوری ذمہ داری سے لکھا ہے۔اس امر پر پوری امت کا اجماع ہے کہ آج جس جگہ سے ہمارے نبی کریم ﷺ کا جسم اطہر چھو رہا ہے وہ جگہ عرشِ عظیم سے بھی افضل ہے۔ کاش مرزا قادیانی عیسائیت کی تردید کیلئے گھر سے نکلنے سے پہلے وسیع مطالعہ اور مکمل تیاری کر لیتے۔

عیسائیوں کا کہنا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہود نے پھانسی پر لٹکا دیا اور ان کی موت واقع ہو گئی۔ یہ پورا واقعہ انجیل میں درج ہے۔دوسری طرف یہودی بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی پر لٹکا کر انہیں موت کے گھاٹ اتار دینے کے دعویدار ہیں۔

یہاں قادیانی بھی یہودیوں اور عیسائیوں کے ہم نوا ہیں۔قادیانی بھی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی پر لٹکایا گیا مگر ہوا یہ کہ ان کی موت واقع نہیں ہوئی، بلکہ وہ مُردے کی طرح ہو گئے۔ بعد میں جب ہوش میں آ چکے تو چپکے سے کشمیر کی طرف بھاگ آئے۔ یہاں سری نگر میں ان کی وفات ہوئی اور وہ سری نگر کے محلہ خان یار میں دفن ہیں۔قادیانیوں نے یہ سارا ڈھکوسلا عیسائیوں کی کتب اور آثارِ قدیمہ سے اخذ کرنے کی کوشش کی ہے۔اس کے برعکس قرآن کہتا ہے:

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ (النساء:۱۵۷) یعنی یہود نے عیسیٰ کو نہ تو قتل کیا اور نہ ہی پھانسی دیا۔

واضح رہے کہ اس آیت میں قرآن نے قتل اور پھانسی دونوں کی نفی کی ہے۔قتل کی واردات میں موت کا واقع ہو جانا ضروری ہوتا ہے جب کہ پھانسی کی واردات میں موت کا واقع ہو جانا ضروری نہیں ہوتا۔آج کل کے ہوشیار وکیلوں نے جب پھانسی (hang) کے لفظ میں پائی جانے والی اس گنجائش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مجرموں کو تختہ دار سے زندہ نیچے اتروانا شروع کر دیا تو قانون دانوں کو مجبوراً صرف پھانسی کی بجائے موت تک پھانسی (hang till death) کے الفاظ کا اضافہ کرنا پڑا۔اس کی وجہ یہی ہے کہ پھانسی میں موت کا مفہوم شامل نہ تھا۔اسی وجہ سے قرآن نے بھی قتل کا لفظ الگ اور پھانسی کا لفظ الگ استعمال کیا ہے۔یہاں سے صلیب پرستی کی جڑ کٹ جاتی ہے۔جب حضرت مسیح علیہ السلام صلیب کے قریب بھی نہیں گئے تو تم کس غلط فہمی

میں صلیب کی پوجا کرتے ہو؟ اسی عقیدہ مصلوبیت نے صلیب پرستی کو بنیاد فراہم کی تھی اور قادیانیوں نے صلیب توڑنے کی بجائے صلیب پرستی میں عیسائیوں کا ہاتھ بٹایا۔ آج اگر کوئی شخص صلیب کو توڑ کر دکھانا چاہتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ قرآنی الفاظ مَاصَلَبُوْہُ کی روشنی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مطلق صلیب پر چڑھنے کی نفی کرے تاکہ صلیب کو متبرک سمجھ کر اسکی پوجا کرنے کی بنیاد ختم ہو جائے اور صلیب پرستی کا صفایا ہو جائے۔

چلیے سب کچھ چھوڑیے۔ آپ عیسائیوں کو نیچا دکھانا چاہتے ہیں؟ ذرا انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا ملاحظہ کر لیجیے۔ جس میں وہ ہمارے نبی کریم ﷺ کی زیارت کی خواہش فرما رہے ہیں۔ آپ کا ردِّ عیسائیت کا شوق بھی پورا ہو جائے گا اور حیاتِ مسیح علیہ السلام کا عقیدہ بھی درست معلوم ہونے لگے گا۔ انصاف شرط ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا

انجیل برناباس کے الفاظ پڑھیے:

UNWORTHY THOUGH I AM TO UNTIE HIS HOSEN I HAVE RECEIVED GRACE AND MERCY FROM GOD TO SEE HIM

(BARNABAS:97-1)

ترجمہ:۔ اگرچہ میں اس کے جوتے کا تسمہ کھولنے کے قابل بھی نہیں ہوں، میں نے اللہ سے اس بات کی عاجزانہ دعا کی جو اس نے قبول کر لی کہ میں اس سے مل سکوں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا قبول ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی سنت اور قرآن کے مطابق فیصلے کریں گے (مسلم جلد ا صفحہ ۸۷)۔

وہ حج یا عمرہ کریں گے اور مکہ شریف سے مدینہ طیبہ تک سفر کریں گے (مسلم جلد ا صفحہ ۴۰۸)۔ مستدرک حاکم میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ لَيَهْبِطَنَّ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ حَكَماً عَدْلاً وَ اِمَاماً مُّقْسِطاً وَلَيَسْلُكَنَّ فَجّاً حَاجّاً اَوْ مُعْتَمِراً اَوْ بِنِيَّتِهِمَا وَلَيَأْتِيَنَّ قَبْرِیْ

حَتّٰی یُسَلِّمَ عَلَیَّ وَلَاُرُدَّنَّ عَلَیْہِ یعنی عیسیٰ ابنِ مریم ضرور بر ضرور نیچے اترے گا، حکومت کرے گا، عدل کرے گا، اور منصفانہ امامت کرے گا، اور حج یا عمرہ کے لیے ضرور سفر کرے گا، اور ضرور بر ضرور میری قبر پر آئے گا حتیٰ کہ مجھے سلام کہے گا اور میں ضرور بر ضرور جواب دوں گا۔ یہ حدیث بیان کرنے کے بعد حضرت ابو ہریرہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اے میرے بھائی جب تم حضرت عیسیٰ ابنِ مریم علیہ السلام کو دیکھو تو عرض کرنا کہ ابو ہریرہ آپ کو سلام پیش کرتا تھا۔ حاکم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے (مستدرکِ حاکم جلد۳ صفحہ ۱۹۷، المستند صفحہ ۷۶)۔

واضح رہے کہ مرزا قادیانی نے زندگی بھر نہ حج کیا اور نہ عمرہ۔

پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ اپنی کتاب سیفِ چشتیائی میں یہی حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

''ہم پیش گوئی کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ زادھا اللہ شرفا میں حاضر ہو کر سلام عرض کرنا اور جوابِ سلام سے مشرف ہونا، یہ نعمت قادیانی کو کبھی نصیب نہ ہوگی'' (سیفِ چشتیائی صفحہ ۱۰۸)۔

حضرت پیر صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس پیش گوئی کے بعد مرزا قادیانی چھ سال زندہ رہے مگر پیر صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس پیش گوئی کو غلط ثابت نہ کر سکے۔ اور حج و عمرہ کی سعادت سے بے نصیب رہے۔ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام مدینہ شریف میں نبی کریم ﷺ کے روضۂ اقدس میں دفن ہوں گے۔ اور قیامت کے روز نبی کریم ﷺ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں ایک ہی روضے میں سے سیدنا ابو بکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے بیچ میں سے اٹھیں گے (مشکوٰۃ صفحہ ۴۸۰، الوفا صفحہ ۸۱۴)۔

حضرت عبداللہ بن سلام ﷺ (جو سابق یہودی عالم تھے) فرماتے ہیں کہ تورات میں نبی کریم ﷺ اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کا ایک جگہ دفن ہونا لکھا ہوا ہے۔ ابو مودود فرماتے ہیں کہ آج بھی روضۂ اقدس میں ایک قبر کی جگہ خالی ہے (ترمذی، مشکوٰۃ صفحہ ۵۱۵، المستند صفحہ ۷۶)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب حضرت عیسیٰ ابنِ مریم نازل ہوں گے تو مسلمانوں کا امیر

انہیں نماز پڑھانے کی دعوت دے گا مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے کہ نہیں، اس اُمت کے اپنے لوگ ہی اس اُمت کی امامت کا حق رکھتے ہیں، اللہ نے اس اُمت کو یہ اعزاز بخشا ہے (مسلم جلد ۱ صفحہ ۸۷ عن جابر ﷺ)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ اے میری اُمت! تمہاری شان اس وقت کیا ہوگی جب عیسیٰ ابن مریم تم میں نازل ہوگا اور تمہارا امام تم میں سے ہوگا (بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۹۰، مسلم جلد ۱ صفحہ ۸۷ عن ابی ہریرۃ ﷺ، المستند صفحہ ۷۶)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ كَيْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ مِنَ السَّمَآءِ فِيْكُمْ وَاِمَامُكُمْ مِنْكُمْ یعنی تمہاری شان اُس وقت کیا ہوگی جب عیسیٰ ابنِ مریم تم میں آسمان سے نازل ہوں گے اور تمہارا امام تم میں سے ہوگا (بیہقی کتاب الاسماء والصفات صفحہ ۳۰۱، المستند صفحہ ۷۶)۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر تشریف لے جانے اور نبی کریم ﷺ کے اُمتی ہونے کا شرف حاصل کرنے کے لیے دوبارہ تشریف لانے میں نبی کریم ﷺ کی جو شان پوشیدہ ہے وہ ان تمام دلائل سے اچھی طرح واضح ہو رہی ہے اور اس میں اُمتِ مسلمہ کے لیے جو اعزاز پنہاں ہے اس پر ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

اللہ کریم جل شانہٗ کا ارشاد ہے وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ یعنی عیسیٰ قیامت کی نشانی ہے (الزخرف: ۶۱)۔ اس آیت کی ایک قرأت عَلَمٌ (ع اور ل کے زبر کے ساتھ) بھی ہے اور یہ قرأت حضرت ابنِ عباس، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے (بغوی جلد ۴ صفحہ ۱۴۳)۔ جس سے اس آیت کا مفہوم نکھر کر سامنے آ گیا ہے۔ اور حدیث شریف میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ اس آیت میں قیامت کی نشانی سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابنِ عباس ﷺ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے مراد حضرت عیسیٰ ابنِ مریم کی قیامت سے پہلے تشریف آوری ہے (مصنف ابنِ ابی شیبہ جلد ۷ صفحہ ۴۶۱، مسندِ احمد جلد ۱ صفحہ ۳۱۴)۔

ظہورِ مہدی

حدیث شریف میں ہے کہ یہ اُمت کس طرح ہلاک ہوسکتی ہے۔ جس کے شروع میں میں ہوں، درمیان میں مہدی اور آخر میں عیسیٰ ہے (مشکوٰۃ صفحہ ۵۸۳، المستند صفحہ ۷۰)۔

اس حدیث سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت امام مہدی ﷺ دو الگ الگ شخصیتیں ہیں۔ جبکہ مرزا قادیانی کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ خود ہی عیسیٰ بھی ہیں اور وہی مہدی بھی ہیں۔ دوسرے یہ معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوبارہ تشریف آوری اس اُمت کے لیے اعزاز ہی اعزاز ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا مہدی میری عترت سے ہوگا۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد سے ہوگا (ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۴۰، ابن ماجہ صفحہ ۳۰۰، مشکوٰۃ صفحہ ۴۷۰، المستند صفحہ ۶۹)۔

اس حدیث میں حضرت امام مہدی ﷺ کا رسول اللہ ﷺ کی آلِ میں سے ہونا صراحۃً مذکور ہے اور ''حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد'' کے الفاظ تمام تاویلاتِ بعیدہ کا دروازہ بند کر رہے ہیں اور مرزا قادیانی کے مُغل (مرزا) ہونے کے وجہ سے انکی مہدویت کو پاش پاش کر رہے ہیں۔

سیدنا علی المرتضیٰ ﷺ فرماتے ہیں کہ میرے بیٹے حسن کو نبی کریم ﷺ نے سید قرار دیا ہے۔ اس کی پشت میں سے ایک آدمی پیدا ہوگا جو نبی کریم ﷺ کا ہمنام اور ہم اخلاق ہوگا مگر صورت مختلف ہوگی۔ وہ زمین کو عدل سے بھر دے گا (ابوداؤد، مشکوٰۃ صفحہ ۴۷۱)۔

قادیانی حضرات اپنے مرزا قادیانی کی مہدویت کو ثابت کرنے کیلئے حدیث کا ایک ٹکڑا ''لَا مَهْدِیَّ اِلَّا عِیْسٰی'' پڑھ دیا کرتے ہیں۔ یعنی عیسی کے سوا کوئی مہدی نہیں۔ اسکا جواب یہ ہے کہ یہ پوری حدیث اس طرح ہے: لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا عَلٰی شِرَارِ النَّاسِ وَلَا الْمَهْدِیُّ اِلَّا عِیْسَی ابْنُ مَرْیَم یعنی قیامت شریر ترین لوگوں پر قائم ہوگی اور اس وقت عیسیٰ ابن مریم کے سوا کوئی ہدایت پر نہ ہوگا۔

اس مکمل حدیث کو پڑھنے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس حدیث میں مہدی کا

لفظ عربی زبان کے لفظ کے طور پر اپنے لفظی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اور یہاں مہدی سے مراد امام مہدی نہیں ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ صفت کا حصر ذات میں جائز ہے جیسے لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه اور ذات کا حصر صفت میں بھی جائز ہے جیسے مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْل ۔مگر ذات کا حصر ذات میں یا صفت کا حصر صفت میں نہیں ہوا کرتا۔ مرزا قادیانی کا ذاتی نام غلام احمد ہے اور وہ مسیحیت اور مہدویت کی صفات سے متصف ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ اگر مسیحیت اور مہدویت دونوں ان کی صفات ہوں تو لَاالْمَهْدِیُّ اِلَّا عِیْسیٰ میں صفت کا حصر صفت میں لازم آئے گا اور یہ باطل ہے۔

شناخت

ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ قرآن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام مسیح ابنِ مریم اور عیسیٰ ابنِ مریم کی تصریح کے ساتھ آیا ہے۔ قیامت کے نزدیک نازل ہونے والے مسیح کو بھی احادیث میں وہی عیسیٰ ابنِ مریم یعنی "مریم کا بیٹا عیسیٰ" کے صاف الفاظ سے متعارف کرایا گیا ہے۔ مرزا قادیانی اپنے دعوے سے مسیح تو بن بیٹھے لیکن مریم کا بیٹا بن کے دکھانا مشکل ہو گیا۔ مرزا قادیانی اپنی اس مشکل کو حل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "استعارے کے رنگ میں مجھے مریم بنایا گیا، پھر مجھے حمل ہوا، پھر مجھ سے عیسیٰ پیدا ہوا، وہ پیدا ہونے والا عیسیٰ بھی میں خود ہی تھا، اس طرح میں عیسیٰ ابنِ مریم ٹھہرا" (کشتی نوح صفحہ ۶۸ تا ۶۹)۔

جب ان سے پوچھا گیا کہ احادیث میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول دمشق میں بتایا گیا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ دمشق سے مراد قادیان ہے۔ جو دمشق سے مشابہت رکھتا ہے (حاشیہ ازالہ اوہام صفحہ ۶۳ تا ۷۳)۔

احادیث کی روشنی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول سفید مینار کے پاس ہوگا۔ ان صاحب نے اس طرح کا مینار خود آکر قادیان میں تعمیر کرالیا، اور خانہ پُری مکمل کر لی۔

جب ان سے پوچھا گیا کہ حدیث شریف کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو لُد

کے دراز ے پر قتل کریں گے تو ان صاحب نے جواب دیا کہ لُد سے مراد لدھیانہ ہے اور دجّال کو قتل کرنے سے مراد مخالفین کو علمی طور پر شکست دینا ہے (الہدیٰ صفحہ ۹۱)۔

اور جب ان سے پوچھا گیا کہ قرآن شریف کی روشنی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بیماروں کو شفا دینا اور مردوں کو زندہ کرنا ثابت ہے آپ بھی یہ سارے کام کر کے اپنی مسیحیت کو ثابت کریں، تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ سب مسمیرزم (ایک قسم کا جادو) تھا۔ اگر میں ان چیزوں کو جائز سمجھتا تو کسی طرح عیسیٰ ابنِ مریم سے کم نہ رہتا (ازالہِ اوہام صفحہ ۱۲۸)۔

فردِ واحد کے مختلف دعوے

قادیان میں جن صاحب نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے ان کا کہنا ہے کہ وہی محمد رسول اللہ ہیں (ایک غلطی کا ازالہ صفحہ ۴)۔

اور وہی مسیح ابن مریم ہیں (حقیقت الوحی وازالہِ اوہام وغیرہ)۔

اور وہی امام مہدی ہیں (سیرت المہدی وغیرہ)۔

ان کی کتابوں میں کہیں صرف مجدد ہونے کا دعویٰ موجود ہے، کہیں باقاعدہ نبوت کا اعلان پایا جاتا ہے (ازالہِ اوہام اور ایک غلطی کا ازالہ وغیرہ)۔

اور کہیں مرزا قادیانی لکھتے ہیں "میں نبوت کا مدعی نہیں، بلکہ ایسے مدعی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں" (آسمانی فیصلہ صفحہ ۳)۔

کوئی دوسرا ان کے متضاد بیانات کو کیا سمجھے گا۔ خود ان کے ماننے والے بھی اس چکر کو نہ سمجھ سکے اور وہ دو فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک فرقہ صرف مجددیت کا قائل ہے جسے لاہوری گروپ کہا جاتا ہے۔ اور دوسرا فرقہ نبوت و مسیحیت کا قائل ہے جسے قادیانی گروپ کہا جاتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کو احمدیت سے خارج سمجھتے ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف لٹریچر شائع کرتے ہیں۔ یہ مسئلہ اچھا خاصا اُلجھا ہوا ہے اور انکے مذہب میں داخل ہونے والے ایسے نئے لوگوں کے لیے سخت پریشانی کا باعث ہے، جو ذرا سی بھی سوجھ بوجھ رکھتے ہیں۔ بلکہ اب تو ان کے اپنے نوجوانوں میں بھی ہیجان اور چہ میگوئیاں شروع ہو چکی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ مرزا قادیانی کا اپنا لٹریچر

اپنے نوجوان طبقے سے چھپا کر رکھتے ہیں۔اورانہیں صرف بعد کا لکھا ہوا محتاط لٹریچر پڑھاتے ہیں۔

بعض قادیانیوں نے مرزا قادیانی کی ان تضاد بیانیوں سے جان چھڑانے کے لیے ان میں تطبیق دینے کی ناکام کوشش کی ہے۔ہم نے ان کی باتوں کا بغور جائزہ لیا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ ایسی تمام کاوشیں محض وفاداری کا ثبوت تو کہلا سکتی ہیں مگر صحیح تطبیق نہیں کہلا سکتیں۔قادیانیوں کے لاہوری گروپ کا وجود میں آجانا اس مسئلے کے ناقابل حل ہونے کا واضح ثبوت ہے۔اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے۔

ضَبطُ الْکَلَامِ فِیْ رَدِّ الْغُلَامِ

ذیل کی سطور میں ہم نے قادیانیت کے موضوع پر باقاعدہ علم کلام کی بنیاد رکھ دی ہے۔ عین ممکن ہے کہ عوام الناس بعض باتوں کو سمجھنے سے قاصر رہیں۔لیکن دینی مدارس کے طلباء کو بطورِ نصاب اس کا پڑھایا جانا ازحد مفید ہوسکتا ہے۔اس غرض سے اگر کوئی عالمِ دین اس ''ضبط الکلام'' کو الگ چھاپنا چاہیں، یا اس کی شرح لکھنا چاہیں تو فقیر کی طرف سے اس کی اجازت ہے۔بشرطیکہ اس موضوع پر ان کا مطالعہ وسیع ہو۔

(۱)۔ حدیث شریف کی موجودگی میں قرآن کا مفہوم لغت سے متعین کرنا باطل ہے۔مثلاً صلوۃ، زکوۃ، صوم، حج، خاتم اور رفع وغیرہ میں حدیث کو چھوڑ کر محض لغت کی روشنی میں منشاءِ خداوندی تک نہیں پہنچا جاسکتا۔نبی کریم ﷺ پر قرآن نازل ہی اس لیے ہوا ہے کہ وہ اس قرآن کی وضاحت فرمائیں (النحل: ۴۴)۔حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حدیث کو جاننے والے قرآن کی دوسروں سے زیادہ سمجھ رکھتے ہیں۔ جو لوگ تم سے قرآن کے ذریعے بحث کرتے ہیں تم انہیں حدیث کے ذریعے پکڑا کرو (الشفا جلد۲ صفحہ۱۱)۔

(۲)۔ دلیل قطعی، عبارت النص اور محکم کے مقابلے پر اشارے، انکل یا متشابہ کے ذریعے کھینچا تانی کرنا اور محکم کو متشابہ کی طرف لوٹانا غلط ہے۔جیسے: بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ کے مقابلے پر قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وغیرہ سے استدلال یا آیت ختم نبوت کے مقابلے پر درود ابراہیمی سے

استدلال۔ یہ آیات اور احادیث اس موضوع پر وارد ہی نہیں ہوئیں جس موضوع پر انہیں زبردستی چسپاں کیا جا رہا ہے۔ یہ محض "چونکہ۔ چنانچہ" کا چکر ہے۔ جو اس پوائنٹ کو سمجھ گیا سو سمجھ گیا اور جو پھسل گیا سو پھسل گیا۔

(۳)۔ ہم بائبل کو محرف (تبدیل شدہ) سمجھ کر اس میں نبی کریم ﷺ کی بشارات کا کھوج جس طریقے سے لگاتے ہیں وہی طریقہ قادیانیوں نے قرآن کے معاملے میں بھی شروع کر رکھا ہے۔ حالانکہ قرآن جیسی محفوظ کتاب میں سے عقیدہ ثابت کرنے کے لیے تصریح اور عبارت کا پایا جانا ضروری ہے۔

(۴)۔ دلیل کا دعویٰ کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ قادیانی غیر مستقل نبوت کے قائل ہیں۔ جبکہ ان کی ہر دلیل سے مستقل نبوت کا دروازہ بھی کھل جاتا ہے۔

(۵)۔ سیاق وسباق کو چھوڑ کر آیت یا حدیث کا مفہوم متعین کرنا درست نہیں۔ جیسے سنن ابن ماجہ کی حدیث: وَلَا الْمَهْدِيُّ اِلَّا عِيْسیٰ کا پہلا جملہ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا عَلیٰ شِرَارِ النَّاسِ چھوڑ دینا۔ یا صحیح بخاری میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حلیہ بیان کرتے وقت حدیث بَيْنَمَا اَنَا نَائِمٌ کا پہلا جملہ لَا وَاللّٰهِ مَا قَالَ النَّبِيُّ بِعِيْسیٰ اَحْمَرَ وَلٰكِنْ قَالَ کھا جانا۔ یا سیدنا ابن عباس ﷛ کا قول مُمِيْتُكَ پیش کرتے وقت ان کے مشہور الفاظ مُقَدَّماً وَ مُؤَخَّراً ہضم کر جانا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ ایک صریح بددیانتی ہے۔ یہاں پر سمجھدار قادیانیوں کے دماغ اٹک جانے چاہییں اور انہیں مرزا قادیانی پر سخت گرفت کرنی چاہیے۔

(۶)۔ معجزہ اور کرامت (یا خوارقِ عادت) مشکل ضرور ہوا کرتے ہیں مگر ناممکن نہیں ہوا کرتے۔ جیسے شقِ قمر، معراج جسمی، نزولِ آدم علیہ السلام، رفع ونزولِ مسیح علیہ السلام اور آکسیجن یا غذا کے بغیر عرصہ دراز تک زندہ رہنا وغیرہ۔ یہ خوارق بھی سنت اللہ ہی میں داخل ہیں۔ اسی لیے ان سے قرآن لبریز ہے۔ مخالفین اسلام کے اعتراضات سے گھبرا کر ان حقائق کا انکار نہیں کرنا چاہیے۔ خصوصاً آج کے سائنسی دور نے تو ان تمام باتوں کی تصدیق بھی کرنا شروع کر دی ہے۔ اور یہ قادیانیت کے پس ماندہ (Backward) ہونے کا کھلا ثبوت ہے۔

(۷)۔ حقیقت متعذر نہ ہوتو مجاز کو اختیار کرنا درست نہیں۔ جیسے تَوَفِّیْ ، رَفْعٌ ، نُزُوْل ، خَاتَمْ اور خَلْو میں حقیقت متعذر نہیں۔ نکتے کی بات یہ ہے کہ انکارِ ختم نبوت کی پوری عمارت انہی چند الفاظ میں مجاز کی بنیادوں پر کھڑی کی گئی ہے۔

تَوَفِّیْ کے بارے میں مرزا قادیانی کے مشہور چیلنج کا جواب یہ ہے کہ اول تو مرزا قادیانی قرآنی لفظ کے معنی معلوم کرنے میں حدیث پر عقل کو ترجیح دے رہے ہیں اور تصریح کے مقابلے پر انکل چلا رہے ہیں اور ہم اس سے پہلے عرض کر چکے ہیں کہ انکارِ حدیث ہی فساد کی جڑھ ہے۔ ثانیاً قرآن میں بے شمار الفاظ ایسے موجود ہیں جو صرف ایک مقام پر الگ تھلگ مفہوم دے رہے ہیں۔ مثلاً قرآن میں ہر جگہ مصباح کا معنی ستارہ ہے۔ مگر سورۃ نور میں مصباح سے مراد چراغ ہے۔ قرآن میں ہر جگہ بعل سے مراد بت ہے۔ مگر سورۃ یوسف میں بعل سے مراد شوہر ہے۔ قرآن میں ہر جگہ یقین سے مراد یقین ہی ہے۔ مگر حَتّٰی یَاْتِیَكَ الْیَقِیْن میں یقین سے مراد موت ہے۔ ثالثاً توفی بمعنی نیند اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ میں اور هُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰكُمْ بِالَّیْلِ میں استعمال ہوا ہے۔ لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بحالت نیند اٹھائے جانا تسلیم کیا جانا چاہیے۔ یہی بات تفسیر ابن کثیر، صاوی، جمل، جمالین، قرطبی، مظہری، کبیر، درمنثور، کشاف، خازن، بیضاوی، جامع البیان، معالم التنزیل، ابن جریر، بحر محیط اور النہر الماد وغیرہ میں لکھی ہے۔ بلکہ جامع البیان صفحہ ۵۲ اور ابن کثیر جلد ا صفحہ ۵۰۵ پر لکھا ہے کہ اکثریت کا یہی قول ہے۔ رابعاً ایک حدیث شریف کے الفاظ ہیں اِذَا رَمَی الْجِمَارَ لَا یَدْرِیْ اَحَدٌ مَا لَهٗ حَتّٰی یَتَوَفَّاهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ (الترغیب والترہیب للمنذری کتاب الحج جلد ۲ صفحہ ۲۰۷)۔ اس حدیث میں اللہ فاعل ہے، بندہ مفعول ہے اور توفی از باب تفعل استعمال ہوا ہے۔ یہاں ذرا توفی کا ترجمہ موت کر کے دکھائیے۔ بالآخر وہی کہنا پڑے گا جو تمام اہل لغت و مفسرین نے لکھا ہے کہ اَلتَّوَفِّیْ هُوَ اَخْذُ الشَّیْءِ وَافِیاً یعنی توفی کسی چیز کو پورا پورا لے لینے کو کہتے ہیں۔

آیت اِنِّی مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ میں یہود سے بچالینے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ میں اس وعدے کا ایفاء مذکور ہے۔اور "فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِی" کا لفظ "مَا دُمْتُ فِیْهِمْ" کے مقابلے پر استعمال ہوا ہے اور محض عدم موجودگی بیان کی گئی ہے خواہ اس کی صورت کچھ بھی ہوئی ہو۔حدیث اَقُوْلُ کَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ کُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْداً مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ میں بھی یہی عدم موجودگی مراد ہے اور یہی وجہ اشتراک ہے۔

واضح رہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات لفظ توفی سے ثابت نہیں بلکہ توفی کا لفظ رفع کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حالت کو ظاہر کرتا ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات لفظِ رفع سے ثابت ہے۔جو اس آیت میں استعمال ہوا ہے۔ مَاقَتَلُوْهُ یَقِیْناً بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ یعنی یقیناً اسے یہودیوں نے قتل نہ کیا بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا (النسآء:۱۵۷۔۱۵۸)۔

اس آیت میں رفع کا لفظ قتل کے مقابلے پر استعمال ہوا ہے اور ان دونوں لفظوں کے درمیان بل موجود ہے۔یہ بل اضرابیہ ابطالیہ کہلاتا ہے اور اس کے ماقبل و مابعد میں تضاد اور مکمل تنافی کا پایا جانا ضروری ہے۔جیسے اس آیت میں ہے اَمْ یَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ بَلْ جَاءَهُمْ بِالْحَقِّ۔یا اس آیت میں ہے وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَداً سُبْحٰنَهٗ بَلْ عِبَادٌ مُّکْرَمُوْنَ اور مفہوم یہ ہے کہ قتل نہ ہوا "بلکہ" اس کا رفع ہوا۔اللہ کی راہ میں قتل ہونا بذات خود درجات کی بلندی کو ظاہر کرتا ہے۔اگر رفع سے مراد رفع درجات لی جائے تو معنی یہ ہوگا کہ وہ اللہ کی راہ میں شہید نہ ہوا بلکہ اس کے درجات بلند ہوئے۔حالانکہ شہید ہونا اور درجات کا بلند ہونا ایک ہی چیز ہے۔پھر شہادت کی نفی اور درجات کا اثبات کیا معنی رکھتا ہے؟

یہاں قادیانی کہتے ہیں کہ تورات کی یہ تعلیم تھی کہ مقتول لعنتی ہوتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے تورات کی تعلیم کو مدِ نظر رکھتے ہوئے قتل کی نفی یعنی لعنتی موت کی نفی کی ہے اور اس کے مقابلے پر رفع کا لفظ استعمال کیا ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ تورات کی یہ تعلیم ہرگز نہیں تھی کہ ہر مقتول لعنتی ہوتا ہے

بلکہ تعلیم یہ تھی کہ گناہ گار مقتول لعنتی ہوتا ہے (دیکھو تورات کتاب استثناء باب ۲۱ آیت ۲۲-۲۳)۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ بے گناہ تھے لہٰذا اگر بالفرض صلیب پر قتل بھی ہو جاتے تو لعنتی نہ بنتے۔ لہٰذا اس قتل سے مراد شہادت کی موت ہی ہے اور اسی موت کی نفی کے مقابلے پر جسمانی رفع کا اثبات کیا گیا ہے۔

یہاں پھر قادیانی کہتے ہیں کہ چونکہ یہودیوں کے خیال میں ہر مقتول لعنتی ہوتا تھا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے عقیدہ کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل سے بچایا اور یہود کی نظروں میں لعنتی ہونے کی بجائے درجات کی بلندی کا اعلان کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قادیانیوں کی یہ بات بے دلیل اور بے حوالہ ہے۔ یہودیوں کا عقیدہ تو وہی تھا جسے ہم نے یہودیوں کی کتاب تورات سے باحوالہ نقل کر دیا ہے یعنی گناہ گار مقتول لعنتی ہوتا ہے، ہر مقتول لعنتی نہیں ہوتا۔ اور اگر ہر مقتول لعنتی ہی ہوتا ہے تو پھر حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت زکریا علیہ السلام (جو دونوں کفار کے ہاتھوں شہید ہوئے) معاذ اللہ قادیانیوں کے اس فتوے کی زد میں آ جائیں گے۔ بلکہ اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ یعنی یہودی بے شمار انبیاء کو بے گناہ قتل کر دیتے تھے۔ اور اگر یہودی کسی نبی کو معاذ اللہ لعنتی سمجھتے بھی رہیں تو اس سے حقیقت کی صحت پر کیا اثر پڑتا ہے۔ وہ تو آج بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لعنتی ہی سمجھتے ہیں اور اپنی دانست میں انہیں پھانسی پر لٹکا چکے ہیں اور قادیانی خود بھی اس مسئلے میں یہود کے ہمنوا ہیں۔

یہی وہ مرکزی آیت ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع جسمی کی صریح دلیل ہے۔ اور اسی آیت سے اپنی گردن چھڑانے کیلئے قادیانی علماء عیسائی دشمنی کے لاکھ دعووں کے باوجود موجودہ مسخ شدہ تورات کا سہارا لے رہے ہیں۔ تعجب ہے کہ جو لوگ نبی کریم ﷺ کی متواتر احادیث کو پرکھنے کیلئے اپنے خود ساختہ ترازو اٹھائے پھرتے ہیں انہوں نے کئی ہزار سالہ پرانی تورات پر کس طرح اعتبار کر لیا جس کے تبدیل شدہ ہونے کا فیصلہ قرآن نے يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ کے الفاظ سے دے دیا ہے۔ ہم قرآن سے بات کرتے ہیں اور یہ بائبل کو پیش کرتے ہیں۔ پھر بھی انہیں دعویٰ ہے کہ انہوں نے

عیسائیت کو شکست دی۔ شاید توراتی یہودیوں کی ہم نوائی کا نام انکے ہاں کسرِ صلیب ہے۔

پھر یہ کہ مرزا قادیانی نے ایک مکمل کتاب "مسیح ہندوستان میں" اس موضوع پر لکھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام واقعہِ صلیب کے بعد یہود کے ہاتھوں سے بچ کر ہندوستان آ گئے اور تقریباً ۹۰ سال یہاں گزارنے کے بعد وفات پائی۔

مگر اس آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں رفع (اسے اٹھالیا) کا ماضی چیخ چیخ کر بتا رہا ہے کہ رفع کا تحقق عین اسی وقت ہو رہا تھا جب ابھی قتل کی سازش یا کوشش کی جا رہی تھی۔ رفع کی ماضویت قتل کی بہ نسبت ہے۔ قرآن کہے "قتل نہیں بلکہ رفع ہوا"۔ اور مرزا قادیانی کہیں کہ اس قتل اور رفع میں ۹۰ سال کا فاصلہ ہے تو یہ تمام قادیانیوں کے لیے ٹھہر جانے اور اٹک جانے کا مقام ہے۔ تدبر، انصاف اور دیانت شرط ہے۔

ایک نہایت اہم بات یہ ہے کہ قرآن ہمیشہ یہود و نصاریٰ کے غلط دعووں کی تردید اور صحیح دعووں کی تائید کرتا ہے۔ اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں عیسائیوں کے تین دعوے تھے

(ا)۔ "حضرت عیسیٰ علیہ السلام قتل ہوئے" جبکہ قرآن نے کہا مَاقَتَلُوْهُ اسے قتل نہ کیا گیا۔

(ب)۔ "حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب دیے گئے"۔ جبکہ قرآن نے کہا مَاصَلَبُوْهُ وہ صلیب نہ دیا گیا۔

(ج)۔ "حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اٹھائے گئے"۔ مگر یہاں قرآن نے کہا رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا۔

اب فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ نے قتل اور صلیب کے دعووں کی نفی تو دوٹوک الفاظ میں کر دی۔ لیکن ان کے آسمان پر جانے کے عقیدے کی نفی بالکل اسی انداز سے دوٹوک الفاظ میں کیوں نہ کی؟ بلکہ اُلٹا اپنی طرف اٹھا لینے کا اعلان فرما کر عیسائیوں کے عقیدہ کی تائید کر دی۔ اگر آپ اسے تائید نہیں مانتے تو کم از کم اتنا تو ضرور مانیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک صریح گنجائش عیسائیوں کے عقیدہ کے صحیح ہونے کی چھوڑ دی۔ یہ حسنِ تردید کے سراسر منافی ہے۔ ایسی اَشد ضرورت کے وقت

بھی آسمانی رفع کی دوٹوک نفی نہ کرنا بلکہ اپنی طرف اُٹھا لینے کا اعلان کرنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جسمانی رفع کی کھلی دلیل ہے۔

(۸)۔ نبی معصوم ہوتے ہیں جبکہ مرزا قادیانی زعم نبوت سے پہلے حیات مسیح علیہ السلام کے قائل تھے (براہینِ احمدیہ صفحہ ۴۹۸)۔ اور بعد میں اس عقیدے کو خود ہی گمراہی اور گناہ کہنے لگ گئے (ازالۂ اوہام وغیرہ)۔ اس پر جب اہل اسلام نے دو غلے پن کا اعتراض کیا تو یہ توجیہ پیش کر دی کہ مجھے اگر اپنی مسیحیت کے منصوبے کا خیال ہوتا تو میں براہین احمدیہ میں یہ کیوں لکھتا کہ عیسیٰ بن مریم آسمان سے دوبارہ آئے گا (کشتی نوح صفحہ ۶۸)۔ میں نے مسلمانوں کا رسمی عقیدہ براہین احمدیہ میں لکھ دیا تھا۔ تا میری سادگی اور عدم بناوٹ پر وہ گواہ ہو۔ وہ لکھنا جو الہامی نہ تھا۔ محض رسمی تھا (کشتی نوح صفحہ ۶۹)۔

اس عبارت میں "تا میری سادگی اور عدم بناوٹ پر گواہ ہو" کے الفاظ پر غور کیجیے۔ گویا یہ سادگی کے اظہار کے لیے مرزا قادیانی کی منصوبہ بندی تھی۔ بہر حال ماننا پڑے گا کہ مرزا قادیانی عرصہ دراز تک گمراہی میں مبتلا رہے اور بعد میں نبوت کا دعویٰ کر دیا۔

(۹)۔ الہام اگر قرآن و سنت و اجماع کے خلاف ہو تو یہ شیطانی الہام ہے (اِنَّ الشَّیٰطِیۡنَ لَیُوۡحُوۡنَ الایۃ) یہیں سے اکثر متنبی پھسلے ہیں۔ مثلاً شیطان کسی سے کہہ دیتا ہے کہ تو مسیح ہے۔ پھر اس پر کچھ بے تکے دلائل بھی فراہم کر دیتا ہے۔ یہ دلائل کچھ لوگوں کو اپیل بھی کر جاتے ہیں اور یوں شیطان کا مشن پورا ہو جاتا ہے۔ حضرت شیخ اکبر ابن عربی قدس سرہ فتوحات مکیہ کے باب ۸۱ میں فرماتے ہیں کہ میرے مرشد کو یہ الہام ہوا تھا کہ تم مسیح ہو۔ لیکن انہوں نے اس الہام کو شریعت کی روشنی میں پرکھ لیا اور شیطان کے فریب سے بچ گئے۔

(۱۰)۔ مرزا قادیانی بعض ایسی چیزوں کو اپنی نبوت کی دلیل بناتے ہیں جو نبی کریم ﷺ نے اپنی نبوت کے ثبوت کے طور پر پیش فرمائی ہیں۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ نے اپنی نبوت کے یہ ثبوت یکا یک پیش فرما دیے تھے۔ آپ ﷺ سے پہلے ان باتوں کو نبوت کی دلیل کبھی نہ بنایا گیا تھا۔ اب اگر مرزا

قادیانی انہی دلائل کا سہارا لیں تو یقیناً یہ ان کی منصوبہ بندی پر محمول ہوگا۔ مرزا قادیانی نے فصاحت و بلاغت کو اپنی نبوت کی دلیل بنایا اور ایک کتاب اعجاز احمدی، ثبوت کے طور پر لکھ ڈالی۔ مرزا قادیانی سے پہلے بھی نبوت کے جھوٹے دعویداروں میں بڑے بڑے فنکار اور نکتہ آفرین گزرے ہیں۔ ان کے قلم میں اتنا زور تھا کہ پڑھنے والا انہیں سلطان القلم کہہ دے اور ان کی تحریر میں اتنی فصاحت تھی کہ انہوں نے اپنے کلام کو قرآن کی طرح بطور چیلنج پیش کر دیا تھا۔

ابو طیب متنبی نے نبوت کا دعویٰ کیا تو اس نے اپنا شاعرانہ دیوان اپنی نبوت کے ثبوت کے طور پر پیش کر دیا۔ ابو طیب بعد میں اپنی اس حرکت سے تائب ہو گیا۔ لیکن اس کا یہ دیوان آج بھی مسلمانوں کے درسِ نظامی میں نصاب کے طور پر پڑھایا جاتا ہے اور یہ دیوانِ متنبی کے نام سے مشہور ہے۔ مرزا قادیانی نے بھی وہی طریقہ چرانے کی کوشش کی ہے۔

جھوٹے دعویداروں نے ہمیشہ قرآن و حدیث سے ہی اپنی نبوت پر استدلال کیا ہے۔

البتہ ان کے طریقۂ واردات میں اُنیس بیس کا فرق ضرور رہا ہے۔

(۱۱)۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی یہ بھی ہے کہ مرزا قادیانی نے آیت قَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُراً سے اپنی نبوت پر استدلال کیا ہے۔ حالانکہ یہ آیت ہمارے نبی کریم ﷺ کے حق میں نازل ہوئی تھی۔ اور فرق یہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ اعلان نبوت سے پہلے ایک معروف شخصیت تھے اور لوگ آپ کو صادق اور امین کہہ کر پکارتے تھے۔ جبکہ مرزا قادیانی زعم نبوت سے پہلے ایک غیر معروف اور گمنام شخصیت تھے۔ چنانچہ وہ اپنے الہام کے بارے میں خود لکھتے ہیں کہ اس بات کو عرصہ قریباً بیس برس کا گزر چکا ہے کہ اس زمانہ میں جب کہ مجھ کو بجز قادیان کے چند آدمیوں کے کوئی نہیں جانتا تھا، الہام ہوا (تریاق القلوب صفحہ ۱۲۸ از مرزا قادیانی)۔

اور اگر اس آیت سے مرزا قادیانی کی نبوت پر استدلال درست ہے تو پھر وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ (یٰس: ۶۹) سے استدلال کرتے ہوئے ہم بھی مرزا قادیانی کو ان کی شاعری کی وجہ سے جھوٹا کہہ سکتے ہیں۔

(۱۲)۔ قادیانیوں کا وطیرہ یہ ہے کہ مرزا قادیانی کی خامیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے مرزا قادیانی کی ہر خامی گزشتہ انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نہ کسی میں ثابت کرنے لگ جاتے ہیں۔ اور مرزا قادیانی نے اگر کسی کو گالیاں بھی دی ہیں تو گالیاں دینے کا جواز قرآن سے پیش کرنے لگتے ہیں۔ ہم حیران ہیں کہ اس وقت ان لوگوں کی غیرت کہاں چلی جاتی ہے جنہوں نے کہا تھا کہ ''غیرت کی جا ہے عیسیٰ زندہ ہو آسمان پر''۔ صرف ایک خطا کار شخص کو بچانے کے لیے تمام انبیاء علیہم السلام کو خطا کار قرار دینا اور قرآن کی آیات کو گالیوں سے تعبیر کر دینا کہاں کی غیرت مندی ہے۔

(۱۳)۔ یہ بات ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ مرزا قادیانی کی ایک آنکھ میں واضح نقص تھا۔ آج بھی ان کی تصویر دیکھ کر ان کی وجاہت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ بلاشبہ حسن وقباحت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس معاملے میں کسی پر چوٹ کرتے وقت اللہ سے ڈرنا ضروری ہے لیکن اظہار حقیقت کے طور پر عرض ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انبیاء علیہم السلام کا معیار حسن یہ بیان فرمایا ہے کہ مَا بَعَثَ اللّٰهُ نَبِيًّا اِلَّا حَسَنَ الْوَجْهِ یعنی اللہ نے کوئی ایسا نبی نہیں بھیجا جس کا چہرہ خوبصورت نہ ہو (شمائل ترمذی صفحہ ۲۴)۔ گویا مرزا قادیانی کا حلیہ انبیاء علیہم السلام کے حلیہ کے بالکل برعکس ہے اور یہ بات بھی نہایت اہمیت کی حامل ہے کہ مرزا قادیانی کا حلیہ دجال کے حلیہ کے موافق ہے۔ چنانچہ احادیث میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ دجال ''کانا'' ہوگا (بخاری، مسلم، مشکوۃ صفحہ ۴۷۳)۔

(۱۴)۔ ایک فن کی اصطلاح کو دوسرے فن سے جوڑ کر نیا مفہوم پیدا کر لینا ایمان اور دیانت کے ساتھ کھلا مذاق ہے۔ مرزا قادیانی صوفیاء کی اصطلاحات کو شرعی اصطلاحات کے مفہوم میں ڈھال لیتے ہیں اور لغوی معنی کو اصطلاحی معنی میں گڈمڈ کر دیتے ہیں۔ مثلاً قرآن شریف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کی طرف وحی کا آنا اور شہد کی مکھی کی طرف اللہ تعالیٰ کا وحی فرمانا بیان ہوا ہے۔ یہاں وحی سے مراد نبوت کی وحی نہیں بلکہ الہام مراد ہے۔ یہیں سے صوفیاء کرام علیہم الرضوان نے بھی اپنی خاص اصطلاح میں الہام کے لیے وحی کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ اب مرزا قادیانی اس طرح کرتے ہیں کہ صوفیاء کی اصطلاح کو شریعت کی اصطلاح کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں

اور صوفیاء کرام کے الہام کو وحی نبوت ظاہر کر کے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔

(۱۵)۔ فنائیت کی بنا پر کیا جانے والا دعویٰ بذات خود دوئی اور عدم فنا پر دلالت کرتا ہے۔ مغائیرت ہی کی وجہ سے دعویٰ کی ضرورت محسوس کی گئی۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صاحب عملاً اس راستے سے نہیں گذرے۔

(۱۶)۔ یہ کہنا کہ عیسیٰ بن مریم سے مراد اُن کا مثیل ہے، دمشق سے مراد قادیان ہے، لُد سے مراد لدھیانہ ہے، دجّال سے مراد فلاں پادری ہے، اور دجّال کے قتل سے مراد علمی شکست ہے، احادیث کی تصریحات کے ساتھ کھلا مذاق ہے۔ یہ اتنی باریک تاویلات ہیں کہ ایسی تاویلات کی مدد سے سیاہ کو سفید ثابت کیا جاسکتا ہے۔ پھر اگر اصل احادیث کو سامنے رکھا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ ان رکیک تاویلات کی متحمل بھی نہیں ہیں۔ تدبر شرط ہے۔

(۱۷)۔ مرزا قادیانی کے اخلاق کا یہ عالم ہے کہ وہ سخت فحش گو اور گالی نواز تھے۔ ان کی تہذیب اور شائستگی کے چند نمونے ملاحظہ فرمائیں۔ وہ لکھتے ہیں:

(ا)۔ ہمارے مخالف جنگلوں کے خنزیر ہو گئے اور انکی عورتیں کتیوں سے بڑھ گئیں (نجم الہدیٰ صفحہ ۱۵)۔

(ب)۔ جو ہماری فتح کا قائل نہ ہوگا تو صاف سمجھا جائے گا کہ اسے ولد الحرام بننے کا شوق ہے اور وہ حلال زادہ نہیں (انوار الاسلام صفحہ ۳۳)۔

(ج)۔ لئیم، فاسق، شیطان، لعنتی، پاگلوں کا نطفہ، خبیث، بدکارہ کا بچہ (حقیقت الوحی صفحہ ۱۴۔۱۵)۔

(د)۔ اپنی کتاب نور الحق میں کسی بے چارے پر باقاعدہ نمبر لگا کر ایک سے لے کر ہزار تک ''لعنت'' لکھی ہے۔ ''لعنتوں'' کا یہ سلسلہ اس کتاب کے صفحہ ۱۱۸ سے شروع ہو کر صفحہ ۱۲۴ تک جاری رہتا ہے (ملاحظہ ہو نور الحق صفحہ ۱۱۸ تا ۱۲۴ از مرزا قادیانی)۔

یہاں سے مرزا قادیانی کی نہ صرف فحش گوئی بلکہ دماغی حالت کا بھی اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

(۱۸)۔ مرزا قادیانی جہاد کو حرام قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال   دین کے لیے حرام ہے اب جنگ اور قتال

آ گیا مسیح جو دین کا امام ہے ‏ ‏ دین کی تمام جنگوں کا اب اختتام ہے
(دُرِ ثمین از مرزا قادیانی)

نیز لکھتے ہیں: میری عمر کا اکثر حصہ سلطنتِ انگریزی کی تائید و حمایت میں گزرا ہے اور میں نے مخالفتِ جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہارات شائع کیے ہیں کہ وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں (تریاق القلوب صفحہ ۲۵ از مرزا قادیانی)۔

ادھر حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ کی پیش گوئی صاف موجود ہے کہ مشرق سے ایک ایسا گروہ اٹھے گا جو جہاد کا انکار کرے گا۔ وہ گروہ جہنم کا ایندھن ہے (کنز العمال حدیث نمبر ۱۰۷۴۲)۔

بلاشبہ قادیان مدینہ شریف سے سیدھا مشرق میں واقع ہے اور مرزا قادیانی نے جہاد کا انکار بھی صاف صاف کر دیا ہے۔ اس حدیث کی پیش گوئی صادق آ جانے کے بعد اب اس کے انکار یا اسے ضعیف کہنے کا کوئی تک باقی نہیں رہتا۔ چنانچہ خود مرزا قادیانی نے یہ معیار مقرر کیا ہے کہ ''اگر کوئی ایسی حدیث جو کسی پیش گوئی پر مشتمل ہے مگر محدثین کے نزدیک وہ ضعیف ہے اور تمہارے زمانے میں یا اس سے پہلے اس حدیث کی پیش گوئی سچی نکلی ہے تو اس حدیث کو سچی سمجھو اور ایسے محدثوں اور راویوں کو مخطی اور کاذب خیال کرو جنہوں نے اس حدیث کو ضعیف اور موضوع قرار دیا ہو'' (کشتی نوح صفحہ ۸۴، از مرزا قادیانی)۔

لہٰذا ہماری پیش کردہ جہاد والی حدیث خواہ صحیح ہو یا ضعیف ہو یا موضوع ہو، بہر حال ان کے لیے حرفِ آخر ہونی چاہیے۔ انصاف شرط ہے۔

(۱۹)۔ ‏ نزولِ مسیح علیہ السلام کا اجرائے نبوت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ مرزا قادیانی خود لکھتے ہیں: ''مسیح کے نزول کا عقیدہ کوئی ایسا عقیدہ نہیں ہے جو ہماری ایمانیات کی جز و یا ہمارے دین کے رُکنوں میں سے کوئی رُکن ہو بلکہ صدہا پیش گوئیوں میں سے یہ ایک پیش گوئی ہے جس کا حقیقتِ اسلام سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ جس زمانے تک یہ پیش گوئی بیان نہیں کی گئی تھی اس زمانے تک اسلام کچھ ناقص نہ تھا اور جب بیان کی گئی تو اس سے اسلام کچھ کامل نہیں ہو گیا (ازالہ اوہام صفحہ ۱۴۲)۔

نیز مرزا قادیانی اسی کتاب "ازالہ اوہام" میں بار بار لکھتے ہیں کہ ممکن ہے کہ آئندہ زمانوں میں میرے جیسے دس ہزار مثیلِ مسیح بھی آ جائیں۔

معلوم ہوا کہ یہ صاحب اپنے ہی قول کے مطابق ایک غیر ضروری شخصیت ہیں اور انہیں نہ ماننے سے کوئی شخص کافر تو کیا گناہگار بھی نہیں ہو سکتا۔ اور انہوں نے اپنی مسیحیت کی مدعائی محض پانی میں ڈال رکھی ہے۔

(۲۰)۔ یہ لوگ ہمیں مسلمان سمجھتے ہیں جبکہ ہم انہیں کافر سمجھتے ہیں وَالْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْأَعْدَآءُ لہٰذا تفصیلی دلائل کسی کی سمجھ میں نہ بھی آئیں تو احتیاطاً ترکِ قادیانیت میں ہی خیریت ہے۔

قادیانیت کے ردّ میں حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی رحمت اللہ کی کتاب "شمس الھدایہ" اور دوسری کتاب "سیفِ چشتیائی" اس موضوع پر حرفِ آخر کی حیثیت رکھتی ہیں۔ فقیر راقم الحروف نے بھی حیاتِ مسیح علیہ السلام کے موضوع پر "الجواب الصحیح فی حیات المسیح" نامی رسالہ تحریر کیا ہے اور فقیر کا یہ مضمون بھی کتابی شکل میں "ضربِ خاتم" کے نام سے الگ چھپ چکا ہے۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ

ستائیسویں آیت:

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَآئِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْماً یعنی بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو تم بھی ان پر درود و سلام اچھے طریقے سے بھیجو (احزاب: ۵۶)۔

صلوٰۃ کے لفظی معنی

صلوٰۃ کے لفظی معنی رحمت اور دعا کے ہیں (المنجد صفحہ ۵۶۵)۔ مفردات الفاظ القرآن میں ہے۔

قَالَ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ اللُّغَةِ هِيَ الدُّعَآءُ وَالتَّبْرِيْكُ وَالتَّمْجِيْدُ یعنی بے شمار اہلِ

لغت نے کہا ہے کہ صلوٰۃ سے مراد دُعا، تبریک اور تمجید ہے۔

شرعی معنی

اللہ کے اپنے نبی پر صلوٰۃ بھیجنے سے مراد رحمت کرنا ہے اور بندوں کے صلوٰۃ بھیجنے سے مراد دُعا کرنا ہے (خازن جلد ۳ صفحہ ۵۱۰، احکام القرآن جلد ۳ صفحہ ۳۷۰، مظہری جلد ۷ صفحہ ۳۷۴ بلکہ تمام مفسرین نے تقریباً یہی بات لکھی ہے)۔

درود شریف کا مقصود

درود شریف کا مقصود نبی کریم ﷺ سے محبت کرنا، تعظیم کرنا، شان بیان کرنا اور درجات کی بلندی کی دُعا کرنا ہے۔

حضرت ابوالعالیہ تابعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

صَلٰوۃُ اللّٰہِ ثَنَاءُ ہٗ عَلَیْہِ عِنْدَ الْمَلَائِکَۃِ وَصَلٰوۃُ الْمَلَائِکَۃِ الدُّعَاءُ یعنی اللہ کی صلوٰۃ سے مراد آپ ﷺ کی فرشتوں کے سامنے ثناء خوانی ہے اور فرشتوں کی صلوٰۃ سے مراد دُعا ہے (بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۰۷)۔

بیضاوی میں ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یَعْتَنُوْنَ بِاِظْھَارِ شَرَفِہٖ وَتَعْظِیْمِ شَانِہٖ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اعْتَنُوْا اَیْضاً فَاِنَّکُمْ اَوْلٰی بِذٰلِکَ یعنی بیشک اللہ اور اسکے فرشتے آپ کی فضیلت کا اظہار اور شان و تعظیم کا اہتمام کرتے ہیں۔ اے ایمان والو تم بھی اسی بات کا اہتمام کرو۔ تم تو اس چیز کے زیادہ حقدار ہو (تفسیر بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۲۵۲)۔

حضرت سید نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ درود شریف اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم ﷺ کی تکریم ہے (خزائن العرفان صفحہ ۶۷۹)۔

حضرت مُلا علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

كَثْرَةُ الصَّلٰوةِ مُنْبِئَةٌ عَنِ التَّعْظِيْمِ الْمُقْتَضِيْ لِلْمُتَابَعَةِ النَّاشِئَةِ عَنِ الْمُحَبَّةِ الْكَامِلَةِ الْمُرَتَّبَةِ عَلَيْهَا مُحَبَّةُ اللّٰهِ تَعَالٰى قَالَ تَعَالٰى قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ یعنی کثرت سے درود شریف پڑھنا آپ ﷺ کی تعظیم کی وجہ سے ہے۔ تعظیم اور محبت کاملہ ہی اتباع کا تقاضا کرتی ہے۔ آپ ﷺ کی محبت پر ہی اللہ تعالیٰ کی محبت مرتب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فرمادو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کرے گا (مرقاۃ جلد ۲ صفحہ ۳۴۰)۔

علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے "اَلْمَقْصُوْدُ بِالصَّلٰوةِ" کی سرخی قائم فرماتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔

صلوٰۃ سے مقصود اللہ کا حکم مان کر اس کا قرب حاصل کرنا ہے۔ اور نبی کریم ﷺ کا حق ادا کرنا ہے۔ ہماری صلوٰۃ نبی کریم ﷺ کی شفاعت کرنے کے لیے نہیں ہے۔ ہم کہاں اور حضور کہاں۔ دراصل حضور کے ہم پر اتنے احسانات ہیں کہ ان سے بڑھ کر کسی احسان کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ہم ان احسانات کا کچھ بدلہ تو دے نہیں سکتے البتہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی بارگاہ میں درود کے نذرانے پیش کرنے کی راہ دکھائی ہے۔ درود شریف پڑھنے کا فائدہ خود پڑھنے والے کو ہی پہنچتا ہے اور وہ درحقیقت اپنی ذات کے لیے ہی دعا کرتا ہے۔ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں کہ درود شریف کا فائدہ اس کے پڑھنے والے کو پہنچتا ہے۔ اس لیے کہ درود پڑھنے میں سچے عقیدے، خلوصِ نیت، محبت واطاعت اور ادب واحترام کی جھلک موجود ہوتی ہے۔

نبی کریم ﷺ پر محبت میں ڈوب کر حقِ غلامی کی ادائیگی اور توقیر و تعظیم کی خاطر درود بھیجنا ایمان کا اعلیٰ ترین شعبہ ہے۔ درود شریف حضور کی نوازشات کا شکرانہ ہے۔ آپ کی عنایات کا شکر ہم پر واجب ہے۔ آپ جہنم سے ہماری خلاصی اور جنت میں دخول کا ذریعہ ہیں، کامیابی کا آسان راستہ، سعادت کے تمام دروازوں کی کشاد اور بغیر کسی حجاب کے عظیم مراتب اور اعلیٰ مناقب کے وصول کا ذریعہ ہیں۔ بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان کیا ہے کہ ان میں ان کے نفسوں میں سے

ہی عالی شان رسول کو بھیجا۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ (القول البدیع صفحہ ۲۶۔۲۵)۔

مطالع المسرات میں ہے۔

يُصَلُّوْنَ اَيْ يَعْطِفُوْنَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْطِفُ بِرَحْمَتِهٖ وَالْمَلَائِكَةُ يَعْطِفُوْنَ بِاسْتِغْفَارِهِمْ یعنی يُصَلُّوْنَ سے مراد محبت کے ساتھ میلان ہے۔اللہ کا میلان رحمت ہے اور فرشتوں کا میلان استغفار ہے (مطالع المسرات صفحہ ۲۱)۔

نیز لکھا ہے: اللہ کی صلوٰۃ سے مراد آپ ﷺ کی ثناء اور عظمت کا بیان ہے اور فرشتوں اور دوسروں کی صلوٰۃ سے مراد اللہ سے اسی چیز میں مزید اضافہ کرنے کی دعا ہے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ صلوٰۃ سے مراد آپ ﷺ کی شان کا اظہار ہے اور آپ ﷺ کی ہر طرح سے خیر خواہی کرنا ہے۔اس معنی کو امام غزالی اور زرکشی نے پسند کیا ہے۔اس لیے کہ یہ قدرِ مشترک ہے (مطالع المسرات صفحہ ۲۵)۔

آپ نے دیکھا کہ ان تمام عبارات میں درود شریف کے ساتھ ثناء، محبت، شان، تعظیم، شرف، عطف (جھکاؤ) جیسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔جیسی صلوٰۃ بھیجنے والے کی شان ہوگی ویسے ہی صلوٰۃ کے معنی ہوں گے۔لیکن شرف و تعظیم کا لحاظ و اعتناء اللہ، فرشتوں اور مومنین کی صلوٰۃ میں مشترک طور پر موجود ہے اور یہی درود شریف کا مقصود ہے۔

لہٰذا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا ہی وہ منبع و مرکز ہے جہاں سے کثرتِ درود کے علاوہ نعت خوانی، اشعار میں صلوٰۃ وسلام اور محافلِ میلاد و قیام کو جنم ملتا ہے۔یہی وہ عظمت و محبت ہے جس کی وجہ سے ایک عاشق پروانہ وار گنبدِ خضراء کی طرف لپکتا ہے۔اسی صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا کا عکس آپ کو اس حدیث شریف میں ملے گا کہ

"تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اسے اسکے ماں،

باپ، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں" (بخاری جلد ا صفحہ ۷، مسلم جلد ا صفحہ ۴۹)۔

سیاق وسباق اور شانِ نزول

یہ آیت کفار کی ایذا رسانی کے مقابلے پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو راحت وسکون کی فراہمی کے لیے نازل فرمائی۔ اس آیت سے پہلے ایذا سے منع کرنے کے الفاظ ہیں (وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ) اور اس کے بعد میں اَلَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَاباً مُّهِيْناً کے الفاظ سے محبوب کریم ﷺ کو دُکھ پہنچانے کو دنیا وآخرت میں لعنت کا سبب قرار دیا ہے۔

مراد یہ ہے کہ مخالفین، اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ کی جلالتِ شان اور رفعتِ ذکر میں کیا رخنہ اندازی کر سکیں گے؟ جبکہ خود اللہ جو مسبب الاسباب ہے اور اس کے فرشتے جو اس نظامِ کائنات کو چلانے پر سبب کے طور پر مامور ہیں، سب کے سب مل کر اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ پر ہمہ وقت درود بھیجنے میں مصروف ہیں۔

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے
یہ گھٹائیں اسے منظور بڑھانا تیرا

سیاقِ کلام سے واضح ہو گیا ہے کہ صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا کے الفاظ ایذا کے مقابلے پر استعمال ہوئے ہیں۔ جب کفار اور مخالفین کی طرف سے ایذا رسانی کا ہر حربہ استعمال ہو رہا ہے تو مومنین اور غلاموں کی طرف سے راحت وتسکین، تعظیم وتوقیر اور رفعتِ شان میں کیوں کسر باقی رہے۔

علامہ ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

"درود شریف تمام عبادات سے افضل ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو باقی عبادات کا حکم دیا ہے مگر درود شریف پہلے خود بھیجا، پھر فرشتوں کو اس کا حکم دیا اور پھر مومنین کو اس کا حکم دیا" (مطالع المسرات: ۲۲۔۲۱)۔

فضائلِ دُرود پر احادیث

(۱)۔ درود شریف نماز جیسی اہم ترین عبادت کا جزوِ لازم ہے۔ اس کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ دعا عبادت کا مغز ہے (ترمذی جلد۲ صفحہ۱۷۵، مشکوٰۃ صفحہ۱۹۴)۔ لیکن عبادت کا یہ مغز بھی اس وقت تک زمین اور آسمان کے درمیان لٹکا رہتا ہے جب تک حبیب کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس پر درود شریف نہ پڑھ لیا جائے (ترمذی جلد۱ صفحہ۱۱۰، مشکوٰۃ صفحہ۸۷)۔

(۲)۔ حضرت اُبی بن کعب ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میں آپ پر کثرت سے درود شریف پڑھنا چاہتا ہوں، یہ فرمایئے کہ میں اس کے لیے کتنا وقت مقرر کروں۔ فرمایا جتنا چاہو۔ میں نے عرض کیا وقت کا چوتھا حصہ؟ فرمایا جتنا چاہو اور اگر اس سے زیادہ کرو تو تمہارے لیے بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا آدھا؟ فرمایا جتنا چاہو اور اگر اس سے بھی زیادہ کرو تو تمہارے لیے بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا ۲/۳ حصہ؟ فرمایا جتنا چاہو اور اگر اس سے بھی زیادہ کرو تو تمہارے لیے بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا پھر سارا وقت آپ پر درود شریف ہی پڑھا کروں گا۔ فرمایا اگر ایسا کرو گے تو یہ درود تمہارے لیے ہر اَمر میں کافی ہے اور یہ تیرے گناہ معاف کرائے گا (ترمذی، مشکوٰۃ صفحہ۸۶، المستند صفحہ۲۵۸)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ درود شریف ذکر کا قائم مقام بھی ہے یعنی اللہ کا ذکر اس کے اندر ہی موجود ہے "ہر اَمر میں کافی ہے" سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ہر دُعا کا بدل ہے اور "تیرے گناہ معاف کرائے گا" سے مراد ظاہر ہے کہ یہ استغفار کا کام بھی کرتا ہے۔

(۳)۔ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلٰوۃً وَّاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشَرَ صَلَوٰتٍ وَّحُطَّتْ عَنْہُ عَشْرُ خَطِیْئَاتٍ وَ رُفِعَتْ لَہٗ عَشْرُ دَرَجَاتٍ یعنی جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھا۔ اللہ اس پر دس مرتبہ درود بھیجے گا اور اس کے دس گناہ معاف کرے گا۔ اور اس کے دس درجات بلند کرے گا (رواہ النسائی، مشکوٰۃ صفحہ۸۶، المستند صفحہ۲۵۸)۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَۃِ فَلَہٗ عَشْرُ اَمْثَالِھَا یعنی جو بھی نیکی کرے

گا اُسے دس گنا اجر ملے گا۔ لیکن درود شریف ایک ایسا عمل ہے کہ صرف اس کا ثواب ہی دس گنا نہیں بلکہ خود اللہ تعالیٰ کی ذات دس مرتبہ درود بھیجے گی۔ اللہ کے درود کے سامنے محض ثواب نہایت چھوٹی چیز ہے۔ پھر یہیں تک بس نہیں بلکہ دس گناہ بھی معاف اور دس درجات بھی بلند فَجَزَى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنَّا سَيِّدَنَا مُحَمَّداً مَّا هُوَ اَهْلُهٗ۔

اللہ تعالیٰ نے جو معاملہ اپنے ذکر سے کیا وہی اپنے حبیب ﷺ پر درود بھیجنے سے کیا۔ وہاں فرمایا فَاذْكُرُوْنِىْ اَذْكُرْكُم یعنی تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا (بقرۃ: ۱۵۲)۔ یہاں فرمایا جو ایک مرتبہ درود پڑھے گا، اللہ اس پر دس مرتبہ درود بھیجے گا (کذا فی القول البدیع: ۱۳۸)۔

(۴)۔ اَوْلَى النَّاسِ بِىْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَكْثَرُهُمْ عَلَىَّ صَلٰوةً یعنی قیامت کے دن میرے سب سے قریب وہ شخص ہوگا جس نے سب سے زیادہ مجھ پر درود پڑھا ہوگا (ترمذی جلد ۱ صفحہ ۱۱۰، مشکوۃ صفحہ ۸۶، المستند صفحہ ۲۵۸)۔

معلوم ہوا کہ عاشقوں کو جس گوہرِ نایاب کی تلاش ہے یعنی قربِ مصطفیٰ ﷺ، وہ کثرتِ درود میں ہی پنہاں ہے۔

علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محبوب کریم ﷺ کا پیغام اور آپ کی باتیں لوگوں تک پہنچانے والے اس میدان میں سب سے آگے ہیں اس لیے کہ یہ زبان سے بھی اور عمل سے بھی درود شریف ہی میں مصروف ہیں۔ (یعنی زبانی درود، درودِ قولی ہے اور دینِ مصطفیٰ ﷺ کا چرچا درودِ فعلی ہے۔) (القول البدیع: ۱۴۰)۔

(۵)۔ مَا مِنْ اَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَىَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَىَّ رُوْحِى حَتّٰى اَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ یعنی جب بھی کوئی آدمی مجھ پر درود پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو اس کی طرف متوجہ کرتا ہے حتیٰ کہ میں اس کا جواب دیتا ہوں (ابوداؤد، بیہقی، المستند صفحہ ۲۵۸)۔

(۶)۔ رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَىَّ وَرَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَيْهِ رَمَضَانُ ثُمَّ انْسَلَخَ قَبْلَ اَنْ يُغْفَرَ لَهٗ وَرَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ اَدْرَكَ عِنْدَهٗ اَبَوَاهُ

الْکِبر او احدھما فلم یُدخِلاہُ الجنۃَ یعنی وہ شخص برباد ہو جس کے پاس میرا نام لیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔ اور وہ شخص بھی برباد ہو جو رمضان کا مہینہ پائے اور عبادات کے ذریعے اپنی بخشش نہ کرا سکے۔ اور وہ شخص بھی برباد ہو جس نے اپنے ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک کو بڑھاپے میں پایا اور ان کی خدمت کر کے جنت میں نہ جا سکا (ترمذی، المستند صفحہ ۲۵۸)۔

(۷)۔ لَیسَ مِنْ عَبْدٍ یُصَلِّی عَلَیَّ اِلَّا بَلَغَنِیْ صَوْتُہٗ حَیْثُ کَانَ ، قَالَ قُلْنَا وَ بَعْدَ وَفَاتِکَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَأْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَآءِ یعنی جو آدمی بھی مجھ پر درود پڑھتا ہے، وہ جہاں کہیں بھی ہو اس کی آواز مجھ تک پہنچتی ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ آپ کی وفات کے بعد بھی؟ فرمایا اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے جسم کو کھائے (طبرانی، المستند صفحہ ۲۵۹)۔

(۸)۔ اَکْثِرُوا الصَّلٰوۃَ عَلَیَّ یَومَ الْجُمُعَۃِ فَاِنَّہٗ مَشْھُوْدٌ یَشْھَدُہُ الْمَلَائِکَۃُ ، وَاِنَّ اَحَدًا لَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ اِلَّا عُرِضَتْ عَلَیَّ صَلٰوتُہٗ حَتّٰی یَفْرُغَ مِنْھَا ، قَالَ قُلْتُ وَبَعْدَ الْمَوْتِ ؟ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَآءِ فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُرْزَقُ یعنی جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو، فرشتے اس پر گواہی دیتے ہیں۔ جب بھی کوئی شخص مجھ پر درود پڑھتا ہے تو اس کا درود میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے حتیٰ کہ وہ درود پڑھنے سے فارغ ہو جاتا ہے۔ حدیث کو بیان کرنے والے صحابی نے عرض کیا یارسول اللہ آپ کی وفات کے بعد بھی؟ فرمایا بے شک اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ نبیوں کا جسم کھائے، لہٰذا اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اسے رزق ملتا ہے (ابنِ ماجہ، المستند صفحہ ۲۵۹)۔

(۹)۔ اَلْبَخِیلُ مَنْ ذُکِرْتُ عِنْدَہٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ یعنی وہ شخص بخیل ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہوا اور اُس نے مجھ پر درود نہیں پڑھا (ترمذی، المستند صفحہ ۲۵۹)۔

(۱۰)۔ جو شخص مجھ پر درود پڑھنا بھول گیا وہ جنت کا راستہ بھول گیا (ابن ماجہ صفحہ ۶۵)۔

(۱۱)۔ مجھ پر درود پڑھا کرو، تمہارا مجھ پر درود پڑھنا تمہاری روحانی صفائی کا ذریعہ ہے

(خصائص کبریٰ جلد۲ صفحہ ۴۵۵)۔

(۱۲)۔ مجھ پر درود پڑھا کرو، تمہارا مجھ پر درود پڑھنا تمہارے گناہوں کا کفارہ ہے (خصائص کبریٰ جلد۲ صفحہ ۴۵۵)۔

(۱۳)۔ حضرت ابوبکر صدیق ﷺ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنا بے شمار غلام آزاد کرنے سے بہتر ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ سے محبت کرنا اللہ کی راہ میں تلوار کے ساتھ جہاد کرنے سے بہتر ہے (خصائص کبریٰ جلد۲ صفحہ ۴۵۶)۔

(۱۴)۔ جب کوئی شخص دعا مانگتا ہے تو ایک پردہ اسے آسمان پر نہیں چڑھنے دیتا۔ جب دعا مانگنے والا نبی ﷺ اور اس کی آل پر درود پڑھتا ہے تو وہ پردہ پھٹ جاتا ہے اور دعا آسمانوں میں داخل ہو جاتی ہے ورنہ دعا واپس لوٹ آتی ہے (خصائص کبریٰ جلد۲ صفحہ ۴۵۶)۔

(۱۵)۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں اپنی امت کے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ پل صراط پر لڑکھڑا رہا ہے۔ اچانک وہ درود شریف اس کے پاس پہنچ گیا جو وہ مجھ پر پڑھا کرتا تھا، وہ آدمی فوراً سنبھل گیا (خصائص کبریٰ جلد۲ صفحہ ۴۵۶)۔

(۱۶)۔ قیامت کے روز حضرت آدم علیہ السلام نبی کریم ﷺ کی امت کے ایک شخص کو دیکھیں گے جسے جہنم کی طرف لے جایا جا رہا ہوگا۔ حضرت آدم علیہ السلام آواز دیں گے یا احمد، یا احمد۔ نبی کریم ﷺ فرمائیں گے لبیک اے انسانوں کے باپ۔ وہ فرمائیں گے آپ کے اس امتی کو جہنم میں لے کر جا رہے ہیں۔ میں اپنا تہبند مضبوط کروں گا اور اس کے پیچھے بھاگ پڑوں گا اور کہوں گا اے میرے رب کے فرشتو ٹھہر جاؤ۔ وہ کہیں گے ہم بڑے سخت لوگ ہیں، ہمیں اللہ کی طرف سے جو حکم ملتا ہے کر گزرتے ہیں۔ جب نبی کریم ﷺ مایوسی محسوس کریں گے تو اپنی داڑھی مبارک کو بائیں ہاتھ سے پکڑیں گے اور عرش کی طرف متوجہ ہو کر عرض کریں گے، اے میرے رب آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ آپ میری امت کے بارے میں مجھے رسوا نہیں کریں گے۔ اللہ کریم فرمائے گا محمد کی بات مانو اور اس آدمی کو واپس لے آؤ۔ میں اپنی جیب سے ایک سفید پرچہ نکالوں گا اور ترازو کے دائیں پلڑے میں رکھ دوں گا اور کہوں گا بسم اللہ۔ اس کی نیکیاں گناہوں سے بھاری ہو جائیں گی۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا آپ کی کوشش کامیاب ہوئی اور اس شخص کا نامۂ اعمال بھاری ہو گیا، اسے جنت میں لے جاؤ۔ وہ شخص کہے گا اے اللہ کے فرشتو ٹھہر جاؤ میں اللہ کے اس پیارے سے ایک بات پوچھ لوں۔ وہ کہے گا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ کا چہرہ کتنا حسین ہے اور آپ سر سے پاؤں تک سراپا حسن ہیں، آپ کون ہیں؟ آپ نے میرے گناہ واپس کرا دیے اور میری خستہ حالی پر رحم کیا۔ نبی کریم ﷺ فرمائیں گے میں تیرا نبی محمد ہوں اور یہ تیرا درود ہے جو تو مجھ پر پڑھتا رہا۔ اس درود نے مشکل کے وقت تجھ سے وفا کی ہے (خصائص کبریٰ جلد۲ صفحہ ۴۵۷)۔

(۱۷)۔ جس نے اپنی کتاب میں مجھ پر درود شریف لکھا، تو جب تک وہ درود شریف اس کتاب میں لکھا رہے گا فرشتے اس کے لیے استغفار کرتے رہیں گے اور اس شخص پر جوابی طور پر درود جاری رہے گا (خصائص کبریٰ جلد۲ صفحہ ۴۵۸)۔

(۱۸)۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف اللہ عز و جل نے وحی فرمائی کہ اے موسیٰ کیا آپ چاہتے ہیں کہ قیامت کے دن آپ کو پیاس نہ لگے؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں۔ اللہ کریم نے فرمایا محمد ﷺ پر کثرت سے درود پڑھا کرو (خصائص کبریٰ جلد۲ صفحہ ۴۵۸)۔

(۱۹)۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھنے سے گناہ اس سے بھی زیادہ مٹتے ہیں جتنی ٹھنڈے پانی سے آگ بجھتی ہے (الشفاء جلد۲ صفحہ ۶۱)۔

(۲۰)۔ اَنَا حَبِیْبُ اللّٰہِ وَ الْمُصَلِّی عَلَیَّ حَبِیْبِیْ فَمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّکُوْنَ حَبِیْبًا لِلْحَبِیْبِ فَلْیُکْثِرْ مِنَ الصَّلٰوۃِ عَلَی الْحَبِیْبِ یعنی میں اللہ کا حبیب ہوں اور مجھ پر درود پڑھنے والا میرا حبیب ہے۔ جو شخص یہ چاہتا ہو کہ حبیب کا حبیب بنے تو اسے چاہیے کہ حبیب پر کثرت سے درود پڑھے (خزینۃ الاسرار الکبریٰ صفحہ ۲۰۸)۔

(۲۱)۔ جتنی دیر کوئی شخص مجھ پر درود پڑھتا رہتا ہے، اس وقت تک فرشتے بھی اس پر درود پڑھتے رہتے ہیں۔ اب تم خود سمجھ لو کہ درود کم پڑھنا چاہیے یا زیادہ (الوفا صفحہ ۸۰۴)۔

(۲۲)۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں

تشریف لائے اور ہماری طرف متوجہ ہونے کی بجائے قبلہ رخ ہو کر سیدھے سجدے میں گر گئے۔ آپ نے اتنا لمبا سجدہ فرمایا کہ ہم نے سمجھا آپ کا وصال ہو گیا ہے۔ میں پریشان ہو کر قریب گیا تو آپ ﷺ نے سر مبارک اٹھایا اور بیٹھ گئے۔ مجھ سے فرمایا کون ہو؟ میں نے عرض کیا عبدالرحمٰن۔ فرمایا کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ نے اتنا لمبا سجدہ کیا کہ مجھ پر آپ کے وصال کا خوف طاری ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جبریل میرے پاس آئے اور مجھے خوشخبری دی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص آپ پر درود پڑھے گا میں خود اس پر درود پڑھوں گا اور جو شخص آپ پر سلام بھیجے گا میں خود اس پر سلام بھیجوں گا۔ یہ بات مجھے اتنی پیاری لگی کہ میں نے شکرانے کے طور پر اللہ تعالیٰ کو سجدہ کیا (الوفا صفحہ ۸۰۴)۔

(۲۴)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے فرمایا جب رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھو تو بڑے پیارے طریقے سے درود پڑھا کرو، بے خبری میں نہ رہنا، اس درود شریف نے نبی کریم ﷺ کے سامنے پیش ہونا ہوتا ہے (ابن ماجہ صفحہ ۶۵)۔

چند درود شریف

ذیل میں مختلف الفاظ کے ساتھ چند درود شریف تحریر کیے جاتے ہیں جنہیں ایک غلام اپنے آقا کے احسانات کے شکرانے کے طور پر پڑھ سکتا ہے۔ دل میں والہانہ پن اور پروانے جیسی فدائیت ہو۔ رُخِ زیبا کے تصور میں ڈوب کر قاری اپنے محبوب پر عقیدت کے پھول یوں نچھاور کرے۔

(۱)۔ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ۔

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ۔

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔

یقیناً ہم اپنے آقا و مولا کے احسانات کا بدلہ نہیں دے سکتے لہٰذا لاچار ہو کر اللہ کریم ہی کی بارگاہ میں یوں عرض کناں ہوتے ہیں۔

(۲)۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَسَلَّمَ۔

(۳)۔ جَزَى اللّٰهُ تَعَالٰى عَنَّا سَيِّدَنَا مُحَمَّداً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مَا هُوَ اَهْلُهٗ۔

(۴)۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ ِالنَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

(۵)۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَعِتْرَتِهٖ بِعَدَدِ كُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّكَ۔

(۶)۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

(۷)۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تُنْجِيْنَا بِهَا مِنْ جَمِيْعِ الْاَحْوَالِ وَالْاٰفَاتِ وَتَقْضِيْ لَنَا بِهَا جَمِيْعَ الْحَاجَاتِ وَتُطَهِّرُنَا بِهَا مِنْ جَمِيْعِ السَّيِّاٰتِ وَتَرْفَعُنَا بِهَا عِنْدَكَ اَعْلَى الدَّرَجٰتِ وَتُبَلِّغُنَا بِهَا اَقْصَى الْغَايَاتِ مِنْ جَمِيْعِ الْخَيْرَاتِ فِى الْحَيٰوةِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

مذکورہ بالا درود شریف کا نام درودِ تنجینا ہے۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ هُوَ كَنْزٌ مِنْ كُنُوْزِ الْعَرْشِ یعنی یہ عرش کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔

درود شریف کا ایک بہترین مجموعہ "دلائل الخیرات" ہے۔ اس کتاب کو اپنے مُرشد کی اجازت سے پڑھنا صوفیاء کا طریقہ چلا آ رہا ہے۔ یہ کتاب بجا طور پر لائق تحسین ہے اور اس کے مصنف امام ابوعبداللہ محمد بن سلیمان الجزولی علیہ الرحمہ ہماری دعاؤں اور شکریے کے حقدار ہیں۔

باقی رہا صیغۂ خطاب کا اختلاف اور براہِ راست اور بالواسطہ کی باریکیاں تو اس کے لیے وہی قاعدہ یاد کر لیجیے کہ

درود شریف کے موضوع پر ابو سعید حضرت علامہ مفتی محمد امین صاحب فیصل آبادی کی کتاب "آبِ کوثر" بڑی پیاری چیز ہے۔

اٹھائیسویں آیت:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ یعنی اے ایمان والو اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو اور اسے اس طرح نہ بلاؤ جس طرح ایک دوسرے کو بلاتے ہو ورنہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں گے اور تمہیں خبر تک نہ ہوگی (الحجرات: ۲)۔

اس آیت میں نبی کریم ﷺ کے ادب کی زبردست تعلیم موجود ہے۔ آپ ﷺ کی بارگاہ میں اونچی آواز سے بولنا اور آپ ﷺ کو عام لوگوں کی طرح نام سے پکارنا بھی بے ادبی ہے۔

حبیب کریم ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنا ہمارے لیے سخت ضروری ہے لیکن اس آیت اور اس جیسی دیگر بے شمار آیات و احادیث سے پتا چلتا ہے کہ آپ ﷺ کی تعظیم کا درجہ تعلیم سے بھی بلندتر ہے۔ تعظیم نہ کرنے پر اعمال کی بربادی کی وعید اس کا واضح ثبوت ہے۔

ندائے یارسول اللہ

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ آیت کے تحت تمام مفسرین نے مختلف صحابہ و تابعین کے حوالے سے لکھا ہے کہ نرمی اور محبت کے ساتھ کہا کرو۔ یارسول اللہ، یا نبی اللہ (ابن جریر جلد ۱۰ پارہ ۱۸ صفحہ ۲۱۱، قرطبی جلد ۱۲ صفحہ ۲۹۴، تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۴۲۵، بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۱۳۳، خازن جلد ۳ صفحہ ۳۶۵، بغوی جلد ۳ صفحہ ۳۵۹، ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۴۲۱)۔ اور چونکہ قرآنی احکام پر عمل کرنا قیامت تک کے آنے والی امت پر لازم ہے لہذا آج بھی یارسول اللہ اور یا نبی اللہ کہنا درست ہے۔ چنانچہ حضرت ملا علی قاری رحمت اللہ علیہ اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں بِاَنْ تَقُوْلُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ وَاَمْثَالَهُمَا مِنْ نَحْوِ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ يَا خَلِيْلَ اللّٰهِ وَهٰذَا فِي

حَیَاتِہٖ وَکَذَا بَعْدَ وَفَاتِہٖ فِی جَمِیْعِ مُخَاطَبَاتِہٖ یعنی آپ ﷺ کی حیات میں بھی اور وفات شریف کے بعد ہر قسم کے خطاب میں تم لوگوں کو یارسول اللہ، یا نبی اللہ، یا حبیب اللہ، یا خلیل اللہ، کہنا چاہیے (شرح الشفاء از ملا علی قاری علی ہامش نسیم الریاض جلد ۳ صفحہ ۳۸۶)۔

ہمیں نماز میں اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ پڑھنے کا حکم ہے۔ اس حدیث کے تحت حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایں حکم از جہت سریان حقیت محمدیہ است در ذرائر موجودات وافرادِ ممکنات یعنی یہ حکم اس وجہ سے دیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی حقیقت موجودات کے ذرے ذرے میں اور مخلوقات کی ہر ہر فرد میں موجود ہے (اشعۃ اللمعات جلد ا صفحہ ۴۳۰)۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اپنے قلب مین نبی کریم ﷺ کی صورت مبارک کو حاضر کر کے پڑھو اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ (احیاء العلوم جلد ا صفحہ ۱۷۱)۔

اسم محمد ﷺ کی دو جہات ہیں۔ ایک تو یہ آپ ﷺ کا ذاتی نام ہے۔ ذاتی نام سمجھ کر یا محمد کہنا منع ہے۔ دوسرے یہ اپنے معنی کے لحاظ سے آپ ﷺ کا صفاتی نام ہے (یعنی تعریف کیا گیا)۔ اس صفاتی نیت سے آپ ﷺ کو یا محمد کہہ کر پکارنا جائز ہے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے مدینہ شریف میں آپ کے استقبال میں نعرے لگائے۔ یَامُحَمَّدُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ یَا مُحَمَّدُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ (مسلم جلد ۲ صفحہ ۴۱۹)۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا پاؤں سُن ہوگیا تو انہوں نے شفا حاصل کرنے کے لیے یَا مُحَمَّدَاہُ کا نعرہ لگایا (الشفاء جلد ۲ صفحہ ۱۸)۔ حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ آپ نے مدد مانگنے کی غرض سے محبت کے ساتھ بلند آواز سے یہ نعرہ لگایا تھا (شرح الشفاء از ملا علی قاری علیہ الرحمۃ علی ہامش نسیم الریاض جلد ۳ صفحہ ۳۵۵)۔

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو محبوب کریم ﷺ کے وصال شریف کے بعد حدیث مرفوع کے مطابق دعا سکھائی جس میں یا نبی اللہ کے الفاظ موجود ہیں اور یہ حدیث اسی کتاب میں دعا کے باب میں مکمل نقل کی جا چکی ہے۔ اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام

وفات سے پہلے یا بعد میں تفریق نہیں کرتے تھے۔

مسلمان جنگِ یمامہ میں مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑ رہے تھے۔ مسلمانوں کو شکست کا خطرہ لاحق ہوا تو صحابہ کرام علیہم الرضوان نے نعرہ لگایا یَـا مُـحَـمَّدَاہُ، ان کی شکست فوراً فتح میں تبدیل ہو گئی۔ اس دن یہی نعرہ مسلمانوں کے لشکر کی پہچان تھا (البدایہ والنہایہ جلد۶ صفحہ ۳۲۱)۔

میدانِ جنگ میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کی فوجوں کا نعرہ یا محمد ہوا کرتا تھا (فتوح الشام صفحہ ۳۸۵)۔

بلکہ حضرت خالد بن ولید ﷺ کی قیادت میں صحابہ کرام علیہم الرضوان جنگ لڑ رہے تھے اور ان کے لشکر کی پہچان یہ نعرہ تھا ''یَـا مُـحَـمَّدُ یَا مَنْصُوْرُ اَجِبْ اَجِبْ'' یعنی اے محمد۔ اے امداد یافتہ، مدد کو پہنچ، مدد کو پہنچ (فتوح الشام صفحہ ۲۴۹)۔

اٹھیسویں آیت:

وَتَـوَكَّـلْ عَـلَـى الْـعَـزِيْـزِ الرَّحِيْمِ الَّذِىْ يَرٰكَ حِيْنَ تَقُوْمُ وَتَقَلُّبَكَ فِىْ السّٰجِدِيْنَ یعنی اس زبردست رحم والے پر بھروسہ کر جو تجھے کھڑا ہوتے ہوئے دیکھتا ہے۔ اور تیرا سجدہ کرنے والوں میں آنا جانا بھی دیکھتا ہے (الشعراء: ۲۱۷ تا ۲۱۹)۔

اس آیت کریمہ میں نبی کریم ﷺ کی شانِ محبوبیت اپنی آب وتاب کے ساتھ جلوہ فگن ہے۔ گویا اللہ کریم اپنے حبیب ﷺ کے اٹھنے، بیٹھنے، آنے جانے اور اداؤں کو محبانہ انداز میں دیکھتا ہے۔

اَلَّـذِىْ يَرٰكَ حِيْنَ تَقُوْمُ کی تفسیر میں اکثر مفسرین نے حضرت مجاہد تابعی کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ اَيْـنَـمَـا كُنْتَ یعنی اے محبوب آپ جہاں کہیں بھی ہوں، اللہ تعالیٰ آپ کو ہر وقت دیکھتا رہتا ہے (بغوی جلد۳ صفحہ ۴۰۲، ابن جریر جلد ۱۱ پارہ ۱۹ صفحہ ۱۳۲، قرطبی جلد ۱۳ صفحہ ۱۳۰)۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تائید میں یہ آیت بیان فرمائی ہے وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَـاِنَّكَ بِـاَعْيُـنِنَا یعنی اے محبوب آپ اپنے رب کے حکم پر صبر کریں۔ آپ ہر وقت ہماری نظروں میں ہیں (الطور: ۴۸، ابن کثیر جلد۳ صفحہ ۴۸۱)۔

ایمانِ والدین شریفین علیٰ ابنھما وعلیہما الصلوٰۃ والسلام

اس آیت میں وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ سے استدلال کرتے ہوئے مفسرین نے ساجدین سے آپ ﷺ کے آباء بھی مراد لیے ہیں۔ آپ ﷺ پاک مردوں کی پشت سے پاک خواتین کے رحم میں منتقل ہوتے چلے آئے۔ انہوں نے یہاں تک استدلال کیا ہے کہ آپ ﷺ کے تمام آباء مومن اور ساجد تھے۔ یہ تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائی ہے (بغوی جلد ۳ صفحہ ۴۰۲، قرطبی جلد ۱۳ صفحہ ۱۳۰، ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۴۸۲)۔

اس کی تائید بخاری کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں بنی آدم کے بہترین لوگوں میں سے زمانہ در زمانہ چلا آیا حتیٰ کہ اس زمانے میں میری بعثت ہوگئی (بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۰۳، المستند صفحہ ۵)۔ اور مسلم میں حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کی اولاد میں سے اسماعیل کو، اسماعیل کی اولاد میں سے بنی کنانہ کو، ان میں سے قریش کو، قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو چن لیا (مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۴۵، المستند صفحہ ۵)۔ بیہقی نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں بہترین لوگوں میں پیدا ہوا۔ میں اپنے ماں باپ میں سے پیدا ہوا اور مجھے جہالت کی کوئی بات نہ چھو سکی۔ میرے آباء واجداد سب باکردار تھے۔ میں تم سب میں اپنی ذات اور آباء کے لحاظ سے بہتر ہوں۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی روح مبارک حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے نور کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں موجود تھی۔ یہ نور اور فرشتے مل کر اللہ کی تسبیح کرتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو اس نور کو ان کی پشت میں رکھ دیا۔ خود نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے آدم کی پشت میں زمین پر اتارا، پھر نوح کی پشت میں منتقل کیا، پھر ابراہیم کی پشت میں منتقل کیا، پھر اسی طرح پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل کرتا رہا حتیٰ کہ مجھے میرے ماں باپ کے ذریعے پیدا کر دیا۔ میرے ماں باپ نے کبھی برائی نہیں کی۔ یہ حدیث صحیح ہے (الشفاء جلد ۱ صفحہ ۴۸)۔

اس پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ قرآن میں آزر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اب یعنی باپ کہا گیا ہے حالانکہ وہ مشرک تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اب یعنی باپ کا لفظ قرآن وسنت میں چچا کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے ان سے کہا تھا کہ نَعۡبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآءِكَ اِبۡرٰهِيۡمَ وَ اِسۡمٰعِيۡلَ وَ اِسۡحٰقَ یعنی ہم تیرے اور تیرے باپوں ابراہیم اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے (البقرہ: ۱۳۳)۔ حالانکہ ان میں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام ان کے باپ نہیں بلکہ چچا تھے۔

حدیث پاک میں ہے کہ عَمُّ الرَّجُلِ صِنۡوُ اَبِيۡهِ یعنی آدمی کا چچا اس کا باپ ہی ہوتا ہے (ترمذی جلد۲ صفحہ ۲۱۷، صحیح ابن حبان صفحہ ۱۸۸۴)۔

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيۡنَ حَتّٰى نَبۡعَثَ رَسُوۡلًا (بنی اسرائیل: ۱۵) سے استدلال کرتے ہوئے حضور کریم رؤف رحیم ﷺ کے والدین کریمین رضی اللہ عنہما کا ایمان ثابت کیا ہے۔ اس موضوع پر انہوں نے ایک مکمل رسالہ لکھا ہے جس کا نام ''مسالك الحنفاء فی والدی المصطفیٰ'' ہے۔ یہ رسالہ الحاوی للفتاویٰ میں موجود ہے۔ امام اہل سنت شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ابرالقال میں لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ سے ایمان والدین کریمین پر استدلال فرمایا ہے۔

نعت کی تاریخ

قرآن شریف میں کہیں نبی کریم ﷺ کے کھڑے ہونے اور آنے جانے کا ذکر ہے (الشعراء: ۲۱۹)۔ کہیں چہرۂ انور کو آسمان کی طرف اٹھانے کا ذکر ہے (البقرہ: ۱۴۴)۔ کہیں جنگ کے لیے گھر سے نکلنے کا ذکر ہے (آل عمران: ۱۲۱)۔ کہیں اللہ کریم فرماتا ہے اے محبوب آپ ہر وقت ہماری نظروں میں ہیں (الطور: ۴۸)۔ کہیں آپ ﷺ کے چہرۂ انور کی قسم ہے (الضحیٰ: ۱)۔ کہیں زلفوں کی قسم ہے (الضحیٰ: ۲)۔ کہیں آپ ﷺ کے شہر کی قسم ہے (البلد: ۱)۔ کہیں آپ ﷺ کی جان کی قسم ہے (الحجر: ۲۷)۔ کہیں آپ ﷺ کی چادر کا تذکرہ ہے (مزمل: ۱)۔ کہیں لحاف مبارک کا

ذکر ہے(مدثر:۱)۔کہیں آپ ﷺ کے خُلقِ عظیم کا ذکر ہے(القلم :۴)۔کہیں دشمنوں کے الزامات سے براءت کا اظہار ہے(القلم :۲)۔کہیں دشمنِ رسول کو تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَھَبٍ کہہ کر رسوا کیا جا رہا ہے(لہب :۱)اور کہیں حبیب لبیب ﷺ کے جانثاروں اور غلاموں کو وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ کہہ کر سراہا جا رہا ہے(فتح:۲۹)۔

ایسے لگتا ہے کہ پورا قرآن ہی نبی کریم کی شان اور نعت سے لبریز ہے۔اُدھر اللہ ہے کہ وہ خود بھی اور اس کے تمام فرشتے بھی ہر وقت حبیب کریم ﷺ پر درود میں مصروف ہیں (احزاب :۵۶)اور اللہ ہر وقت فرشتوں کی محفل سجائے ان میں اپنے نبی ﷺ کی ثنا خوانی کر رہا ہے(بخاری جلد۲صفحہ۷۰۷)۔

شمع رسالت کے پروانے یعنی صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) بھی بڑھ چڑھ کر نذرانہ ہائے عقیدت پیش کر رہے ہیں۔حضرت حسان بن ثابت ؓ کو نبی کریم ﷺ خود فرماتے ہیں کہ منبر پر چڑھ جاؤ اور میری نعت بیان کرو(بخاری ،مشکوۃ صفحہ ۴۱۰)۔آپ کی نعت کے تیرہ اشعار صحیح مسلم جلد۲صفحہ۳۰۱ پر موتیوں کی طرح آج بھی درج ہیں۔آپ کا پورا دیوان بازار میں آج بھی دستیاب ہے جس کا نام دیوانِ حسان ہے۔

حضرت کعب بن زہیر ؓ کے نعتیہ اشعار میں سے ایک شعر یہ ہے۔

اِنَّ الرَّسُوْلَ لَنُوْرٌ یُّسْتَضَاءُ بِہٖ ۔

مُھَنَّدٌ مِنْ سُیُوْفِ الْھِنْدِ مَسْلُوْلُ

(بلاشبہ رسول ایسا نور ہیں کہ اس سے روشنی حاصل ہوتی ہے۔آپ ﷺ ہند کی سونتی ہوئی تلوار ہیں۔)

آپ ﷺ نے یہ شعر سن کر فرمایا کہ مجھے ہند کی تلوار مت کہو۔اللہ کی تلوار کہو۔(الہند کو اللہ سے بدل دو)اور آپ ﷺ نے انہیں انعام کے طور پر چادر بھی عطا فرمائی(البدایہ والنہایہ جلد۴صفحہ۳۰۳)۔
اس کے علاوہ چاروں خلفاءِ راشدین،دیگر صحابہ کرام اور صحابیات علیہم الرضوان نے بھی

نعتیں لکھی ہیں اوران کے بعد آج تک پوری اُمت بے شمار زبانوں میں نعتِ رسولِ اکرم ﷺ سے اپنے قلب وباطن کو منور کرتی چلی آئی ہے۔ ان نعت خوانوں میں امامِ اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری علیہ الرحمۃ، مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمۃ اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی جیسی جلیل القدر ہستیاں شامل ہیں۔

علامہ شرف الدین بوصیری علیہ الرحمۃ کا لکھا ہوا قصیدہ بردہ زبان زدِ عالم ہے۔ جس کا ایک ایک شعر عشق ومستی کا بھرپور خزانہ ہے۔ ماضی قریب میں حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ نے عقیدت ومحبت سے لبریز، بے دریغ نذرانے پیش کر کے اسلاف کی یاد تازہ کردی ہے۔

چند نعتیں

اس عاجز مسکین اور رُوسیاہ نے اپنے آقا ومولا کی شان میں چند نعتیں تحریر کر ڈالی ہیں۔ چھوٹا منہ بڑی بات۔ اِن نعتوں کے اندر جو میری خطائیں پوشیدہ ہیں وہ ان کی نگاہِ بصیرت پر خوب عیاں ہیں، لیکن وہ رحمۃ للعٰلمین ہیں، کیا بعید کہ وہ انہیں میرے منہ پر دے مارنے کی بجائے شرف قبولیت سے نواز دیں۔

اے آں کہ تُرا عفو وعطا می زیبد
من آں کہ مَرا جرم وخطا می زیبد
ما ہیچ نہ گویم کہ با ما آں کن
با ما آں کن کہ تُرا می زیبد

☆......☆......☆

نقطوں کے بغیر نعت

اس درد ِلا دوا کی کوئی دوا کرو

آکر رسولِ اکرم درماں عطا کرو

مولا سماں دکھائے دُولہا سہاگ لائے

محدود ہوں کرم کے سائے دعا کرو

ساحل وہی ہے واحد ساری ہُمم کے دھارے

سوئے کرم کدۂ ہر دو سرا کرو

ہر گدا گری ہے اللہ کے گداؤ

وہ لاڈلا ہے اُس کا اُس سے کہا کرو

مل کر ملک ملائک ہر دم درود لائے

گھر گھر اسی عمل کو سحر و مسا کرو

سرکار کے محامد اعداء ِسماع سے عاری

اے مسلمو دما دم حد سے سوا کرو

آلائے ہر دو عالم دے کر کہا گدا سے

آگے کہو سوالی کھل کر صدا کرو

☆.....☆.....☆

عربی نعت

جَزَی اللّٰہُ عَنَّا النَّبِیَّ الْکَرِیْم

حَرِیْصٌ عَلَیْنَا رَءُوْفٌ رَّحِیْم

بَشِیْرٌ نَذِیْرٌ سِرَاجٌ مُّنِیْر

حَلِیْمٌ حَکِیْمٌ کَرِیْمٌ عَظِیْم

شَکٰی الطَّائِرُ وَالْبَہِیْمُ اِلَیْہِ

عَلَی الْاِنْسِ وَالْجِنِّ لُطْفٌ عَمِیْم

صَلٰوۃٌ عَلَیْکُمْ شَفِیْعَ الْوَرٰی

مُقِیْلَ الْخَطَآءِ وَعَیْنَ النَّعِیْم

سَلَامٌ عَلَیْکُمْ مُفِیْضَ السَّلَام

لِکُلٍّ اَتَاکُم بِقَلْبٍ سَلِیْم

صَلٰوۃٌ عَلٰی اٰلِہِ الطَّیِّبِیْنَ

سَلَامٌ عَلَیْھِمْ وَرَحْمٌ دَوِیْم

عَلٰی اُمَّۃِ الْمُصْطَفٰی کُلِّھَا

وَمِنْھَا غُلَامُ الرَّسُوْلِ الْکَرِیْمِ

صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَسَلَّمْ

ترجمہ

۱۔ اللہ ہماری طرف سے نبی کریم ﷺ کو جزائے خیر دے جو ہم پر حریص ہیں اور رؤف ورحیم ہیں۔

۲۔ وہ بشیر، نذیر اور سراجِ منیر ہیں۔ حلیم، حکیم، کریم اور عظمت والے ہیں۔

۳۔ پرندوں اور جانوروں نے اپنے مسائل آپ سے عرض کیے۔ آپ کا لُطف وکرم انسانوں اور جنوں پر بھی عام ہے۔

۴۔ اے تمام انسانوں کے شفیع! آپ پر درود ہو۔ اے خطاؤں کو مٹا دینے والے نعمتوں کے سرچشمہ۔

۵۔ جو بھی آپ کے پاس قلبِ سلیم لے کر آیا اُس کی طرف سلامتی کے دریا بہا دینے والے! آپ پر سلام ہو۔

۶۔ اُن کی آلِ پاک پر درود ہو اور اُن پر سلام ہو اور دائمی رحمت نازل ہو۔

۷۔ یہ درود وسلام مصطفیٰ ﷺ کی پوری امت پر بھی ہو۔ اور اسی امت میں رسولِ کریم ﷺ کا یہ غلام بھی شامل ہے۔

☆......☆......☆

فارسی نعت

درود و سلام و ثنائے محمد
ہمہ وقت وردِ خدائے محمد

قرآں گفت الحمدُ للہ ولیکن
محمد لقب شُد برائے محمد

عَیاں اززَبانی حدیثِ بخاری
کہ حسنِ خدا جلوہ ہائے محمد

نہ گفتہ حبیبِ خدا از ہوائش
کلامِ خدا شُد صدائے محمد

ہمہ خُلقِ اُو شُد کلامِ الٰہی
دل و جاں فدائے ادائے محمد

مفاتیحِ جملہ خزائن بدستش
عطائے خدا شُد عطائے محمد

وَلَوْ اَنَّہُمْ مژدۂ کامرانی
عفائے خدا شُد عفائے محمد

روانیست کس را کہ تفریق سازد
وِلائے خدا شُد وِلائے محمد

زہے قاسمی سرمۂ چشمِ عاشق
کجا مَن کجا خاکِ پائے محمد

☆......☆......☆

ترجمہ

۱۔ حضور ﷺ پر درود و سلام اور آپ کی ثنا خوانی ہر وقت اللہ کا وظیفہ ہے۔

۲۔ قرآن میں ہے الحمد للہ، لیکن محمد کا لقب محمد کریم ﷺ کے لیے ہے۔

۳۔ بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ جس نے مجھے دیکھا اُس نے حق کو دیکھا۔اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کا حسن حضور کے جلووں میں پوشیدہ ہے۔

۴۔ اللہ کا حبیب اپنی مرضی سے بولتا ہی نہیں۔اللہ کا کلام ہی حضور کی صدا ہے۔
(وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْىٌ يُّوْحٰى النجم: ۳،۴)۔

۵۔ آپکا اخلاق سارا قرآن ہے۔دِل و جان آپ ﷺ کی اداؤں پر فدا ہے۔

۶۔ تمام خزانوں کی چابیاں آپ کے ہاتھ میں ہیں۔حضور کی عطا ہی خدا کی عطا ہے (میرے پاس زمین کے خزانوں کی چابیاں لائی گئیں اور میرے ہاتھوں پر رکھ دی گئیں: بخاری جلد۲ صفحہ ۱۰۸۰)۔

۷۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ (جب یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرلیں تو اے حبیب آپ کے پاس آ جائیں۔) یہ آیت گناہگاروں کے لیے کامیابی کی خوشخبری ہے حضور کی معافی ہی خدا کی معافی ہے۔

۸۔ کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ فرق کرے۔حضور کی دوستی عین خدا کی دوستی ہے۔

۹۔ اے قاسمی! کاش ہمیں عاشقوں کی آنکھ کا سرمہ نصیب ہو جائے لیکن میں کہاں اور حضور ﷺ کے قدموں کی خاک کہاں۔

پشتو نعت

بُلبُل دَ یارہ گل بہ ای ہرکس دپارہ معشوقہ
مُنگ غُلامِ مصطفیٰ یو منگ دپارہ مصطفیٰ

مُنگ غلامان یو چا آووک مُنگ دپارہ دے
یمنی سادر کے بہ پٹ کئی مُنگ تول مصطفیٰ

پلار چہ کلہ زوے وھی لو مور پناہ ورکئی
چاتہ دَ خُدائے پراوی هغوی دپارہ مصطفیٰ

یا خُدایا اُنخئے اُمت دا احمد مجتبیٰ
تہ نہ خدایا غوا رم ہر یو دپارہ مصطفیٰ

زندگی پہ استقامت تیرہ شی یا مصطفیٰ
خاتمہ بالخیر او شی نورم نشتہ مُدعا

ستا مینہ کے یا رسول دریاب نہ مے بلہ شو
پنجابیانو پہ مینہ پښتو کے خبرہ اوکڑہ

منم چہ قاسمی تولونہ خوار دے بدکار دے
خو ستا کرم نہ زیات نہ سالی گناہ یا مصطفیٰ

ترجمہ

۱۔ بلبل کے لیے پھول ہے اور ہر شخص کا کوئی نہ کوئی محبوب ہے۔ ہم غلامانِ مصطفیٰ ہیں ہمارے محبوب مصطفیٰ ﷺ ہیں۔

۲۔ ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ جاء وك والی آیت ہمارے لیے ہے۔ ہم گناہگاروں کو حضور اپنی یمنی چادر میں چھپالیں گے۔

۳۔ جب باپ اپنے بیٹے کو مارے تو ماں اسے پناہ دیتی ہے۔ جسے اللہ سے سزا پانے کا خوف ہو وہ حضور کے دروازے پر حاضری دے۔

۴۔ اے اللہ! احمدِ مجتبیٰ ﷺ کی ساری اُمت کو بخش دے۔ میں تجھ سے حضور کے ہر اُمتی کے لیے سوال کرتا ہوں۔

۵۔ یارسول اللہ! میری صرف یہی استدعا ہے کہ میری زندگی استقامت سے گزر جائے اور خاتمہ ایمان پر ہو۔

۶۔ یارسول اللہ! آپ کی محبت میں مچھلی دریا سے باہر آ گئی ہے۔ اور پنجابیوں نے پشتو بولنا شروع کر دیا ہے۔

۷۔ میں مانتا ہوں کہ قاسمی سب سے خوار اور سیاہ کار ہے۔ مگر اسکے گناہ آپ کے کرم سے زیادہ نہیں۔

☆......☆......☆

سنڌي نعت

تنهنجي مثل جڳ ۾ آئي ڪا نه ٻي آ
اهڙي سهڻي صورت نه ٿيندي نه ٿي آ

تنهنجي چپ ٻه مثل حڪم آرباني
وسن هرڻي موتي جڏهن ڳالهه ڪئي آ

منهنجي سائين جي صورت آ جلوو خدا جو
خدا خود ڪيو آ جيئين سائين رچي آ

ثنا فرش وارا ڪري ڇا سگهن ٿا
جڏهن عرش تي به ثنا ٿيندي پئي آ

ٿين تنهنجو ثاني ناممڪن محال آ
نه اوّل نه آخر ڪائي ذات ٻي آ

منهنجا سائين قدمن ۾ موتي وهاريو
سڀي دنيا ۾ جا نه ٻي ڪا رهي آ

نڪا همڪرم سان ڪيو پاڪ آقا
شڪل قاسمي جي سنڌي مهرتي آ

ترجمہ

۱۔ تیری مثال اس دنیا میں نہیں آئی۔ ایسی حسین صورت نہ ہوئی ہے اور نہ ہوگی۔

۲۔ میرے پیارے! تیری چپ بھی اللہ کا حکم ہے اور جب بولتے ہو تو اس بولنے سے بھی عرش کے موتی برستے ہیں۔

۳۔ میرے آقا کی صورت خدا کا جلوہ ہے۔ آپ کو اللہ نے اسی طرح بنایا جس طرح آپ نے خود چاہا۔

۴۔ زمین والے ثنا کا حق کیا ادا کریں گے جبکہ عرشِ بریں پر بھی آپ کی ثنا جاری ہے۔

۵۔ آپ کا ثانی ممکن و محال ہے۔ اوّل و آخر کوئی دوسرا پیدا نہیں ہوا۔

۶۔ میرے آقا! مجھے اپنے قدموں میں جگہ عطا فرمایئے۔ پوری دنیا میں کوئی دوسری پناہ گاہ نہیں ہے۔

۷۔ آقا نے اپنی نگاہِ کرم سے ایسا پاک کر دیا کہ قاسمی کی صورت بھی سراپا کرم ہے۔

☆......☆......☆

His Highness The Greatest Prophet

See in sun and see in light
who is wrong and who is right.

Great is Allah then my prophet
None is greater in my sight.

He is never son of Allah
Even then you see his height.

Always Allah helps Muhammad
Fight with him if you can fight.

Midst of ten thousands of saints
In his right hand flaming light.

Live in love and die in love
You will see that end is bright.

For his umma after him
Has been weeping day and night.

No body can beat Muhammad
Take it granted black and white.

Only Allah can assess him
O,Qasmi you should be quiet .

اُردو نعت

جہانِ رنگ و بُو میں کوئی اُن جیسا نہیں ہوگا
نہ ہی افلاک میں ہوگا نہ برفرشِ زمیں ہوگا

کہیں قرآن میں شاہد کہیں پر شمسِ نورانی
کہیں قد جآءَ کُم ہوگا کہیں نورِ مبیں ہوگا

نبی کی شان کے منکر تجھے جھکنا پڑے گا ہی
حشر میں تم بھی جاؤ گے یہ عاصی بھی وہیں ہوگا

بڑے حیران ہوں گے پھر یہودی بھی نصاریٰ بھی
کہ جب اوجِ براہیمی ترے زیرِ نگیں ہوگا

اُنہیں میں ڈھونڈھ ہی لوں گا صراط و حوض و میزاں پر
نگاہیں مضطرب ہوں گی مگر دِل کو یقیں ہوگا

بروزِ حشر تکتے ہی اُنہیں پہچان لیں گے ہم
سراپا حسنِ یزدانی ہمارا مہ جبیں ہوگا

نہیں ہے قاسمی ایسا کوئی توشہ و سرمایہ
نبی کے عشق کا ذرّہ اگر دِل میں کہیں ہوگا

☆......☆......☆

پنجابی نعت

جاواں صدقے حُسنِ ازل توں ۔ کالی زُلف دے پیچ گنڈل توں

جیندی نبیاں تے سرداری ۔ میری نال محمد یاری

قربان میں خاص فضل توں ۔ کالی زُلف دے پیچ گنڈل توں

جیندے نور کیتا اُجیالا ۔ میرا ڈھول مدینے والا

فاران تے اُحد جبل توں ۔ کالی زُلف دے پیچ گنڈل توں

ہر حُسن اُسے دا جلوہ ۔ گیا عرش تے جیند اتکوا

مازاغ دے نین کجل توں ۔ کالی زُلف دے پیچ گنڈل توں

میری لوں لوں دے وِچ وسدا ۔ کدی اَپنا بھید نہ دَسدا

ہر چیز دے نور اصل توں ۔ کالی زُلف دے پیچ گنڈل توں

اُس یار نوں سامنے پایا ۔ جنہیں اپنا آپ ہٹایا

اُس مظہر ذات شکل توں ۔ کالی زُلف دے پیچ گنڈل توں

ہُن قاسمی دے وَل آ جا ۔ پیا ترسدا ای گل لا جا

میں واری وقت وصل توں ۔ کالی زُلف دے پیچ گنڈل توں

☆......☆......☆

سرائیکی زبان میں صوفیانہ کلام

مِلن اوِیندا وویار   گل چالوِیندا وویار

تسیاں دِید دِیاں دا   ساڑ مٹیندا وویار

آ وطناں تے وے ماہیا   روز اُڈیکاں وے راہیا

موڑ مُڑیندا وویار

سانگا واڈھے لُو یوے   سِکدیاں جند تڑفیوے

تاں سمجھیندا وویار

سجناں دور پیانوں   تھی مجبور گیانوں

آن ملیندا وویار

ڈاڈھا ڈھول تھکا یمی   جیندیاں مار مکا یمی

رحم کریندا وویار

چنگی ماڑی بی تھیندی   سجناں کان سہیندی

معاف کریندا وویار

سن وو غلام رسولا   مُڑ وو غلام رسولا

حکم منیندا وویار

☆......☆......☆

جمالِ مصطفیٰ ﷺ

درمیانہ قد۔ گندمی رنگ۔ نیم گھنگریالے بال۔ سر بڑا۔ بال گھنے، کان کی لو تک لمبے، کبھی شانوں تک پہنچ جاتے تھے۔ کندھوں کا درمیانی فاصلہ چوڑا۔ پیٹ اور سینہ ہموار۔ دونوں بازوؤں، کندھوں اور سینۂ بالائی پر بال تھے۔ سینے سے ناف تک بالوں کی باریک دھاری تھی۔ بدن پر زیادہ بال نہ تھے۔ چہرہ نہ گول نہ لمبا۔ آنکھیں سیاہ اور پتلی۔ آنکھوں کی سفیدی میں سرخ ڈورے۔ پلکیں دراز۔ پیشانی کشادہ۔ ابرو خم دار اور گنجان۔ دونوں اَبرو جدا جدا تھے۔ ان دونوں اَبروؤں کے درمیان ایک رَگ تھی جو بوقتِ جلال اُبھر آتی تھی۔ ناک بلندی مائل، سرسری دیکھنے سے بلند لگتی تھی۔ رُخسار ہموار، ہلکے اور گوشت بھرے تھے۔ دہن معتدل فراخ۔ دانت باریک آبدار۔ سامنے کے دانتوں میں معمولی فصل۔ داڑھی گنجان، سینے کو بھر دیتی تھی۔ گردن مورتی کی طرح صاف تراشیدہ۔ دونوں شانوں کے درمیان مُہرِ نبوت۔ اعضاء معتدل اور پُر گوشت۔ بدن گٹھا ہوا۔ کلائیاں دراز۔ اُنگلیاں مناسب لمبی۔ ہاتھ اور پاؤں کی ہتھیلیاں گوشت دار۔ اعضا کے جوڑ کی ہڈیاں بڑی۔ مجموعی بدن موٹا نہ تھا۔ بارُعب تھے۔ سچی پکی زبان۔ نرم دل۔ تیز رفتار۔ نیچی نظر۔ آگے جھک کر چلتے جیسے بلندی سے اُتر رہے ہوں۔ قوت سے قدم اُٹھاتے۔ کسی کی طرف متوجہ ہوتے تو پورے بدن سے مڑتے۔ آسمان کی نسبت زمین کی طرف زیادہ دیکھتے اور کبھی کبھی اس کے برعکس بھی کرتے۔ سفید لباس۔ سفید عمامہ۔ سبز یا سُرخ دھاریوں والی چادر، جوتا چمڑے کی بغیر بالوں والی چپٹی جس پر دو دو تسمے تھے۔ زیادہ تر تبسم فرماتے، آپ کی ہنسی صرف تبسم ہوتی تھی۔ کنواری پردہ دار لڑکی سے زیادہ شرمیلے۔ لگاتار اور جلدی جلدی نہ بولتے بلکہ ہر مضمون صاف اور دوسرے سے جدا ہوتا۔ جامع کلام فرماتے تھے۔ بات کو تین دفعہ دہراتے تاکہ سننے والا ذہن نشین کر لے۔ سُرمہ رات سوتے وقت لگاتے۔

بوقتِ وصال سر مبارک میں تیرہ اور داڑھی مبارک میں چار بال سفید تھے۔ تریسٹھ برس کی عمر میں وصال فرمایا۔

چاندی سے ڈھالا گیا بدن۔ (ابو ہریرہ ؓ)

چاند سے زیادہ خوبصورت۔ (جابرابن سمرہ ﷺ)

بَلْ مِثْلُ الْقَمَرِ۔ (براءبن عاذب ﷺ)

میں نے اتنا حسین نہ پہلے دیکھا نہ بعد میں۔(براءبن عاذب ﷺ، ہندابن ابی ہالہ ﷺ، مولیٰ علی ﷺ، امام حسین ﷺ)

تقریباً یہ سب باتیں شمائلِ ترمذی سے ماخوذ ہیں۔فقیر نے محبوب کریم ﷺ کا مذکورہ بالا حلیہ مبارک الشفاء بجمال المصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے نام سے شعروں میں ڈھال دیا ہے۔

الشّفاء

بجمال المصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء

باعثِ تخلیقِ عالَم جانِ جاں
صاحبِ لولاک سِرِّ کن فکاں

جملہ حاجت ہائے عالَم شُد وصول
توبۂ آدم طفیلِ اُو قبول

رحمۃ للعلمین فرحُ الحزیں
بر کبائر ہا شفیعُ المذنبیں

گندمی رنگ سر بڑا قد معتدل
بر سرِ محفل بلندی مستقل

گیسوئے خمدار کالے اور گھنے
کان کی لو کے برابر تھے بنے

پھیل کر شانوں کو چھو لیتے کبھی
کھائی قرآن نے قسم واللّیل کی

بطن و سینہ سیدھ میں کندھے وسیع
سینہ کندھے بازوؤں پر بال بھی

سینہ بالا سے لے کر ناف تک
بال کی باریک دھاری کی دمک

بدنِ اقدس پر نہ تھے کثرت سے بال
حسن وخوبی سے مزین بال بال

چہرۂ اقدس نہ لمبا تھا نہ گول
والضحیٰ کہہ کر پڑا قرآن بول

کالی آنکھیں تیز پتلی آبدار
سرخ ڈورے آنکھ میں پلکیں دراز

ابروئے خم دار گنجان و جدا
عذرائے محجوب سے بڑھ کر حیاء

خوب پیشانی کشادہ یار کی — چاند سے بڑھ کر چمک دلدار کی

ناک مائل تھی بلندی کی طرف — سرسری دیکھو تو لگتا تھا شرف

صاف ہلکے گوشتی ہموار گال — منہ فراخی مائل ولب باجمال

دانت پتلے آب دار و بافصل — گوہرِ نایاب کی اعلیٰ نسل

پُر کریں سینہ گھنی داڑھی کے بال — مونچھ چھوٹی خوبصورت باجمال

مورتی گردن مبارک پر فدا — اُس کو قدرت نے تراشا تھا جدا

تھی عیاں مُہرِ نبوت پشت سے — چھوئی جا سکتی تھی وہ انگشت سے

معتدل ہر عضو ہے پُر گوشت ہے — گٹھا ہوا اُن کے بدن کا پوست ہے

لمبی کلائی اُنگلیاں جائز دراز — ہاتھ پاؤں کی ہتھیلی گوشت دار

جوڑ کی ہڈیاں بڑی مضبوط تر — معتدل ان کا بدن مربوط تر

مسکرانا تیری عادت تھی سدا — مسکرا دے، مسکرا دے مسکرا

یا الٰہی از طفیلِ حسنِ اُو — رحم کن بر حالِ زار و خستہ رُو

یَا حَبِیْبِیْ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ — یَا مُجتَبِی اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ

یَا شَفِیْعِیْ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ — یَا شِفَائِیْ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ

نوٹ:۔

اس کلام ''الشفاء بجمال المصطفےٰ'' کو تین بار پڑھ کر مریض پر دم کیا جائے تو انشاء اللہ ہر مرض میں شفا ہوگی۔ مرض اگر پرانا ہو تو سات بار پڑھ کر دم کیا جائے اور اگر لاعلاج ہو تو اِکتالیس بار پڑھا جائے۔ مریض خود پڑھ کر اپنے اوپر خود بھی دم کر سکتا ہے۔

شعراء سے گزارش

ایک شاعر کے لیے یہ ضروری ہے کہ نہایت ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے کلام کے راست اور ضمنی اثرات پر نظر رکھے۔ آجکل کے بعض ناعاقبت اندیش شعراء چند مجذوب صوفیاء کی

زبان سے کسی خاص حال میں نکلی ہوئی باتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے علم اور علماء کی مخالفت کرتے ہیں۔ایسے لوگوں کے سامنے قرآن اور حدیث پڑھنے کا کچھ فائدہ نہیں۔ہم انہیں ایسے کاملین کی زبانی سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں جن کی عظمت وکمال اس کائنات پست وبالا میں ہرسُو مسلّم ہے۔

ا۔حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب کشف المحجوب کا آغاز''اثباتِ علم'' کے باب سے کیا ہے اور آپ اس میں قرآن اور حدیث کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

''یہ طے شدہ بات ہے کہ علم کی نفی جہالت ہے اور علم کا ترک بھی جہالت۔تو جاہل تو بہر حال قابل مذمت ہوگا اور جہالت تو کفر اور باطل کا قرینہ ہے۔کیونکہ حق کا جہالت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں اور یہ جہالت وترکِ علم تمام صوفیاء ومشائخ کے عقیدہ کے خلاف ہے''(کشف المحجوب صفحہ ۱۵)۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔

''جس کو شریعت کا علم حاصل نہیں اس کا دل جہالت کی بیماری میں مبتلا ہے(صفحہ ۱۷)۔

۲۔قطب الاقطاب سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے مشہور قصیدہ میں فرماتے ہیں۔

دَرَسْتُ الْعِلَمَ حَتّٰی صِرْتُ قُطُباً

وَ نِلْتُ السَّعْدَ مِنْ مَّوْلَی الْمَوَالِیْ

ترجمہ میں علم پڑھتے پڑھتے قطب ہوگیا اور میں نے خداوند تعالیٰ کی مدد سے سعادت کو پالیا۔

(قصیدہ خمریہ شعر نمبر ۹)

۳۔شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ

آپ رحمہ اللہ اپنی کتاب''الوصیہ'' میں فرماتے ہیں۔

''تو اپنے ماتحتوں پر اللہ کی حدود نافذ کر۔تجھ سے اُن کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ تیرا چھوٹے سے چھوٹا ماتحت تیرا اپنا نفس ہے۔اس پر اللہ کی حدود جاری کر۔اگر تیرے خیال میں

اچھائی وارد ہو تو یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر اچھائی سے رُکنے کا خیال آئے تو یہ شیطان کی طرف سے ہے۔ اچھائی وہ ہے جسے شریعت نے اچھائی کہا ہو اور شر وہ ہے جسے شریعت نے شر کہا ہو۔ خیر اور شر کی یہی پہچان ہے۔ اب تجھے معلوم ہو گیا ہوگا کہ اللہ کی حدود نافذ کرنے کے لئے شریعت کا علم کتنا ضروری ہے'' (الوصیہ، رسائل ابن عربی صفحہ ۴۰۸)۔

۴۔ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

علموں باجھ جو فقر کماوے کافر مرے دیوانہ ہو
سے وریہاں دی کرے عبادت رہے اللہ کنوں بے گانہ ہو
غفلت کنوں نہ کھلیس پردے دل جاہل بت خانہ ہو
میں قربان تنہاں توں باہو جنہاں ملیا یار یگانہ ہو

(کلامِ حضرت باہو صفحہ ۱۱۹)۔

یہ ہیں میرے آباء و پیشوا، کوئی مائی کا لال اِن کی مثال لاسکتا ہو تو لے آئے۔

جن چند صوفیاء کی زبان سے علم اور شریعت کے خلاف باتیں سرزد ہوئی ہیں۔ اوّل تو اُن کے پیشِ نظر ابوالفضل اور فیضی جیسے اکبر بادشاد کے پالتو مُلا تھے، یا وہ صوفیاء مجذوب تھے، یا یہ باتیں انہوں نے کسی حال میں کہی ہیں جنہیں صوفیاء کی اصطلاح میں ''شطحیات'' کہا جاتا ہے۔ جیسے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی حال میں ''سُبحانی ما اعظم شانی'' کہہ دیا مگر جب ہوش میں آئے تو فرمایا کہ میں دوبارہ ایسا کہوں تو مجھے قتل کر دینا۔ جب آپ نے دوبارہ اسی حال میں یہی الفاظ کہے تو آپ پر تلوار چلا دی گئی، مگر تلوار جسم سے ہوا کی طرح پار ہو گئی۔ یہ ہے سچ۔

صرف زبان سے ''سُبحانی'' کہہ کر ہر شخص بایزید بسطامی نہیں بن سکتا۔ ''انا الحق'' کہہ کر ابنِ منصور نہیں بن سکتا اور گھنگرو باندھ کر بلھے شاہ نہیں بن سکتا۔ علیہم الرحمۃ

مجذوب کا معاملہ بالکل جدا ہے، لیکن لوگوں کی اصلاح کی خاطر مسند ارشاد پر بیٹھنے

والے سالک کے لیے ضروری ہے کہ اس نے کم از کم قرآن شریف، مشکوٰۃ شریف، قدوری اور شرح عقائدِ نسفی کی تعلیم حاصل کر لی ہو۔ علم اور فقر ایک دوسرے کے بغیر ادھورے ہیں۔ محقق اور صاحبِ ظرف وہ ہے جو ان دونوں کو ساتھ لے کر چلے۔

یہ سب باتیں نعت خوان حضرات کے بھی کام کی ہیں۔ نعت خوان دوستوں سے درخواست ہے کہ اپنی نعتیں علماءِ کرام کے پاس جا کر صحیح کرا لیا کریں۔ بعض نعت خوان غلط اور خلافِ شرع بلکہ غلط عقائد پر مبنی نعتیں اور کلام پڑھ ڈالتے ہیں۔ پھر لوگ ایسے کلام پر اعتراض کرتے ہیں تو علماء کو جواب دینا پڑتا ہے۔ لہٰذا پہلے ہی علماء کو اپنا کلام دکھا کر درست کرا لینا اور محفلِ نعت میں کسی نہ کسی معتبر عالم سے تقریر کرانا، اس غلطی کی اصلاح کا بہترین طریقہ ہے۔

نعت پڑھنے کی قیمت طے کر لینا ناجائز ہے اور اخلاص و محبت کے بھی منافی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میرے بعد ایسی قوم پیدا ہو گی جو اپنی زبان سے اس طرح کھائے گی جیسے گائے اپنی زبان سے کھاتی ہے (احمد، مشکوٰۃ صفحہ ۴۱۰)۔ یہ حدیث مشکوٰۃ شریف کے باب البیان والشعر میں بیان ہوئی ہے یعنی گفتگو اور شاعری کا باب۔

نعت شریف کو گانے کی طرز پر پڑھنا بھی سخت قبیح ہے اور محفلِ نعت کو تھیٹر میں تبدیل کرنے کے مترادف ہے۔ محبوب کریم ﷺ نے فرمایا عشقیہ طرز سے بچنا تم پر لازم ہے (مشکوٰۃ صفحہ ۱۹۱)۔

نعت شریف کو ڈھول یا دف کے ساتھ پڑھنا بھی ناجائز ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا مجھے میرے رب نے دف توڑ دینے کا حکم دیا ہے (مسندِ احمد، مشکوٰۃ صفحہ ۳۱۸)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دف حرام ہے، موسیقی کے تمام آلات حرام ہیں، طبل حرام ہے اور بانسری حرام ہے (سنن کبریٰ للبیہقی جلد ۱۰ صفحہ ۲۲۲)۔

نعت خوان کا اپنے پیچھے گویوں اور سوزیوں کی ٹیم بٹھا لینا جو اللہ تعالیٰ جل شانہ کا اسمِ گرامی بگاڑ بگاڑ کر اس کی تکرار کرتے رہتے ہیں، سخت ناجائز ہے اور اللہ کریم کا نام بگاڑنا حرام ہے۔ دراصل یہ لوگ اللہ کے نام کے ذریعے ڈھول کی آواز پیدا کر رہے ہوتے ہیں۔ اسی طرح لاؤڈ اسپیکر یا ساؤنڈ سسٹم کی گونج (Echo) اس طریقے سے کھولنا کہ ڈھول جیسا ردھم پیدا ہو

جائے، ناجائز ہے اور ڈھول ہی کے مترادف ہے۔

ان باتوں کی اصلاح ہو جائے تو نعت خوانی بلاشبہ ایک پسندیدہ امر ہے۔

نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے کے تقاضے

نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے کا تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ سے محبت کی جائے۔ یہ محبت جتنی زیادہ ہوگی اتنا ہی ایمان مضبوط ہوگا۔ اس ایمان کا دوسرا تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کا ادب و تعظیم کی جائے اور تیسرا تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کی اطاعت کی جائے (وَغَيْرُ ذَالِكَ)۔

اِن تمام تقاضوں کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

ا۔ محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی محبت کا اکٹھا ذکر قرآن شریف کی سورۃ توبہ میں ہوا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ یعنی (اے محبوب) آپ فرمائیں اگر تمہارے باپ دادا اور تمہارے بیٹے اور تمہارے (سگے) بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور تمہارے مال جو تم نے کمائے اور تجارت جس کے مندا پڑ جانے سے تم ڈرتے ہو اور رہائشی مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو زیادہ محبوب ہوں تمہیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں فرماتا (التوبہ: ۲۴)۔

آیت کی تفسیر میں امام قرطبی رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وَفِي الْآيَةِ دَلِيْلٌ عَلٰى وُجُوْبِ حُبِّ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَلَا خِلَافَ فِيْ ذٰلِكَ بَيْنَ الْاُمَّةِ وَاَنَّ ذٰلِكَ مُقَدَّمٌ

عَلٰی کُلِّ مَحْبُوْبٍ یعنی اس آیت میں اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت کے واجب ہونے کی دلیل موجود ہے اور اس میں پوری امت کے درمیان کوئی اختلاف نہیں اور یہ محبت ہر محبوب پر بھاری ہے (قرطبی جلد ۸ صفحہ ۸۸)۔

قاضی عیاض رحمت اللہ علیہ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: اس آیت میں جس طریقے سے نبی کریم ﷺ کی محبت پر امت کو ابھارا گیا ہے اور محبت نہ کرنے پر تنبیہ کی گئی ہے اور آیت میں جس قدر دلالت اور حجت موجود ہے، وہ آپ ﷺ کی محبت کے لازم اور فرض ہونے اور آپ ﷺ کے اس کا حقدار ہونے کی واضح دلیل ہے۔ اس آیت میں مسلمانوں کو اپنے جان و مال، اہل و عیال اور اولاد سے بڑھ کر اللہ اور اللہ کے رسول سے زیادہ محبت رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور ایسا نہ کرنے پر سخت ترین وعید سنائی گئی ہے۔ پھر محبت نہ کرنے والوں کو فاسق قرار دیا گیا ہے اور انہیں جتلا دیا گیا ہے کہ ایسے لوگ گمراہ ہیں اور انہیں اللہ ہدایت نہیں دے گا (الشفاء جلد ۲ صفحہ ۱۴، ۱۵)۔

حدیث شریف میں ہے:

1۔ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ یعنی تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اس کے ماں، باپ، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں (بخاری جلد ۱ صفحہ ۷، مسلم جلد ۱ صفحہ ۴۹)۔

2۔ عَنْ اَنَسٍ ﷺ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ ثَلٰثٌ مَنْ کُنَّ فِیْہِ وَجَدَ حَلَاوَۃَ الْاِیْمَانِ، اَنْ یَّکُوْنَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِمَّا سِوَاھُمَا وَاَنْ یُّحِبَّ الْمَرْءَ لَا یُحِبُّہٗ اِلَّا لِلّٰہِ وَاَنْ یَّکْرَہَ اَنْ یَّعُوْدَ فِی الْکُفْرِ کَمَا یَکْرَہُ اَنْ یُّقْذَفَ فِی النَّارِ یعنی حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین چیزیں ایسی ہیں کہ جس بندے میں پائی جائیں اس نے ایمان کی چاشنی پالی۔ ایک یہ کہ اللہ اور اسکا رسول اسے باقی سب سے زیادہ پیارے ہوں۔ دوسری یہ کہ وہ کسی بندے سے محض اللہ کی خاطر محبت کرتا ہو۔ تیسری یہ کہ کفر کی طرف لوٹ جانا اسے اتنا ناپسند ہو جس طرح آگ میں گرائے جانا اسے ناپسند ہے (مسلم جلد ۱ صفحہ ۴۹، بخاری جلد ۱ صفحہ ۷)۔

3۔ وَعَنْهُ اَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَتَى السَّاعَةُ قَالَ وَمَا اَعْدَدْتَ لَهَا قَالَ مَا اَعْدَدْتُ لَهَا اِلَّا اَنِّي اُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ قَالَ اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ قَالَ اَنَسٌ فَمَا رَاَيْتُ الْمُسْلِمِيْنَ فَرِحُوا بِشَيْءٍ بَعْدَ الْاِسْلَامِ فَرْحَهُمْ بِهَا رَوَاهُ مُسْلِم وَالْبُخَارِي وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ اَنَسٌ ﷺ اُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ وَاَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ فَاَرْجُو اَنْ اَكُونَ مَعَهُمْ وَاِنْ لَّمْ اَعْمَلْ بِاَعْمَالِهِمْ رَوَاهُ مُسْلِم وَفِي رِوَايَةٍ فَكَاَنَّ الرَّجُلَ اِسْتَكَانَ ثُمَّ قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا اَعْدَدْتُ لَهَا كَثِيْرَ صَلَاةٍ وَلَا صِيَامٍ وَلَا صَدَقَةٍ وَلٰكِنِّي اُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ قَالَ فَاَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ رَوَاهُ مُسْلِم وَمِثْلَهٗ فِي مُوَطَّا الْاِمَامِ مُحَمَّدٍ یعنی حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ قیامت کب آئے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا! تونے اسکے لیے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے کہا میں نے اسکے لیے کوئی تیاری نہیں کی، سوائے اسکے کہ میں اللہ اور اسکے رسول سے محبت کرتا ہوں۔ فرمایا تو اسی کے ساتھ ہوگا جس سے تجھے محبت ہوگی۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے مسلمانوں کو اسلام لانے کے بعد کسی بات پر اتنا خوش ہوتے ہوئے نہیں دیکھا جتنا وہ اس بات پر خوش ہوئے (مسلم جلد۲ صفحہ۳۳۲، بخاری، مشکوٰۃ صفحہ۴۲۶)۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت انس ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ اور اس کے رسول اور ابوبکر اور عمر سے محبت کرتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ انکے ساتھ رہوں گا اگرچہ میرے اعمال ان جیسے نہیں ہیں (مسلم جلد۲ صفحہ۳۳۲)۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ آدمی خاموش سا ہو گیا۔ پھر کہنے لگا یارسول اللہ میں نے اسکے لیے نہ تو زیادہ نماز تیار کی ہے نہ روزے اور نہ ہی زکوٰۃ، ہاں البتہ میں اللہ اور اسکے رسول سے محبت کرتا ہوں۔ فرمایا تو اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ تیری محبت ہوگی (موطا امام محمد صفحہ۳۹۰، مسلم جلد۲ صفحہ۳۳۲، المستند صفحہ۸)۔

4۔ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ مَا سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَذْكُرُ النَّبِيَّ ﷺ قَطُّ اِلَّا بَكٰى یعنی حضرت عمرو بن محمد اپنے باپ کی زبانی بیان فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عمر کو جب بھی نبی کریم ﷺ کا ذکرِ خیر کرتے ہوئے سنا وہ ہمیشہ رونے لگتے تھے (دارمی، المستند صفحہ۸)۔

5۔ سیدنا علی المرتضیٰ ﷛ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حسن اور حسین کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا جس نے مجھ سے محبت کی اور ان دونوں سے محبت کی اور ان کے باپ اور ان کی ماں سے محبت کی وہ قیامت کے دن میرے ساتھ میرے درجے میں ہوگا (الشفاء جلد ۲ صفحہ ۱۶)۔

6۔ حضرت عمر بن خطاب ﷛ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا، یارسول اللہ آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں سوائے اپنی جان کے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اسکی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ حضرت عمر ﷛ نے عرض کیا، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی ہے آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ پیارے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اب ٹھیک ہے (الشفاء جلد ۲ صفحہ ۱۵)۔

7۔ حضرت عمرو بن العاص ﷛ فرماتے ہیں کہ مَا كَانَ اَحَدٌ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ یعنی مجھے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر دنیا کا کوئی شخص محبوب نہیں تھا (مسلم جلد ۱ صفحہ ۷۶)۔

8۔ حضرت ابو بکر صدیق ﷛ نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، آپ کے چچا ابو طالب کا مسلمان ہو جانا مجھے اپنے باپ کے مسلمان ہونے سے زیادہ پسند ہے۔ حضرت عمر بن خطاب ﷛ نے یہی بات محبوب کریم ﷺ کے چچا حضرت عباس ﷛ سے کی تھی کہ اگر آپ مسلمان ہو جائیں تو یہ چیز مجھے اپنے باپ خطاب کے مسلمان ہونے سے زیادہ پسند ہے (الشفاء جلد ۲ صفحہ ۱۸)۔

9۔ حضرت علی المرتضیٰ ﷛ سے پوچھا گیا کہ آپ لوگ رسول اللہ ﷺ سے کیسی محبت کرتے تھے؟ آپ ﷛ نے فرمایا اللہ کی قسم آپ ﷺ ہمیں ہمارے مال، اولاد، باپ دادا، ہماری ماؤں اور پیاس میں ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب تھے (الشفاء جلد ۲ صفحہ ۱۸)۔

10۔ حضرت زید بن دثنہ ﷛ کو جب اہل مکہ نے قتل کرنے کے لیے حرم شریف سے باہر نکالا تو ابو سفیان بن حرب نے ان سے کہا، اے زید میں تجھے اللہ کی قسم دیکر پوچھتا ہوں، کیا تم اس وقت بھی نہیں چاہتے کہ تمہاری جگہ پر محمد ہوں اور تمہاری جگہ انہیں قتل کیا جائے اور تو اپنے گھر والوں میں

خیریت سے موجود ہو؟ حضرت زید نے فرمایا اللہ کی قسم میں نہیں چاہتا کہ محمد ﷺ کو اپنے گھر میں بیٹھے بٹھائے بھی کوئی کانٹا تک چبھے اور میں اپنے گھر بیٹھا رہوں۔ ابوسفیان نے کہا میں نے آج تک کسی انسان کو کسی دوسرے انسان سے اتنی محبت کرتے ہوئے نہیں دیکھا جتنی محمد کے اصحاب محمد سے محبت کرتے ہیں (الشفاء جلد۲ صفحہ۱۹)۔ اسی طرح کا واقعہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا جب انہیں سولی پر چڑھایا گیا اور چالیس کافروں نے نیزے لے کر چاروں طرف سے حملہ کر دیا۔

11۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے غارِ ثور کے باہر نبی کریم ﷺ کو کھڑا کیا اور خود اندر تشریف لے گئے تاکہ غار میں سے کوئی مصیبت حضور کو نہ پہنچے۔ اپنی چادر پھاڑ کر غار کے سارے سوراخ بند کر دیے۔ صرف دو سوراخ رہ گئے، ان پر اپنے پاؤں رکھ دیے اور محبوب کریم ﷺ سے عرض کیا کہ اندر تشریف لے آئیں۔ آپ ﷺ انکی گود میں سر مبارک رکھ کر سو گئے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاؤں پر سانپ نے ڈس لیا مگر انہوں نے حرکت تک نہیں کی تاکہ حبیب کریم ﷺ جاگ نہ جائیں۔ انکے آنسو آپ ﷺ کے چہرۂ اقدس پر پڑے تو آپ ﷺ جاگ گئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا ابوبکر آپ کو کیا ہوا ہے۔ عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں مجھے سانپ نے ڈس لیا ہے۔ آپ ﷺ نے لعاب مبارک لگایا تو انکی تکلیف رفع ہو گئی (رزین، مشکوۃ صفحہ ۵۵۶، المستند صفحہ ۲۶)۔

12۔ جنگ احد میں ایک انصاری خاتون رضی اللہ عنہا کے والد، بھائی اور شوہر شہید ہو گئے۔ وہ میدان احد کی طرف جا رہی تھیں اور لوگوں سے اپنے گھر کے افراد کی بجائے رسول اللہ ﷺ کی خیریت دریافت کر رہی تھیں۔ لوگوں نے بتایا کہ حضور الحمد للہ تمہاری مرضی کے مطابق خیریت سے ہیں۔ کہنے لگیں مجھے دکھاؤ میں حضور کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتی ہوں۔ جب حضور پر نظر پڑی تو کہنے لگیں کُلُّ مُصِیبَۃٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ یعنی آپ کو دیکھ لینے کے بعد ہر مصیبت آسان ہے (الشفاء جلد۲ صفحہ ۱۸)۔

13۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو صلح حدیبیہ کے موقع پر مکہ شریف میں اہل مکہ سے بات چیت کے لیے بھیجا۔ مکہ والوں نے انہیں کعبہ کا طواف کرنے کی اجازت دی تو انہوں نے فرمایا مَا کُنْتُ لِاَفْعَلَ حَتّٰی یَطُوْفَ بِہٖ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یعنی میں کعبہ کا طواف ہرگز نہیں کروں گا جب تک رسول اللہ ﷺ طواف نہیں کرتے (الشفاء جلد۲ صفحہ ۳۱)۔

14۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ایک غزوہ میں بلاوجہ شریک نہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر ناراضگی آ گئی۔ نبی کریم ﷺ نے توبہ قبول ہونے تک لوگوں کو ان سے قطع تعلق کا حکم دیا۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں حاضر ہوتا رہتا تھا۔ حضور نماز کے بعد مسجد میں صحابہ کرام کی مجلس میں تشریف فرما ہوتے۔ میں سلام عرض کرتا تو غور سے دیکھتا رہتا تھا کہ میرے سلام کے جواب میں حضور نے ہونٹ مبارک ہلائے ہیں کہ نہیں۔ پھر میں آپ ﷺ کے قریب نماز پڑھتا تھا۔ میں نماز کے دوران آپ ﷺ کو چوری چوری دیکھتا رہتا تھا۔ جب میں نماز کی طرف متوجہ ہوتا تو حضور مجھے دیکھنے لگتے اور جب میں حضور کی طرف دیکھتا تو حضور دوسری طرف دیکھنے لگتے تھے (مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۶۱)۔

15۔ آخری دنوں میں محبوب کریم ﷺ کو تکلیف تھی جس کی وجہ سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نمازیں پڑھاتے تھے۔ سوموار کے دن لوگ نماز میں کھڑے تھے کہ حبیب کریم ﷺ نے اپنے حجرہ مبارک کا پردہ اٹھایا اور کھڑے ہو کر ہماری طرف دیکھنے لگے۔ ہم سب لوگ بھی عین نماز میں نبی کریم ﷺ کی طرف دیکھنے لگے۔ آپ ﷺ کا چہرۂ انور قرآن کے ورق کی طرح تھا کَاَنَّ وَجْهَهٗ وَرَقَةُ مَصْحَفٍ ۔ پھر آپ مسکرائے اور ہمیں خیال آنے لگا کہ کہیں ہم حضور کے دیدار کی خوشی کی وجہ سے نمازیں نہ توڑ بیٹھیں۔ ابو بکر اپنی ایڑیوں کے بل مصلۂ امامت سے پیچھے ہٹے کہ شاید نبی کریم ﷺ نماز میں تشریف لانے والے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ہاتھ مبارک سے اشارہ فرمایا کہ اپنی نماز مکمل کرو اور پردہ گرا دیا۔ اسی دن آپ ﷺ کا وصال ہو گیا (مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۷۹، بخاری جلد ۱ صفحہ ۹۳)۔

16۔ جب نبی کریم ﷺ کا وصال شریف ہوا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا خیال یہ تھا کہ حضور ﷺ فوت نہیں ہو سکتے۔ آپ قسم کھا کر بیان فرماتے ہیں کہ اس وقت میری سوچ یہی تھی کہ نبی کریم ﷺ کو اللہ نے کسی کام سے بلایا ہے اور آپ واپس تشریف لے آئیں گے۔ انہوں نے تلوار نکال لی اور فرمایا جس نے کہا کہ حضور فوت ہو گئے ہیں میں اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ دوں گا۔ پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور خطبہ دیا جس میں مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْل اور اِنَّكَ مَيِّتٌ آیات پڑھیں اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کو محبوب کریم ﷺ کے وصال شریف کا یقین آ گیا اور حیرت جاتی رہی (بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۱۷)۔

17۔ جب حبیب کریم ﷺ کی تدفین ہو رہی تھی اور آخر میں قدمین شریفین کی طرف سے قبرِ انور بند کی جانے لگی تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے جان بوجھ کر اپنی انگوٹھی قبر شریف کے اندر گرادی۔ اور کہنے لگے میری انگوٹھی اندر گر گئی ہے۔ لوگوں نے انہیں قبرِ انور کے اندر اتر کر انگوٹھی اٹھانے کی اجازت دے دی۔ انہوں نے اندر اتر کر اپنی انگوٹھی اٹھالی اور محبوب کریم ﷺ کے مقدس قدمین کو ہاتھ لگا کر باہر آگئے۔ بعد میں ساری زندگی فخر کرتے رہے کہ میں وہ واحد شخص ہوں جس نے حبیب کریم ﷺ کے قدموں کو سب سے آخر میں مس کیا ہے (سیرت ابن ہشام جلد۴ صفحہ ۲۶۴)۔

18۔ ایک عورت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی اور کہنے لگی میرے لیے رسول اللہ ﷺ کی قبر انور کا دروازہ کھول دو۔ انہوں نے دروازہ مبارک کھول دیا۔ وہ عورت قبرانور پر اتنا روئی کہ اس کی وفات ہوگئی (الشفاء جلد۲ صفحہ ۱۹)۔

19۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ عوام کی دیکھ بھال کے لیے رات کو گشت کر رہے تھے۔ آپ نے ایک گھر میں چراغ جلتا ہوا دیکھا۔ ایک بوڑھی عورت سوت کات رہی تھی اور وہ نبی کریم ﷺ کی محبت اور جدائی میں شعر پڑھ رہی تھی۔

عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلَاةُ الْاَبْرَار — صَلّٰی عَلَیْهِ الطَّیِّبُوْنَ الْاَخْیَار

قَدْ کُنْتَ ۔۔ مَا بُکاً بِالْاَسْحَار — یَا لَیْتَ شِعْرِی وَالْمَنَایَا اَطْوَار

هَلْ تَجْمَعُنِی وَ حَبِیْبِی الدَّار

ترجمہ: محمد ﷺ پر اللہ کے پیاروں کی طرف سے درود ہو۔ آپ ﷺ پر پاک لوگوں اور نیک لوگوں کا درود ہو۔ یارسول اللہ آپ رات کو قیام فرماتے اور سحری کے وقت رویا کرتے تھے۔ کاش میں جان لیتی کہ میں اور میرا محبوب ایک جگہ پر اکٹھے ہوں گے کہ نہیں۔ اسلئے کہ موت مختلف طریقوں سے آتی ہے اور نہ جانے میری موت کس حالت میں آئے اور مرنے کے بعد حضور سے ملاقات ہو سکے یا نہ ہو سکے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہیں بیٹھ کر رونے لگے (الشفاء جلد۲ صفحہ ۱۸)۔

20۔ نبی کریم ﷺ کے وصال شریف کے بعد حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا

کُنْتَ السَّوَادَ لِنَاظِرِیْ — فَعَمِیَ عَلَیْكَ النَّاظِرُ

مَنْ شَاءَ بَعْدَكَ فَلْیَمُتْ — وَعَلَیْكَ کُنْتُ اُحَاذِرُ

ترجمہ:۔ یارسول اللہ آپ میری آنکھوں کی کالی دھیری تھے، آپ کے جانے سے میری آنکھیں اندھی ہوگئی ہیں۔ اب آپ کے بعد جس کا جی چاہے مرجائے، مجھے اگر خوف تھا تو آپ سے بچھڑنے کا خوف تھا۔

21۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نبی کریم ﷺ کے بعد جب آپ کا ذکر کرتے تو ان پر کیف طاری ہوجاتا اور ان کے جسم پھڑکنے لگتے اور وہ رونا شروع کردیتے تھے اور یہی حال بے شمار تابعین کا بھی تھا (الشفاء جلد ۲ صفحہ ۲۰)۔

22۔ حضرت عبدہ بنتِ خالد فرماتی ہیں کہ میرے والد حضرت خالد بن معدان رضی اللہ عنہ جب رات کو سونے لگتے تو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے مہاجرین و انصار صحابہ سے ملاقات کے شوق میں ان کا نام لے لے کر فرماتے تھے کہ یہ ہستیاں میرے اصول و فروع ہیں، میں ان سے بچھڑ گیا ہوں، میرا دل انہی کی خاطر تڑپتا ہے، میرا فراق طویل ہو چکا ہے، اے میرے اللہ میری روح قبض کر کے مجھے جلدی ان سے ملادے۔ یہ کہتے کہتے انہیں نیند آجاتی تھی (الشفاء جلد ۲ صفحہ ۱۷)۔

23۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو ان کی زوجہ نے کہا وَا حُزْنَاہ یعنی ہائے غم، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا وَا طَرَبَاہ غَداً اَلْقَی الْاَحِبَّۃَ مُحَمَّداً وَ حِزْبَہٗ یعنی واہ خوشی، میں کل اپنے پیاروں محمد اور اس کے ساتھیوں سے جا ملوں گا (الشفاء جلد ۲ صفحہ ۱۸)۔

24۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس نبی کریم ﷺ کا تہبند، چادر، قمیض، بال اور ناخن مبارک تھے۔ انہوں نے وصیت فرمائی کہ مجھے آپ ﷺ کی قمیض کا کفن دینا آپ ﷺ کی چادر میں لپیٹنا اور تہبند مبارک کا ازار بنانا اور آپ ﷺ کے بال اور ناخن مبارک میرے چہرے اور سجدے کی جگہوں پر رکھ دینا اور مجھے ارحم الراحمین کے حوالے کر دینا (الاکمال مع المشکوۃ صفحہ ۶۱۷)۔

25۔ نبی کریم ﷺ کے وصال شریف کے بعد حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ نے غم کی وجہ سے مدینہ منورہ چھوڑ دیا اور شام میں جا کر رہائش پذیر ہوگئے۔ انہیں حبیب کریم ﷺ نے خواب میں فرمایا کہ مدینہ میں آ کر ہمیں مل جاؤ۔ وہ صبح اٹھے تو مدینہ شریف کا رُخ کیا۔ مدینہ شریف پہنچے تو ہر طرف ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ ہر کسی کی زبان پر تھا، بلال آگئے بلال آگئے۔ جب وہ مسجد نبوی شریف میں پہنچے تو دیوانہ وار کبھی حجرات میں جا کر حضور کو تلاش کرتے اور کبھی مسجد شریف میں۔ جب روضہ انور پر گئے تو اپنا سر قبر انور پر

ڈال کر دھاڑیں مار کر روئے۔ صحابہ کرام اور خلفاء راشدین علیہم الرضوان پاس موجود تھے۔ حضرت بلال بے ہوش ہو کر گر گئے۔ لوگوں نے جب ہوش دلایا۔ سب لوگ فرمائش کرنے لگے کہ اذان سناؤ۔ انہوں نے معذرت کی کہ میں اذان نہیں پڑھ سکتا۔ محبوب کریم ﷺ کی موجودگی میں اذان پڑھتے وقت محبوب کا چہرہ سامنے ہوتا تھا اب میں کون سے چہرے کو دیکھ کر اذان پڑھوں گا۔ لوگوں نے شہزادۂ رسول حضرت سیدنا امام حسن اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہما سے سفارش کرائی۔ شہزادوں نے ہاتھوں سے پکڑ کر فرمائش کی کہ چچا جان اذان سنایئے۔ آپ اس فرمائش کو ٹال نہ سکے اور کھڑے ہو کر اذان شروع کر دی۔ اذان آگے کو بڑھ رہی تھی اور مدینہ منورہ میں کہرام برپا ہو رہا تھا۔ جب آپ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰہ پر پہنچے تو مدینہ کے گھروں میں سے باپردہ خواتین بھی بے قابو ہو کر باہر نکل آئیں۔ پورا مدینہ قبر انور کی طرف پرواز کر کے اُمڈ رہا تھا اور ایسے لگتا تھا کہ حضور کا وصال آج ہی ہوا ہے۔ فقیر راقم الحروف نے اس پورے واقعہ کی منظر کشی ذیل کے اشعار میں کی ہے۔ واللہ الموفق

اندازِ بلالی

بحضور عاشقِ مصطفٰے علٰی محبوبہ وعلیہ التحیۃ والثناء

دنیا سے چلے جب سے وہ ذیشان گئے
بلال حبشی مدینے سے چلے شام گئے

قسمت کے سکندر کو ملے خواب میں آقا
اِک بار مدینے میں ہمیں آن کے مل جا

جیسے ہی مدینے کی وہ دہلیز پہ آیا
ہر سمت ہوا شور مدینہ میں بلال آیا

مسجد میں تو حجرات میں جا جا کے تلاشا
سرکار یہ حاضر ہے رُخِ یار کا پیاسا

ہر سمت مدینے میں تھا کہرام سا برپا
آقا کی وہ جب قبر پہ سر ڈال کے رویا

بے ہوش ہوا گر کے وہ دربار نبی میں
یارانِ نبی پاس تھے سرکار نبی میں

لوگوں نے کہا یادِ نبی تازہ کراؤ
اِک بار ذرا پھر سے وہ آذان سناؤ

کہتا ہے مجھے معاف رکھو اہل مدینہ
میرا یہ تہیہ ہے کہ آذان پڑھوں نہ

تھا سامنے آذان میں سرکار کا چہرہ
اب کون دکھائے گا میرے یار کا چہرہ

حسنین سے لوگوں نے سفارش جو کرائی
عشاق کی اس بات سے امید بر آئی

کہتے ہیں کہ چچا ہمیں آذان سنائیں	پھر سوزِ بلالی سے مدینے کو سجائیں
لبیک میری مالک و مختار کے بیٹے	لبیک علی حیدرِ کرار کے بیٹے
فوراً ہی بلال اٹھے گئے جائے اذاں پر	آذان شروع کردی کھڑے ہوکے وہاں پر
منظر تھا عجب وہ بھی گھڑی دید کے قابل	پھٹتا تھا ہر اک شخص کا سینہ و جگر دل
بڑھتی جو گئی آگے کو آذانِ بلالی	ہر لفظ میں اِک آگ نئی شعلہ سَر اٹھی
پہنچا جو رسالت کی گواہی پر مؤذِن	لگتا تھا کہ رخصت ہوئے سرکار اُسی دن
باپردہ خواتین نکل آئیں گھروں سے	ہر سمت تھا ہنگامہ بپا آہ و فغاں سے
اے کاش مسلمان اسی نہج پہ جائے	یارانِ محمد نے جو انداز سکھائے

حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص نبی کریم ﷺ کو اپنے تمام احوال کا حکران اور متصرف نہیں سمجھتا اور اپنی جان کو آپ ﷺ کی ملکیت نہیں جانتا وہ آپ ﷺ کی سنت کی حلاوت سے بے خبر ہے۔ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اسکی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں (الشفاء جلد۲ صفحہ۱۵)۔

محبتِ رسول ﷺ ایمان کا خلاصہ اور اِجمال ہے۔ اس محبت کی تین قسمیں ہیں۔ ایک محبت عقلی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کے نہ چاہنے کے باوجود نفس کی مخالفت کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ کو ہر چیز پر ترجیح دے۔

اس سے بہتر محبت ایمانی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا اسم گرامی سن کر یا آپ ﷺ کی یاد آنے پر مسلمان کے دل میں تعظیم اور محبت کا ایک کرنٹ سا گزرے۔ یہ کرنٹ جتنا زیادہ ہوگا اتنا ایمان مضبوط ہوگا۔

اس سے بھی بہتر محبت طبعی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ مسلمان اپنے محبوب نبی کریم ﷺ کے دیدار کا شوق رکھے۔ آپ ﷺ کے لیے اُداس ہو جایا کرے اور ماں باپ اور اولاد کی حسی محبت سے یہ محبت بڑھ جائے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے بعد میں آنے والے بعض امتیوں کے حق میں فرمایا کہ اِنَّ مِنْ اَشَدِّ اُمَّتِی لِی حُبًّا نَاسٌ یَکُونُونَ بَعْدِی یَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْرَآنِی بِاَهْلِهٖ وَمَالِهٖ یعنی میری امت میں سے مجھ سے سب سے زیادہ محبت کرنے والے وہ لوگ ہوں گے جو

میرے بعد آئیں گے، ان میں سے ایک یہ چاہے گا کہ کاش وہ اپنا مال اور اولاد قربان کر کے مجھے ایک جھلک دیکھ سکے (مشکوٰۃ صفحہ ۵۸۳، وشلہ فی البخاری جلد ۱ صفحہ ۵۰۷، المستند صفحہ ۸)۔

محبت کی اقسام میں سے کسی ایک کی چھوٹی سے چنگاری بھی اگر کسی کے دل میں موجود ہے، تو یہ عین ایمان ہے اور یہ محبت جس قدر ترقی کرتی جائے گی اتنا ہی ایمان مضبوط ہوتا چلا جائے گا۔

محبت کی پہچان اور علامت یہ ہے کہ عاشق اپنے محبوب کا ذکر کثرت سے کرتا ہے۔

مَنْ اَحَبَّ شَیْئاً اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ یعنی جو جس چیز سے محبت کرتا ہے اس کا ذکر بار بار کرتا ہے (کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۴۲۵)۔

محبت کی دوسری نشانی یہ ہے کہ عاشق کو محبوب میں عیب نظر نہ آئے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حُبُّکَ الشَّیْءَ یُعْمِیْ وَیُصِمُّ (مشکوٰۃ صفحہ ۴۱۸) یعنی محبت انسان کو اندھا اور بہرا کر دیتی ہے، یعنی وہ محبوب میں عیب نہ دیکھ سکتا ہے اور نہ کسی سے اس کا عیب سن سکتا ہے۔ یہ عام محبوب کی بات ہے جس میں عیب موجود تو ہوتا ہے مگر اس کا عاشق نہ عیب دیکھ سکے نہ سن سکے۔ اور جس محبوب میں عیب ہو ہی نہیں۔ اس کے عاشق کا کیا رویہ اور کیا ایمان و یقین ہونا چاہیے؟ آپ خود اس بات کا اندازہ فرما سکتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ محبت رسول ﷺ کا تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کا ہر وصف کمال کسی حیل وحجت کے بغیر آنکھیں بند کر کے تسلیم کر لیا جائے۔ جس نے سوچنا اور دلائل تلاش کرنا شروع کر دیا اس کی محبت کا جھوٹ پکڑا گیا۔ یہی محبت کی پرکھ اور پہچان ہے۔

اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اللہ کے محبوب ہیں۔ حدیث شریف میں ہے۔ اَلَا وَاَنَا حَبِیْبُ اللّٰہِ وَلَا فَخْرَ یعنی خبردار! میں اللہ کا حبیب ہوں اور میں فخر نہیں کرتا (ترمذی، دارمی، مشکوٰۃ صفحہ ۵۱۳، المستند صفحہ ۱۱)۔

حضور ﷺ اللہ کے محبوب ہیں اور محبوب میں عیب دیکھنا اور اس کا عیب سننا محبت کے منافی ہے۔ تو پھر اللہ کریم نے اپنے محبوب میں کوئی عیب رکھا ہی کیوں ہوگا؟

لہٰذا یہ بات اچھی طرح باور کر لینی چاہیے کہ ہر وہ عقیدہ جس میں سے تنقیص رسالت کی بُو آئے اور شانِ مصطفیٰ ﷺ کو ماننے میں بخل اور تنزل کے جراثیم پائے جائیں۔ وہی محبت رسول ﷺ

کے منافی سمجھا جائے گا اور بغض پر محمول کیا جائے گا۔

اور جب آپ ﷺ اللہ کے حبیب ہیں تو اس نسبت سے بھی آپ ﷺ سے محبت کرنا محبتِ الٰہی اور توحید خداوندی کا تقاضا ہے۔

پھر آپ ﷺ خود اپنی پوری امت سے محبت کرتے ہیں اور ہم جیسے سیاہ کاروں کے لیے رورو کر دعائیں فرماتے رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری دلی تمنا ہے کہ میں اپنے ان امتیوں سے مل سکوں جنہوں نے مجھے نہیں دیکھا مگر پھر بھی وہ مجھ پر ایمان لائے (مسندِ احمد جلد ۳ صفحہ ۱۹۰)۔

آپ ﷺ نے ہمیں توحید سکھائی، قرآن دیا، اسلام دیا اور بے شمار احسانات فرمائے۔ ایسے محسن حبیب ہماری محبت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

ہر پیر، ہر عالم اور ہر خطیب پر لازم ہے کہ حبیب کریم ﷺ کی محبت لوگوں کے دلوں میں پیدا کرنے کی کوشش کرے اور کوئی ایسی بات یا عقیدہ لوگوں میں نہ پھیلائے جس کے نتیجے میں حضور کی محبت لوگوں کے دلوں میں کم ہوتی ہو۔

محبتؐ کی تیسری علامت یہ ہے کہ محبوب کے دوستوں سے بھی محبت کی جائے اور محبوب کے دشمنوں سے دشمنی کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ خلفاءِ راشدین اور تمام صحابہؓ کرام واہلِ بیتِ اطہار کی محبت ہمارا ایمان ہے۔

۲۔ تعظیمِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

تعظیمِ رسول ﷺ کا حکم قرآن میں بار بار ہوا ہے۔ فرمایا رسول کی تعظیم کرو اور توقیر کرو (الفتح: ۹)۔ دوسری جگہ فرمایا: اللہ اور اسکے رسول سے آگے مت بڑھو۔ اپنی آوازوں کو نبی کی آواز سے بلند مت کرو۔ اور آپ ﷺ کو اس طرح مت پکارو جس طرح ایک دوسرے کو پکارتے ہو (حجرات: ۱ تا ۲)۔ ان آیات کی تفسیر پہلے لکھی جا چکی ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد عروہ بن مسعود نے قریش مکہ کو جا کر تعظیمِ رسول کا آنکھوں دیکھا منظر بتایا۔ انہوں نے بتایا کہ خدا کی قسم میں بادشاہوں کے درباروں میں جا چکا ہوں۔ میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے ہاں بھی گیا ہوں۔ اللہ کی قسم میں نے اتنی تعظیم کسی بادشاہ کی

نہیں دیکھی جتنی تعظیم محمد کی اُس کے صحابی کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم جب وہ بلغم پھینکتا ہے تو اس کے صحابہ میں سے کوئی نہ کوئی اسے اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنے مُنہ اور بدن پر مل لیتا ہے۔ جب وہ کسی کو حکم دے تو سارے بھاگ پڑتے ہیں۔ جب وہ وضو کرتا ہے تو یہ لوگ وضو کے پانی سے برکت حاصل کرنے کے لیے اس طرح بھاگتے ہیں جیسے ایک دوسرے کو قتل کر دیں گے۔ جب وہ بات کرے تو یہ سب اس کے سامنے چپ ہو جاتے ہیں۔ اس کے ادب کی وجہ سے اس کے چہرے کی طرف نظر جما کر دیکھتے بھی نہیں۔ اے لوگو! وہ تمہارے پاس ہدایت کا پیغام لایا ہے اُسے قبول کرلو اور مسلمان ہو جاؤ (بخاری جلد ۱ صفحہ ۳۷۹، المستند صفحہ ۹۔۸)۔

حجام جب آپ ﷺ کے بال مبارک بناتا تو صحابۂ کرام ارد گرد جمع ہو جاتے۔ اُنکی کوشش ہوتی کہ ایک بال بھی کٹے تو کسی نہ کسی کے ہاتھ میں آئے (مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۵۶، المستند صفحہ ۹)۔

نبی کریم ﷺ جب کسی محفل میں تشریف فرما ہوتے تو حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے لیے سجادہ بچھاتے، آپ ﷺ کی جائے نماز، عصا مبارک، چادر مبارک، مسواک مبارک، وضو کا برتن اور نعلین مبارک اپنے پاس رکھتے تھے اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو صاحب نعلین کہا جاتا تھا یعنی حضور ﷺ کے نعلین والا (مسندِ امام اعظم صفحہ ۱۸۴، ومثلہ فی البخاری جلد ۱ صفحہ ۵۳۱)۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کی زوجۂ مطہرہ تھیں۔ مسلمان ہونے سے پہلے ابوسفیان جب صلح کا معاہدہ مضبوط کرنے کے لیے مدینہ شریف گئے تو اپنی بیٹی کے پاس گئے۔ جب بستر پر بیٹھنے لگے تو انہوں نے جلدی سے بستر لپیٹ دیا۔ ابوسفیان نے کہا مجھے سمجھ نہیں آئی کہ میں اس بستر کے قابل نہیں ہوں یا یہ بستر میرے قابل نہیں ہے۔ اُم المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے جب کہ تم ایک مشرک اور ناپاک شخص ہو۔ میں نہیں چاہتی کہ تم رسول اللہ ﷺ کے بستر مبارک پر بیٹھو۔ ابوسفیان نے کہا اے بیٹی تم میرے بعد بہت بگڑ گئی ہو (سیرت ابن ہشام جلد ۴ صفحہ ۳۹۶)۔

جنگِ یمامہ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے سر سے عین میدانِ جنگ میں ٹوپی گر گئی۔ میدانِ جنگ میں تلواروں کی جھنکار میں ٹوپی اُٹھانے کے لیے نیچے جھکنا موت کو دعوت دینا تھا۔

لیکن آپ ﷺ نے موت کی پرواہ کیے بغیر جھک کر ٹوپی اُٹھالی۔ بعد میں لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے ایک معمولی ٹوپی کی خاطر اتنا بڑا رسک کیوں لیا؟ آپ نے فرمایا دراصل اس ٹوپی میں نبی کریم ﷺ کا بال مبارک تھا۔ میں نہیں چاہتا کہ یہ بابرکت بال کسی مشرک کے ہاتھ لگے۔ آپ اس بال مبارک کی برکت سے دشمن کے خلاف مدد طلب کرتے تھے (الشفاء جلد ۲ صفحہ ۴۴)۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان نبی کریم ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں چوما کرتے تھے۔ ایک حدیث میں ہے کہ وفد بنی قیس کے صحابۂ کرام علیہم الرضوان اپنی اپنی سواریوں سے چھلانگیں لگا رہے تھے اور باری باری نبی کریم ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں چوم رہے تھے (ابوداؤد، مشکوٰۃ صفحہ ۴۰۲)۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم ﷺ کے ہاتھ مبارک چومے (ابن ماجہ صفحہ ۲۶۳)۔ یہودیوں کے ایک وفد نے نبی کریم ﷺ سے متاثر ہو کر آپ ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں چومے (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ صفحہ ۲۶۳، مشکوٰۃ صفحہ ۱۷)۔

حضرت اُم ایمن رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ رات کو اٹھے اور ٹھیکرے میں بول مبارک فرمایا۔ میں رات کو جاگی تو مجھے پیاس لگی ہوئی تھی۔ میں نے وہ بول مبارک بےخبری میں پی لیا۔ آپ ﷺ صبح کو اٹھے تو فرمایا اے اُم ایمن اس ٹھیکرے کو اٹھالو اور جو کچھ اس میں ہے اسے باہر گرادو۔ میں نے عرض کیا حضور وہ تو میں نے رات کو پی لیا تھا۔ نبی کریم ﷺ ہنس پڑے حتی کہ آپ کے دانت مبارک نظر آ گئے۔ پھر فرمایا آج کے بعد تمہارے پیٹ میں درد نہیں ہوگا (مستدرک حاکم جلد ۴ صفحہ ۲۳۰، الشفاء جلد ۱ صفحہ ۱۶۱، خصائص کبریٰ جلد ۲ صفحہ ۴۴۰)۔

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے پچھنے لگوائے۔ ان میں سے جو خون مبارک نکلا وہ آپ ﷺ نے مجھے دے دیا اور فرمایا کہ اسے جانوروں، پرندوں اور انسانوں سے بچا کر دفن کر دو۔ میں اسے لے کر ایک طرف ہو گیا اور چھپ کر اسے پی لیا۔ پھر آپ ﷺ نے اس کے بارے میں مجھ سے پوچھا تو میں نے بتایا کہ میں نے اسے پی لیا ہے۔ آپ ﷺ ہنس پڑے (شعب الایمان للبیہقی جلد ۵ صفحہ ۲۳۳، خصائص کبریٰ جلد ۲ صفحہ ۴۴۱)۔

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو وہ ادب کی وجہ سے منبر پر نبی کریم ﷺ کے

قدموں والی جگہ پر بیٹھتے تھے۔ حضرت عمر فاروق ﷛ حضرت ابوبکر کے قدموں والی جگہ پر بیٹھتے تھے (صواعق محرقہ صفحہ ۱۴۳)۔ اسی طرح جب حضرت ابوبکر صدیق ﷛ کو روضۂ رسول ﷺ میں دفن کیا جانے لگا تو ادب کی وجہ سے ان کے قدم حضور کریم ﷺ کے قدموں سے نیچے رکھے گئے اور جب سیدنا فاروق اعظم ﷛ کو دفن کیا گیا تو ادب کی وجہ سے ان کے قدم سیدنا صدیق اکبر کے قدموں سے نیچے رکھے گئے۔

۳۔ اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

قرآن شریف میں بار بار اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم ہوا ہے۔ انتہا یہ ہے کہ اللہ کریم نے حضور ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے: مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ یعنی جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی (النساء: ۸۰)۔

گویا اللہ کی اطاعت کیلئے رسولِ کریم ﷺ کی اطاعت کا واسطہ ضروری ہے۔ اس واسطے کو نکال کر براہِ راست اللہ کی اطاعت کا تصور محض خبط اور پاگل پن ہے۔ جو شخص شریعت کا پابند نہیں اور سنت کا متبع نہیں اسکے دعوائے محبت کا کچھ اعتبار نہیں۔ حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا فرماتی ہیں۔

تَعْصِي الْحَبِيْبَ وَ اَنْتَ تُظْهِرُ حُبَّهٗ   هٰذَا لَعُمْرِيْ فِي الْقِيَاسِ بَدِيْعٌ

لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقاً لَاَطَعْتَهٗ   اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُّحِبُّ مُطِيْعٌ

ترجمہ: تو حبیب کی محبت کا دعوی کرتا ہے اور اس کی نافرمانی بھی کرتا ہے۔ بخدا یہ بات تعجب انگیز ہے۔ اگر تیری محبت سچی ہوتی تو تو اس کی اطاعت کرتا۔ اس لیے کہ محب اپنے محبوب کا تابع فرمان ہوا کرتا ہے۔ اطاعت کی تفصیل متعدد آیات کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

۴۔ اللہ کا شکر

اللہ کریم جل شانہٗ نے اپنی نعمتوں پر شکر ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ فرمایا وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنَ یعنی میرا شکر ادا کرو اور میری ناشکری مت کرو (البقرۃ: ۱۵۲)۔ نبی کریم ﷺ اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا یعنی یقیناً اللہ نے مومنوں پر احسان کیا ہے کہ ان میں اپنا رسول بھیجا (آل عمران: ۱۶۴)۔ جب ایک عام نعمت کا شکر لازم ہے تو نبی کریم ﷺ کے عطا ہونے کا شکر سب سے

بڑھ کر لازم ہوگا۔ صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی بچیوں کے مشہور اشعار پڑھنے کے لیے یہ مناسب موقع معلوم ہوتا ہے۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا　　　مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاع
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا　　　مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاع

خود نبی کریم ﷺ بھی اپنے اِس دنیا میں تشریف لانے کی خوشی میں شکرانے کے طور پر پیر کو روزہ رکھا کرتے تھے (کمافی مسلم جلد ا صفحہ ۳۶۸، المستند صفحہ ۵)۔

یہ شکر پوری اُمت پر واجب ہے اور اسے محافلِ میلاد کی صورت میں بجالانا مستحب ہے۔

کرم غلام رسول پہ اُن کا بے حد ہے
اس پر دن بھر رات ترانے لازم ہیں

۵۔ کثرتِ درود وسلام

آپ ﷺ پر کثرت سے درود وسلام بھیجنا ایمان اور محبت کا تقاضا بھی ہے اور آپ ﷺ کے احسانات کا شکرانہ بھی ہے۔ جَزَى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنَّا سَيِّدَنَا مُحَمَّداً مَّا هُوَاَهْلُهٗ۔ درود شریف پر مکمل مضمون اس کتاب کے صفحہ نمبر ۲۳۲ پر گزر چکا ہے۔

اسلامی عقائد کا خلاصہ

(۱)۔ مسلمان اللہ کو ایک مانتے ہیں۔

(۲)۔ مسلمان تمام رسولوں اور انبیاء علیہم السلام پر ایمان رکھتے ہیں۔ کسی ایک نبی کے انکار یا بے ادبی کو کفر سمجھتے ہیں۔

(۳)۔ مسلمان تمام آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

اِن میں سے تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اور قرآن ہمارے نبی سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا۔ سابقہ کتابوں کی تعلیمات کسی خاص قوم یا علاقے یا وقت تک محدود تھیں جب کہ قرآن کی تعلیمات ساری دنیا کے لیے ہیں۔ اب قرآن کے آ جانے کے بعد کسی دوسری

کتاب کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ یہ کتابیں اگرچہ منسوخ ہو چکی ہیں لیکن ان کا انکار کر دینا کفر ہے۔

(۴)۔ مسلمان قیامت یعنی آخرت پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ اس سے مُراد یہ ہے کہ سب لوگوں نے مرنے کے بعد اللہ کے سامنے حساب دینا ہے۔ اس عقیدے کا فائدہ یہ ہے کہ حساب کتاب کا خوف انسان کو اپنا کردار درست رکھنے پر مجبور کرتا ہے۔

(۵)۔ مسلمان فرشتوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ فرشتے نوری مخلوق ہیں جو نظر نہیں آتے۔ یہ اللہ کا حکم مانتے ہیں اور ڈیوٹی دیتے ہیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام وحی کے فرشتے ہیں۔ حضرت میکائیل علیہ السلام روزی کے فرشتے ہیں۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام انسانوں کی روح قبض کرتے ہیں اور حضرت اسرافیل علیہ السلام قیامت کے دن صُور پھونکیں گے۔ یہ چار مشہور فرشتے ہیں۔

(۶)۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہوا یا ہوگا سب کچھ لوحِ محفوظ پر لکھا ہوا ہے۔ خیر اور شر سب اللہ کی تقدیر سے ہے۔ مگر بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان خیر کو اللہ تعالیٰ کی طرف اور شر کو اپنی طرف منسوب کرے۔ اس عقیدے کا نام عقیدۂ تقدیر ہے۔

اِن چھ باتوں پر ایمان لانے کو ایمان مفصّل کہتے ہیں۔ اس کا ذکر قرآن اور حدیث میں اس طرح ہے۔

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا یعنی جو اللہ اور اسکے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اسکے رسولوں اور آخرت کے دن کا انکار کرے وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا (النساء:۱۳۶)۔

اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ یعنی ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اسکے رسولوں پر اور آخرت کے دن پر اور خیر اور شر کی تقدیر پر (مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۷، المسجد صفحہ ۱)۔

اور اس سارے کچھ کا خلاصہ ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ یہاں تک اسی کلمہ طیبہ کی تشریح مکمل ہوئی۔

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَسَلَّمَ

باب سوئم

نماز کی اہمیت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَاباً مَّوْقُوْتاً یعنی بیشک وقتِ مقررہ پر نماز مومنوں پر فرض کردی گئی ہے (النساء: ۱۰۳)۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ یعنی نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو (البقرۃ: ۱۱۰)۔ یہ الفاظ قرآنِ پاک میں کئی بار استعمال ہوئے ہیں۔

ایک اور جگہ فرمایا: اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ یعنی بیشک نماز فحاشی اور برائی سے روکتی ہے (العنکبوت: ۴۵)۔

نمازی وضو کرنے سے لے کر نماز پڑھ چکنے تک برائی سے بالکل رُکا رہتا ہے جبکہ اسکے علاوہ وقت میں بھی اسکی طبیعت اور مزاج پر نماز اپنے اثرات چھوڑتی ہے۔ اگر وہ غلط کام کرنے ہی لگے تو اُسکا ضمیر اُسے یاد دلاتا ہے کہ ابھی تو نماز پڑھ کر آئے ہو اور ابھی یہ غلط کام کرنے لگ گئے ہو؟ اگر وہ ضمیر کو بھی جھیل جائے تو دیکھنے والے لوگ اُسے اس کی نمازوں کے باوجود گناہ کرنے کا طعنہ دیتے ہیں، جس سے اسکی حیاء بیدار ہو جاتی ہے۔

اِن سب باتوں کے علاوہ ہر نماز میں اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کے الفاظ سیدھی راہ پر چلنے اور فحاشی و برائی سے رُکنے کا حکم دیتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

تمہارا کیا خیال ہے اگر تم میں سے کسی کے دروازے کے پاس سے نہر گزرتی ہو اور وہ اس میں روزانہ پانچ مرتبہ نہاتا ہو تو اسکے بدن پر کچھ میل رہ جائے گا؟ فرمایا یہی مثال پانچ نمازوں کی ہے۔ اِنکے ذریعے اللہ تعالیٰ گناہوں کو دھو دیتا ہے (مسلم، بخاری، مشکوٰۃ صفحہ ۵۷، المسجد صفحہ ۱۱۷)۔

حضرت ابوذر ؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز سردی کے موسم میں جب درختوں کے پتے جھڑ رہے تھے۔ نبی کریم ﷺ باہر تشریف لے گئے۔ ایک درخت کی دو ٹہنیاں پکڑ کر ہلائیں تو اُنکے

پتے گرنے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے ابوذر! حضرت ابوذر نے عرض کیا لَبَّیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰه۔ آپ نے فرمایا جب مسلمان خالص اللہ تعالیٰ کے لیے نماز پڑھتا ہے تو اِسکے گناہ اسی طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح اس درخت کے پتے جھڑ رہے ہیں (رواہ احمد، مشکوٰۃ صفحہ ۵۸، المستند صفحہ ۱۱۷)۔

سیدنا علی المرتضیٰ ؓ فرماتے ہیں کہ محبوب کریم ﷺ نے اس دنیا میں اپنے آخری وقت میں فرمایا اَلصَّلوٰۃُ اَلصَّلوٰۃُ، اِتَّقُوا اللّٰهَ فِیْمَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ یعنی نماز کی پابندی کرنا، نماز کی پابندی کرنا، اپنے غلاموں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا (مسندِ احمد جلد ۱ صفحہ ۹۸)۔

نماز کے قیام، رکوع، سجدہ اور قعدہ جیسا کوئی اندازِ نشست (آسن) نہیں۔ نماز کے اندر پڑھی جانے والی سورۃ فاتحہ، تسبیحات، درود شریف اور دعاؤں جیسا کوئی جاپ (وِرد) نہیں۔ اور نماز میں خشوع وخضوع اور یکسوئی جیسا کوئی مراقبہ نہیں۔

وقت کی پابندی، مساجد میں اجتماع اور جمعہ وعیدین کی نمازیں معاشرتی ربط واتحاد کا بہترین سبق ہیں۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ نماز اپنے روحانی واُخروی فیوض کے لحاظ سے کسی عقلی فلسفے کی نہ تو محتاج ہے اور نہ ہی عقل اس کی وسعتوں کا احاطہ کرسکتی ہے۔

نماز کے مسائل

استنجاء:۔ اگر نجاست مخرج سے تجاوز کر جائے تو استنجاء واجب ہے۔ پاکیزہ ڈھیلے یا پتھر سے استنجاء کرنا سنت ہے۔ ڈھیلوں کی تعداد متعین نہیں ہے۔ بعد میں پانی سے بھی دھو لینا مستحب ہے۔ صرف گیس خارج ہو تو اس سے استنجاء کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

وضو:۔ وضو کے چار فرض ہیں۔

(۱)۔ منہ دھونا (ماتھے کے بالوں سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے تک اور کانوں کی لو تک)۔

(۲)۔ دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھونا۔ (۳)۔ چوتھائی سر کا مسح۔

(۴)۔پاؤں ٹخنوں سمیت دھونا۔

وضو کی سنتیں یہ ہیں۔

نیت کرنا، بسم اللہ سے شروع کرنا، دونوں ہاتھ گٹوں تک دھونا، کُلی کرنا، مسواک کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، داڑھی کا خلال کرنا، انگلیوں کا خلال کرنا، پورے سر کا مسح کرنا، کانوں کا مسح کرنا، پے در پے دھونا یعنی ایک عضو سوکھنے سے پہلے دوسرا دھو لینا، ترتیب سے وضو کرنا، ہر عضو کو تین بار دھونا۔

وضو کے مستحبات یہ ہیں:۔دائیں اعضاء پہلے دھونا اور گردن کا مسح کرنا۔

وضو کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے بسم اللہ پڑھ کے دونوں ہاتھ گٹوں تک دھوئیں، پھر تین دفعہ کُلی کریں اور مسواک کریں، پھر تین بار ناک میں پانی ڈالیں، پھر تین بار مُنہ دھوئیں اور داڑھی میں خلال کریں، پھر دایاں ہاتھ کہنی سمیت تین بار دھوئیں پھر بایاں ہاتھ اسی طرح دھوئیں، پھر پورے سر کا مسح کریں، پھر کانوں کا مسح کریں، پھر گردن کا مسح کریں، پھر دایاں پاؤں ٹخنے سمیت تین بار دھوئیں، پھر بایاں پاؤں اسی طرح دھوئیں۔ وضو کے بعد کھڑے ہو کر آسمان کی طرف منہ کر کے کلمہ شہادت پڑھنا اور پھر یہ دعا پڑھنا مستحب ہے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ (المستند صفحہ ۱۱۰)۔

موزے:۔ایک بار وضو کر کے اگر موزے پہن لیے جائیں تو چوبیس گھنٹے تک ان پر مسح کرنا جائز ہے۔ پاؤں دھونے کی ضرورت نہیں۔ مسافر تین دن تک ایسا کر سکتا ہے۔ موزوں پر مسح کا طریقہ یہ ہے کہ بھیگے ہوئے ہاتھ کی انگلیاں پاؤں کی اُنگلیوں سے پنڈلی تک کھینچیں۔

غسل:۔غسل کے تین فرض ہیں۔

(۱)۔حلق تک کُلی کرنا۔(۲)۔ناک میں پانی چڑھانا۔(۳)۔پورے بدن کو دھونا۔

غسل کا سنت طریقہ یہ ہے کہ پہلے ہاتھ دھوئے جائیں، پھر اگر بدن پر غلاظت لگی ہو تو وہ دھوئی جائے، پھر وضو کیا جائے اور پھر پورے بدن پر تین بار پانی بہایا جائے۔

غسل اس وقت فرض ہوتا ہے جب منی اچھل کر شہوت کے ساتھ نکلے۔ مذی، ودی اور

بغیر تری کے احتلام میں غسل فرض نہیں ہوتا۔

جریان کی وجہ سے پیشاب کے بعد لیسدار قطرے نکلیں تو ان سے غسل فرض نہیں ہوتا۔
صرف وضو کرنا پڑتا ہے۔ اگر وہ قطرے بدن یا کپڑوں پر لگ جائیں تو صرف اتنی جگہ کو دھو لیا جائے۔
ننگے بدن غسل کر لینے کے بعد کپڑے پہن کر دوبارہ وضو کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہی وضو کافی ہے۔

تیمم: ۔ جب نمازی پانی سے ایک میل دور ہو یا پانی استعمال کرنے سے بیماری بڑھ جانے کا خطرہ ہو تو پھر تیمم کر لے۔ وضو اور غسل کا تیمم ایک ہی ہے۔ صرف نیت کا فرق ہے۔

تیمم کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے نیت کرے کہ میں ناپاکی دور کرنے یا نماز پڑھنے کے لیے تیمم کرتا ہوں، پھر زمین پر یا زمین کی جنس سے کسی چیز پر جو پاک ہو دونوں ہاتھ ملے، اور اگر ہاتھوں پر مٹی زیادہ لگ جائے تو دونوں انگوٹھوں کی جڑیں آپس میں ٹکرا کر جھاڑے، پھر سارے منہ پر ہاتھ پھیرے۔ دوبارہ اسی طرح پاک زمین پر ہاتھ مَل کر دونوں ہاتھوں پر کہنیوں سمیت پھیر لے۔ گویا تیمم کے تین فرض ہوئے (۱) نیت کرنا۔ (۲) پاک مٹی والے ہاتھ منہ پر پھیرنا۔ (۳) پاک مٹی والے ہاتھ کہنیوں سمیت ہاتھوں پر پھیرنا۔ جس چیز سے وضو ٹوٹتا ہے اور غسل واجب ہوتا ہے اسی سے تیمم ٹوٹ جاتا ہے۔ اور اگر پانی مل جائے تو پھر بھی تیمم ٹوٹ جاتا ہے۔

اگرچہ یہ پوری کتاب ضابطۂ حیات مردوں اور عورتوں کے لیے یکساں مفید ہے۔ لیکن یہاں ہم عورتوں کے خصوصی مسائل ایک مستقل عنوان کے تحت الگ تحریر کر رہے ہیں۔

عورتوں کے مسائل

حیض کی کم سے کم مدت تین دن اور تین راتیں ہیں۔ جو خون اس سے کم عرصے کے لیے آئے وہ حیض نہیں استحاضہ ہے۔ حیض کی زیادہ سے زیادہ مدّت دس دن ہے۔ جو خون اس سے زیادہ ہو وہ بھی استحاضہ ہے۔

حیض کے دنوں میں سرخ، کالا، مٹیالا اور زرد رنگ کا خون سب حیض ہی شمار ہوتا ہے۔
البتہ خالص سفید رنگ کی رطوبت ہو تو یہ حیض نہیں ہے لیکوریا وغیرہ ہے۔

حیض کے دنوں میں عورت کو نماز معاف ہے۔حتیٰ کہ نماز کی قضا بھی اس پر لازم نہیں۔ روزے کی حالت میں حیض آ جائے تو وہ روزہ توڑ دینا ضروری ہے۔اور حیض کے دنوں کے روزے بعد میں قضا کر کے رکھنا لازم ہے۔

حیض والی عورت مسجد میں نہیں جاسکتی۔کعبہ شریف کا طواف بھی نہیں کر سکتی۔اسلئے کہ کعبۃ اللہ مسجدِ حرام میں واقع ہے۔حج کے باقی سارے ارکان ادا کر سکتی ہے۔ایسی عورت کو بعد میں کسی سال موقع مل جائے تو بہتر ورنہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر نہایت مہربان اور غفور ورحیم ہے۔نیتوں کا جاننے والا ہے۔حالات سے آگاہ ہے اور اپنے بندوں پر اُنکی وسعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔

حیض والی عورت قرآن شریف کی تلاوت نہیں کر سکتی اور غلاف کے بغیر چھو بھی نہیں سکتی۔اگر بچوں کو پڑھاتی ہو تو صرف ہجے کرا سکتی ہے۔البتہ کلمہ طیبہ اور درود شریف پڑھنا اس کے لیے جائز ہے۔اور شکر کے طور الحمد للہ کہنا اور کام شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا بھی جائز ہے۔حیض کے دنوں میں مباشرت جائز نہیں۔

حیض کے دنوں کے درمیان عورت تھوڑے وقت کے لیے اگر پاک ہو جائے تو سب حیض ہی سمجھنا چاہیے۔

تین دن سے کم یا دس دن سے زیادہ خون ہو تو یہ بیماری ہے۔عورت کی عام عادت (روٹین) جتنے دنوں کی ہو، دس دنوں سے زائد خون آنے کی صورت میں وہ عادت والے دن نکال کر باقی سارے دن بیماری کے تصور کیے جائیں۔اس بیماری (استحاضہ) کے دنوں میں نماز، روزہ ضروری ہے اور مباشرت کی بھی شرعاً اجازت ہے۔

نفاس وہ خون ہے جو بچے کی پیدائش کے بعد آتا ہے۔اس کی کم از کم مدت مقرر نہیں ہے۔یہ ایک منٹ کا بھی ہو سکتا ہے۔اس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے۔لہٰذا چالیس دن سے پہلے پہلے عورت جب بھی پاک ہو جائے۔نہا کر اپنا نماز روزہ شروع کر دے۔

نفاس کے دوران مباشرت، نماز، روزہ اور مسجد میں داخل ہونا سب منع ہیں۔

اگر چالیس دن سے زیادہ نفاس رہے تو یہ استحاضہ (بیماری) ہے۔یہ سب باتیں قدوری

میں ہیں (مع التوضیح)۔

ناخن پالش لگی ہو تو وضو اور غسل نہیں ہوتے۔ البتہ مہندی لگی ہو تو ہو جاتے ہیں۔

عورتوں کا عورت کی امامت میں الگ جماعت کرانا مکروہ تحریمی ہے (قدوری صفحہ ۲۰، کنز الدقائق صفحہ ۲۸، عالم گیری جلد ا صفحہ ۸۵، شامی جلد ا صفحہ ۴۱۸ وغیرہ)۔

عورت نماز میں ہاتھ سینے پر باندھے۔ پاؤں داہنی طرف نکال کر سمٹ لپٹ کر سجدہ کرے۔ مَردوں کی طرح سجدہ نہ کرے۔ عورت پر جماعت، جمعہ، عیدین، جنازہ اور اعتکاف لازم نہیں۔ اوّل تو عورت کو چاہیے کہ جب شریعت نے یہ عبادات اس پر لازم نہیں کیں تو شریعت کی مصلحت کا احترام کرے۔ اور "آ بیل مجھے مار" کے مصداق اپنے لیے مصیبت نہ بنائے۔ بعض مساجد میں جمعہ کے دن عورتوں کے لیے پردے کا الگ انتظام ہوتا ہے۔ وہاں اگر عورت جانا ہی چاہے تو اس کے لیے پردہ، راستے کا محفوظ ہونا، مسجد تک کسی محرم کا ساتھ ہونا اور کسی قسم کے فتنے کا اندیشہ نہ ہونا ضروری ہے۔ اگر عورت اعتکاف بیٹھنا ہی چاہے تو گھر میں ایک الگ جگہ مخصوص کر کے وہاں بیٹھے۔ اور اگر اعتکاف کے دوران حیض شروع ہو جائے تو فوراً اعتکاف توڑ دے۔ اسی لیے ہم نے عرض کیا ہے کہ عورت اپنے لیے امتحان نہ بنائے تو اچھا ہے۔ ہم نے تجربہ کیا ہے کہ ایسے معاملات میں بعض اوقات لینے کے دینے پڑ جاتے ہیں۔

عورت پردہ کر کے محرم کے ہمراہ قبروں کی زیارت کے لیے جا سکتی ہے۔ بشرطیکہ وہاں جا کر واویلا اور غلط حرکت نہ کرے۔

عورت اپنے شوہر کے لیے بناؤ سنگھار (make up) کر سکتی ہے۔ نامحرموں کے لیے اور بازار میں جانے کے لیے نہیں۔

عورت پر پردہ لازم ہے۔ قرآن وحدیث میں پردے کے متعلق واضح احکام موجود ہیں (نور:۳۱، احزاب:۵۹)۔ تنگ، باریک اور نیم عریاں لباس پہننا، ننگے سر رہنا اور غیر مسلموں سے مشابہت اختیار کرنا منع ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ یعنی جس نے کسی قوم سے مشابہت اختیار کی وہ اُنہیں میں سے ہوگا (مشکوٰۃ صفحہ ۳۷۵)۔ نبی کریم ﷺ

نے فرمایانِسَاءٌ کَاسِیَاتٌ عَارِیَاتٌ مُمِیْلَاتٌ مَائِلَاتٌ رُءُ وْسُهُنَّ کَاَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْـمَـائِـلَةُ لَا یَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَایَجِدْنَ رِیْحَهَا یعنی میرے بعد ایسی عورتیں ہوں گی جنہیں میں نے ابھی تک نہیں دیکھا۔ وہ عورتیں جو لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی، لوگوں کو اپنی طرف مائل کرتی ہوں گی اور خود لوگوں کی طرف مائل ہوتی ہوں گی، اُن کے سر کے بال اونٹ کی کوہان کی طرح اونچے ہوں گے۔ وہ عورتیں جنت میں نہیں جائیں گی اور نہ ہی جنت کی خوشبو سونگھیں گی (مسلم جلد۲ صفحہ ۲۰۵)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس اُن کی بھتیجی حضرت حفصہ بنت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہم حاضر ہوئیں۔ اُن کے سر پر باریک دوپٹہ تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے وہ دوپٹہ پھاڑ ڈالا اور انہیں موٹا دوپٹہ اوڑھا دیا (مؤطا امام مالک، مشکوٰۃ صفحہ ۳۷۷)۔

عورت، مرد کے ہاتھ پر بیعت کر سکتی ہے۔ نبی کریم ﷺ خود عورتوں کو بیعت فرمایا کرتے تھے۔

قرآن شریف میں ہے۔

فَبَایِعْهُنَّ یعنی اے نبی! عورتوں کو بیعت کریں (الممتحنہ: ۱۲)۔

عورت پیر یا حاکم نہیں بن سکتی۔ یہ اگر جائز ہوتا تو ازواج مطہرات اور شہزادی رسول ﷺ اس کی زیادہ حق دار تھیں۔

عورت کو صرف ایسی تعلیم حاصل کرنے کی اجازت ہے جس میں فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔ ماں باپ کو چاہیے کہ موجودہ حالات کی روشنی میں اس مسئلے پر خوب غور کر لیں۔

عورت کا میراث میں باقاعدہ حصہ موجود ہے۔ بیٹی، بیوی، ماں، بہن، دادی، نانی، پوتی سب ذوالفروض میں شامل ہیں۔ عورتوں کو میراث سے محروم رکھ کر علاقائی رسم ورواج نبھانا سخت گناہ ہے۔ مرد یا عورت اگر خود میراث سے دستبردار ہونا چاہیں تو یہ جائز ہے۔ اسے تخارج کہتے ہیں۔

سسرال والوں کی طرف سے جہیز کی شرائط عائد کرنا غلط ہے بلکہ ظلم ہے۔ حق مہر زیادہ سے زیادہ مقرر کرنا مستحب ہے۔ اس کی کم سے کم مقدار دس درہم ہے۔ زیادہ کی کوئی حد نہیں۔

عورت کا کھانا، پینا، لباس اور رہائش شوہر کے ذمے ہے۔

طلاق شدہ عورت کی عدت تین حیض ہے اور بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔ عدت کے دوران با پردہ گھر میں رہنا ضروری ہے اور بناؤ سنگھار کی اجازت نہیں۔ حاملہ عورت کی عدت بچے کی پیدائش تک ہے۔

بعض عورتیں سسرال اور شوہر کے خلاف یا بعض سسرال والے اپنی بہو کے خلاف تعویز لینا شروع کر دیتے ہیں۔ اس معاملے میں اللہ سے ڈرنا چاہیے۔ غلط بیانی سے تعویز نہیں لینا چاہیے۔ بعض تعویز دینے والے بھی حرام خور یا جادوگر ہوتے ہیں۔ ایسے عاملوں کے پاس جا کر تعویز نہیں لینا چاہییں۔ بعض عورتیں ہندوؤں اور عیسائیوں کے پاس بھی تعویز لینے پہنچ جاتی ہیں۔ ایسے تعویزات کی بجائے نقصان اٹھالینا بہتر ہے۔ جو شخص زیور دو گنا کر دے، کسی ناواقف کا نام بتا دے، کوئی چھپی ہوئی بات ظاہر کر دے، چھو کر کے آگ لگا دے، عورتیں اُس پر دل و جان سے فدا ہو جاتی ہیں۔ یہ باتیں کوئی کمال کی باتیں نہیں ہیں، بلکہ یہ شعبدہ بازیاں ہیں جو ایک جوگی اور ہندو بھی کر سکتا ہے۔ حتیٰ کہ یہ لوگ ہوا میں پرواز بھی کر لیتے ہیں۔ حضرت داتا صاحب علیہ الرحمۃ سے ایک ہندو نے مقابلہ کیا۔ وہ ہوا میں اُڑنے لگا۔ آپ نے اپنے جوتے کو حکم دیا کہ اسے نیچے اُتار کر لے آ۔ وہ جوتے ہوا میں پرواز کر گئے اور اس ہندو کے سر پر برسنے لگے۔ وہ نیچے اترنے پر مجبور ہو گیا۔ اصل چیز سید عالم ﷺ کا طریقہ ہے، نہ کہ کشف و کرامت یا شعبدہ بازی۔

خواب کی تعبیر اپنے مرشدِ کامل یا کسی عالم سے پوچھنی چاہیے، ہر کسی سے نہیں۔ قبلہ کی طرف یا اپنی داہنی طرف نہیں تھوکنا چاہیے۔ جمائی کے وقت لاحول اور چھینک آنے پر الحمد للہ پڑھنا چاہیے۔ کھانے سے پہلے بسم اللہ اور بعد میں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ ماں یہ سب کچھ بلند آواز سے کرے تو اچھا ہے تاکہ اُس کے بچے سن کر سیکھ سکیں۔

بچوں کو سبق آموز کہانیاں سنانا جائز ہے۔ خواہ وہ کہانیاں فرضی اور من گھڑت ہوں۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ بادل کی کڑک، طوفان اور زلزلے کے وقت اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ استغفار یا نفل پڑھیں تو اور بھی اچھا ہے۔ اس کتاب کے پہلے باب میں مخصوص اوقات میں پڑھی جانے والی دعائیں یکجا لکھ دی گئی ہیں۔ انہیں یاد کر لینا چاہیے۔

میلاد، گیارہویں، معراج شریف، دسویں محرم کو پانی پلانا یا ایصالِ ثواب کرنا، شبِ برأت کو میٹھا یا چاول پکانا سب جائز ہے۔ بلکہ کسی بھی روز ایصالِ ثواب کی غرض سے کوئی بھی حلال چیز پکانا اور کوئی بھی جائز کلام (قرآن، درود شریف، ذکر) پڑھ کر بخشنا جائز ہے۔

یہ تمام باتیں قرآن وحدیث اور بے شمار کتبِ فقہ سے ماخوذ ہیں۔

نوٹ:۔ عورتوں کے مسائل کے موضوع پر حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ صاحب اعظمی رحمت اللہ علیہ کی کتاب ''جنتی زیور'' نہایت معقول کتاب ہے۔ اس کے علاوہ حضرت علامہ مفتی خلیل احمد صاحب برکاتی کی کتاب ''سنی بہشتی زیور'' ایک بہترین کاوش ہے۔

وسیلۂ دارین وسید المرسلین ﷺ کے نعلِ اقدس کا نقشہ تبرک کے طور پر اگلے صفحے پر دیا جا رہا ہے۔ اسے گھر میں لٹکانا خیر و برکت کا موجب ہے اور چوروں سے محفوظ رہنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ یہ مردوں اور عورتوں کے لیے یکساں فیوض و برکات کا منبع ہے۔ اس کا ادب واحترام سخت ضروری ہے۔ تازہ غسل اور وضو کر کے اسے سامنے رکھ کر اس کا واسطہ دے کر دعا کرنا اور گھر میں لٹکانا بے شمار برکات کا موجب ہے۔

قطعہ

اُس کے حلقے میں اماموں کے امام آتے ہیں
جو رہا لازمِ قدمینِ رسولِ اکرم
ابنِ مسعود مبارک ہو وفا سفر و حضر کی
مرحبا صاحبِ نعلینِ رسولِ اکرم

(غلام رسول قاسمی)
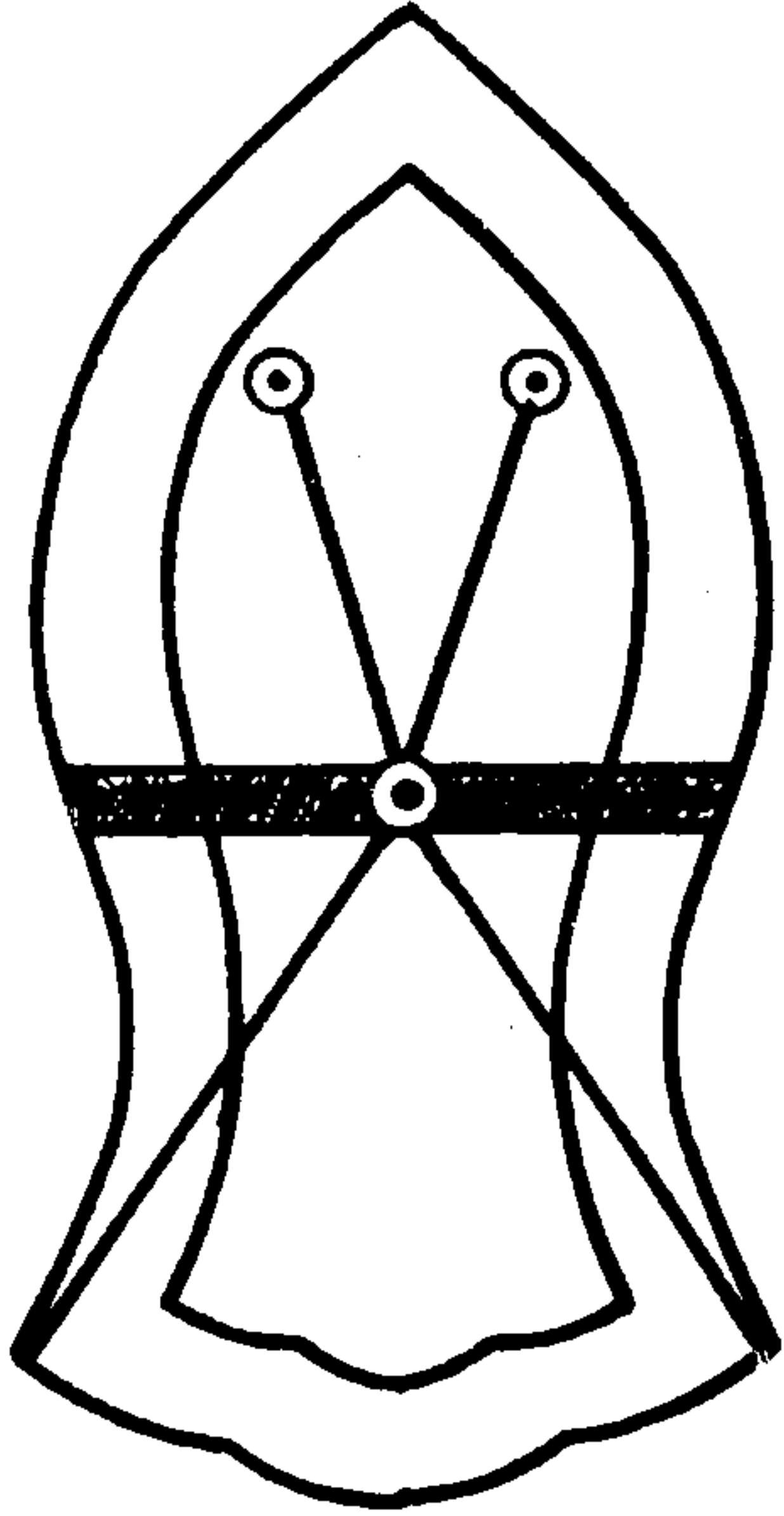
کَذَا کَانَ نَعلُ ذِی الْمَقَامْ
عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ

اوقاتِ نماز

صبح کا وقت صبح صادق سے سورج نکلنے تک ہے۔ ظہر کا وقت زوال کے بعد سے لے کر اس وقت تک ہے جب ہر چیز کا سایہ اس کے سایۂ اصلی کے علاوہ دوگنا ہو جائے (یعنی دوگنا سایہ بمع سایۂ اصلی)۔ زوال کے وقت کے سایہ کو سایۂ اصلی کہتے ہیں۔

عصر کا وقت ظہر کے فوراً بعد شروع ہوتا ہے اور سورج غروب ہونے تک رہتا ہے۔ مغرب کا وقت سورج ڈوبنے سے لے کر مشرق کی طرف سے سفیدی کے ختم ہونے تک ہے۔ مغرب کا وقت تقریباً سوا سے ڈیڑھ گھنٹہ تک ہوتا ہے۔ عشاء کا وقت مغرب کا وقت ختم ہوتے ہی شروع ہو جاتا ہے اور صبح تک باقی رہتا ہے۔

صبح کی نماز اُجیالے میں پڑھنا، گرمیوں میں ظہر کی نماز دیر سے پڑھنا، اور عشاء کی نماز تہائی رات تک لیٹ پڑھنا مستحب ہے۔

طلوعِ آفتاب، غروبِ آفتاب اور زوالِ آفتاب کے وقت، فرض، سنت، نفل، سجدۂ تلاوت، نمازِ جنازہ سب منع ہیں۔ صبح کی نماز کے بعد طلوعِ آفتاب تک اور عصر کی نماز کے بعد غروبِ آفتاب تک نفل پڑھنا منع ہے، البتہ اس وقت قضا نماز، سجدۂ تلاوت اور نمازِ جنازہ سب جائز ہیں۔ طلوعِ فجر کے بعد صبح کی نماز سے پہلے صرف دو سنت جائز ہیں، نفل جائز نہیں۔ مغرب کی اذان کے بعد فرضوں سے پہلے بھی نفل جائز نہیں (کنز الدقائق صفحہ ۱۸)۔

اذان

فرض نمازوں کے لیے اذان کہنا سنتِ مؤکدہ ہے۔ گھر میں نماز پڑھنے والوں کے لیے محلے کی مسجد کی اذان کافی ہے۔ اذان سے پہلے اور بعد میں صلوٰۃ وسلام پڑھنا جائز ہے۔ اس لیے کہ اس سے منع نہیں کیا گیا۔ جس چیز سے منع نہ کیا گیا ہو وہ جائز ہوتی ہے۔ نیز ہر وقت درود شریف پڑھنا ویسے بھی اچھی بات ہے۔ اس طرح درود شریف اذان کا حصہ نہیں بن جاتا۔ ہر کوئی پہچانتا ہے کہ یہ اذان ہے اور یہ درود ہے۔ نیز اذان اور درود شریف کا لہجہ بھی الگ الگ ہوتا ہے۔ اذان کے

بعد درود پڑھنے کا حکم حدیث شریف میں صاف موجود ہے (مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۶۴، المستند صفحہ ۱۲۱)۔

اذان میں نبی کریم ﷺ کا اسم پاک سن کر انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگانا مستحب ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایسے شخص کیلئے میری شفاعت حلال ہو گئی۔ اس حدیث کو سیدنا ابوبکر صدیق ﷺ اور حضرت سیدنا خضر علیہ السلام نے روایت کیا ہے اور فضائل کے معاملے میں ایسی احادیث پر عمل جائز ہوتا ہے (طحطاوی صفحہ ۲۰۵)۔ علماء نے یہاں تک لکھا ہے کہ: مستحب یہ ہے کہ رسالت کی پہلی شہادت سن کر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کہا جائے اور دوسری شہادت کے وقت کہا جائے کہ قُرَّتُ عَیْنِیْ بِكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ، اَللّٰھُمَّ مَتِّعْنِیْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ یعنی یارسول اللہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک آپکی وجہ سے ہے، اے اللہ مجھے سننے اور دیکھنے کی قوت سے مالا مال فرما۔ یہ دعا اپنے انگوٹھوں کے ناخن آنکھوں پر رکھنے کے بعد پڑھی جائے۔ یہ عمل کرنے والے شخص کی نبی کریم ﷺ جنت تک قیادت فرمائیں گے (طحطاوی صفحہ ۲۰۵، شامی جلد ا صفحہ ۲۹۳)۔

نیز اس عمل سے کہیں منع بھی نہیں کیا گیا۔ جس کام سے منع نہ کیا گیا ہو وہ جائز ہوتا ہے۔

شرائطِ نماز

نماز کی چھ شرائط ہیں۔

(۱)۔ بدن اور کپڑے پاک ہونا۔ (۲)۔ جگہ کا پاک ہونا۔ (۳)۔ ستر چھپا ہوا ہونا۔ مرد کے لیے ناف کے نیچے سے گھٹنوں کے نیچے تک اور عورت کے لیے ہاتھ، پاؤں اور چہرہ کے علاوہ سارا بدن۔ (۴)۔ نماز کا وقت ہونا۔ (۵)۔ قبلہ کی طرف منہ کرنا۔ (۶)۔ نیت کرنا۔

نماز کے فرائض

نماز کے سات فرض ہیں۔

(۱)۔ تکبیر تحریمہ۔ (۲)۔ قیام۔ (۳)۔ قرأت۔ (۴)۔ رکوع۔ (۵)۔ سجود۔ (۶)۔ آخری قعدہ۔ (۷)۔ جان بوجھ کر نماز ختم کرنا۔

نماز کے واجبات

نماز کے دس واجبات ہیں۔

(۱)۔سورۃ فاتحہ پڑھنا۔(۲)۔فرض کی پہلی دو رکعتوں، وتر کی تینوں رکعتوں اور سنت و نفل کی تمام رکعتوں میں فاتحہ کے بعد ایک چھوٹی سورۃ یا کم از کم تین آیات یا تین آیات کے برابر ایک بڑی آیت ملانا۔ (۳)۔ترتیب قائم رکھنا۔ (۴)۔تعدیلِ ارکان۔ (۵)۔ پہلا قعدہ۔ (۶)۔تشہد۔(۷)۔لفظ السلام۔(۸)۔وتر میں قنوت پڑھنا۔(۹)۔عیدین کی تکبیرات۔(۱۰)۔ آہستہ پڑھی جانے والی قرأت کو آہستہ پڑھنا اور بلند پڑھی جانے والی قرأت کو بلند پڑھنا۔

نماز کی سنتیں

تکبیرِ تحریمہ کے لیے ہاتھ اُٹھانا، اُنگلیاں کھلی رکھنا۔امام کا بلند آواز سے تکبیر کہنا۔ثناء۔ تعوذ۔تسمیہ۔آمین آہستہ کہنا، اُلٹے ہاتھ پر سیدھا ہاتھ ناف کے نیچے باندھنا، رکوع کی تکبیر اور اس کی تین بار تسبیح اور گھٹنوں کو ہاتھوں سے پکڑنا اور اُنگلیاں کھلی رکھنا۔سجود کی تکبیر اور اس کی تین بار تسبیح، سجدے میں ہاتھ اور گھٹنے ٹیکنا، قعدے میں اُلٹے پیر کو بچھانا اور سیدھے کو کھڑا رکھنا۔قومہ، جلسہ اور نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنا اور دُعا پڑھنا۔

نماز کے آداب

نماز کے آداب یہ ہیں۔

سجدے کی جگہ پر نظر رکھنا، جمائی کے وقت منہ دبائے رکھنا، تکبیر کہتے وقت ہاتھ چادر سے باہر نکالنا، حتی الوسع کھانسی کو روکنا، حی علی الفلاح پر کھڑے ہونا۔یہ سب مسائل کنز الدقائق میں مذکور ہیں۔

نماز کے ہونے اور نہ ہونے کا دارومدار چونکہ فرائض اور واجبات پر ہے اس لیے ان کو اچھی طرح یاد کرلیں۔

سجدۂ سہو

سجدۂ سہو کا اصول اچھی طرح سمجھ لیں۔

(۱)۔ اگر فرض رہ جائے تو نماز ہوتی ہی نہیں دوبارہ پڑھنا پڑے گی۔

(۲)۔ اگر واجب رہ جائے تو سجدۂ سہو کرنا پڑے گا۔ مثلاً سورۃ فاتحہ کے ساتھ سورۃ ملانا بھول گئے یا وتر میں دعائے قنوت بھول گئے تو سجدۂ سہو کرنا پڑے گا۔

(۳)۔ اگر فرض یا واجب میں تاخیر ہو جائے تو سجدۂ سہو کرنا پڑے گا۔ مثلاً چار رکعت والی نماز میں پہلے قعدہ میں عبدہ ورسولہ تک پڑھنا ہوتا ہے لیکن اگر آپ نے اس سے آگے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ تک پڑھ لیا (یعنی ایک جملہ) تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے تیسری رکعت کے قیام میں تاخیر کر دی جو کہ فرض تھا۔ اس فرض میں تاخیر کی وجہ سے سجدۂ سہو کرنا پڑے گا۔

(۴)۔ واجب چھوٹ جائے تو پھر بھی سجدہ سہو کرنا پڑے گا۔ مثلاً سورۃ فاتحہ، فرضوں کی نماز میں پہلی دو رکعتوں میں سورۃ ملانا، پہلا قعدہ اور دعائے قنوت بھول جائے تو سجدۂ سہو کرنا پڑے گا۔ اس لیے یہ سب چیزیں واجب ہیں۔

(۵)۔ امام کے پیچھے اگر مقتدی سے غلطی ہو جائے تو اسے سجدۂ سہو کرنے کی ضرورت نہیں۔

امام پر واجب ہے کہ ظہر اور عصر میں قراءت آہستہ اور صبح، مغرب اور عشاء میں اونچی کرے۔ اگر ایسا نہ کیا تو سجدۂ سہو لازم ہوگا۔

(۶)۔ ایک سے زیادہ غلطیاں ہو جائیں جن سے سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے تو ان سب کے ازالے کے لیے ایک ہی سجدۂ سہو کافی ہے۔

اگر نمازی پہلا قعدہ بھول جائے اور بیٹھنے کی بجائے کھڑا ہونے لگے تو یاد آ جائے۔ تو ایسا آدمی اگر بیٹھنے کے زیادہ قریب ہے تو واپس آ جائے اور بیٹھ کر تشہد پڑھے۔ سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں۔ اور اگر کھڑا ہونے کے زیادہ قریب ہے تو کھڑا ہی ہو جائے۔ اپنی نماز اسی طرح مکمل کر کے بعد میں سجدۂ سہو کرے۔

اگر آخری قعدہ کرنا بھول کر پانچویں رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا تو پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے پہلے واپس آ جائے۔ پانچویں رکعت جتنی بھی پڑھی اُسے فضول سمجھ کر سجدۂ سہو کر لے۔ اگر اس نے پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا تو اب اس کی فرض نماز باطل ہو گئی۔ سب نفل بن گئی۔ اب وہ ایک رکعت مزید پڑھ کر کل چھ نفل مکمل کر لے۔

اگر آخری قعدہ کرنے کے بعد اسے پہلا قعدہ سمجھ کر کھڑا ہو گیا تو پانچویں رکعت کے سجدہ سے پہلے پہلے واپس آ جائے اور سجدۂ سہو کر کے نماز مکمل کر لے۔ لیکن اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا تو پھر ایک رکعت مزید ملا کر چھ پوری کر لے۔ پہلے چار فرض ہو گئے اور آخری دو نفل ہو گئے۔

اگر کوئی نمازی بھول جائے کہ تین رکعت پڑھی ہیں یا چار۔ اگر اس کے ساتھ پہلی بار ایسا ہوا ہے تو نماز نئے سرے سے پڑھے۔ اگر اس کے ساتھ اکثر ایسا ہوتا رہتا ہے تو پھر غالب گمان پر عمل کرے۔ اگر گمان غالب کسی طرف کا نہ ہو تو یقین پر عمل کرے یعنی تھوڑے عدد پر اعتماد کرے۔ مثلاً بھول گیا کہ رکعتیں تین ہوئیں یا چار تو تین تصور کرے اور چوتھی رکعت پڑھ لے۔

امام کے پیچھے قرأۃ نہ کریں

اکیلے نمازی پر نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ لیکن امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو تو اسے چاہیے کہ فاتحہ اور سورۃ خود نہ پڑھے بلکہ امام کا پڑھنا ہی مقتدی کا پڑھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو اور خود چپ رہو (اعراف: ۲۰۴)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا اِذَا قَرَءَ فَانْصِتُوْا یعنی جب امام پڑھے تو تم چپ رہو (مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۷۴، ابنِ ماجہ صفحہ ۶۱، نسائی جلد ۱ صفحہ ۱۴۶، المسند صفحہ ۱۳۲)۔

نیز فرمایا فَاِنَّ قِرَاۃَ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَءَۃٌ یعنی امام کی قرأت ہی مقتدی کی قرأت ہے (مسندِ امام اعظم صفحہ ۶۱، موطا امام محمد صفحہ ۹۸، ابنِ ماجہ صفحہ ۶۱، المسند صفحہ ۱۲۳)۔

حدیث شریف میں ہے کہ جس نے فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں ہوئی۔ یہ حدیث

اکیلے آدمی کے لیے ہے۔ حضرت سفیان ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ حکم اکیلے آدمی کے لیے ہے (ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۱۲۶، المستند صفحہ ۱۳۱)۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ حکم اکیلے آدمی کے لیے ہے (ترمذی جلد ۱ صفحہ ۷۱)۔

امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا عقل کے بھی خلاف ہے۔ اس سے خلجان اور گڈمڈ پیدا ہوتی ہے۔ بعض لوگوں نے نبی کریم ﷺ کے پیچھے قرأت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

اِنَّ بَعْضَكُمْ خَالِجْنِيهَا یعنی تم میں سے بعض لوگ خود قرآن پڑھ کر میری قرأت میں خلل ڈال رہے ہیں (نسائی جلد ۱ صفحہ ۱۴۶)۔

رفع یدین نہ کریں

شروع میں نبی کریم ﷺ رکوع میں جانے سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے (بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۰۲)۔

ایک حدیث میں ہے کہ دو رکعت کے بعد اُٹھتے تو پھر رفع یدین فرماتے (بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۰۲)۔ لیکن بعد میں آپ ﷺ نے رفع یدین کرنے سے منع فرما دیا۔ یعنی یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح پہلے مسجد اقصیٰ قبلہ تھا۔ بعد میں کعبہ شریف کو قبلہ بنا دیا گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ نے فرمایا اے لوگو میں تمہیں نبی کریم ﷺ والی نماز پڑھ کے دکھاؤں؟ لوگوں نے کہا ضرور دکھائیں۔ آپ نے نماز پڑھ کے دکھائی۔ تکبیر تحریمہ کے لیے ہاتھ اُٹھائے اور اس کے بعد پوری نماز میں کہیں رفع یدین نہیں کیا۔ اصل الفاظ یہ ہیں۔

فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ إِلَّا فِيْ أَوَّلِ مَرَّةٍ یعنی شروع کرتے ہوئے ہاتھ اُٹھائے اور اس کے بعد رفع یدین نہیں کیا (ترمذی جلد ۱ صفحہ ۵۹، ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۱۱۶، المستند صفحہ ۱۳۷)۔

بلکہ ایک مرتبہ کچھ لوگوں کو رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے نماز میں اسطرح رفع یدین کر رہے ہو جس طرح بنو شمس کے گھوڑے دُم ہلاتے

ہیں، نماز میں سکون سے رہا کرو اُسْکُنُوْا فِی الصَّلٰوۃِ (مسلم جلد ا صفحہ ۱۸۱، المستند صفحہ ۱۳۸)۔

قرآن شریف میں بھی اسی کی طرف اشارہ موجود ہے۔ فرمایا قُوْمُوْا لِلّٰہِ قٰنِتِیْنَ یعنی اللہ کے سامنے ادب سے کھڑے رہو (بقرہ: ۲۳۸)۔

آمین آہستہ کہیں

جب امام وَلَا الضَّآلِّیْن کہے تو مقتدیوں کو چاہیے کہ آمین آہستہ کہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعاً وَّ خُفْیَۃً یعنی اپنے رب کو عاجزی سے اور آہستہ پکارو (اعراف: ۵۵)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب امام آمین کہے تم بھی آمین کہو۔ جس کی آمین فرشتوں کے موافق ہوگئی اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف ہو گئے (ابن ماجہ صفحہ ۶۱، بخاری جلد ا صفحہ ۱۰۸، مسلم جلد ا صفحہ ۱۷۶، ابوداؤد جلد ا صفحہ ۱۴۲، ترمذی جلد ا صفحہ ۵۸، نسائی جلد ا صفحہ ۱۴۷، المستند صفحہ ۱۳۵)۔

فرشتوں کی آمین کسی کو سنائی نہیں دیتی۔ ہماری آمین فرشتوں کے موافق ہونی چاہیے۔ یعنی اسی وقت میں بھی ہو اور آہستہ بھی ہو تاکہ موافقت کامل ہو جائے۔

اس حدیث میں بلند آواز کا کوئی ذکر نہیں بلکہ فرشتوں کی موافقت کا حکم ہے۔ آمین کے بارے میں وارد ہونے والی باقی احادیث کا مکمل نقشہ اس طرح ہے کہ

خَفِضَ بِہٖ صَوْتَہٗ یعنی نبی کریم ﷺ نے آواز آہستہ رکھی (ترمذی جلد ا صفحہ ۳۴، المستند صفحہ ۵۸)۔

مَدَّبِہٖ صَوْتَہٗ یعنی آواز کو کھینچا (یعنی آہستہ تھی مگر اسے لمبا کیا)۔ (ترمذی جلد ا صفحہ ۵۸)۔

رَفَعَ بِھَا صَوْتَہٗ یعنی آواز کو بلند کیا (ابوداؤد جلد ا صفحہ ۱۴۲)۔

آواز بلند کرنے کی وضاحت اس حدیث میں موجود ہے۔

وَرَفَعَ بِھَا صَوْتَہٗ حَتّٰی یَسْمَعَ مَنْ یَّلِیْہِ مِنَ الصَّفِّ الْاَوَّلِ یعنی آپ ﷺ نے اپنی آواز کو بلند کیا حتیٰ کہ پہلی صف میں آپ کے قریب والے لوگوں نے اسے سُن لیا (ابوداؤد

جلد اصفحہ ۱۴۲)۔

بات واضح ہو گئی کہ یہ آواز کا بلند کرنا دل میں ہی تھا جسے مشکل سے پہلی صف والے سن سکے۔ پوری صف بھی نہ سن سکی بلکہ صرف قریب کھڑے لوگ سن سکے۔ چیخ کر آمین نہ فرمائی۔

ہاں شروع شروع میں تعلیم دینے کے لیے آمین بلند آواز سے کہی جاتی تھی۔ بعد میں اسے چھوڑ دیا گیا۔ حضرت ابو ہریرہ ﷺ فرماتے ہیں لوگوں نے آمین چھوڑ دی ہے۔ نبی کریم ﷺ کی آمین پہلی صف والے سنتے تھے پھر مسجد گونج اٹھتی تھی (ابنِ ماجہ صفحہ ۶۱، المستند صفحہ ۱۳۵)۔

اس حدیث کے یہ الفاظ کہ "لوگوں نے آمین چھوڑ دی" اس چیز کا واضح ثبوت ہے کہ تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان نے اونچی آواز میں آمین کہنا چھوڑ دیا تھا۔ یہ اونچی آواز میں آمین کے منسوخ ہونے کا واضح ثبوت ہے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے پاس اونچی آواز سے آمین چھوڑ دینے کا کیا ثبوت تھا؟ ثبوت یہی تھا کہ خَفِضَ بِہٖ صَوْتَہٗ یعنی نبی کریم ﷺ نے آمین آہستہ کہی (ترمذی جلد اصفحہ ۵۸)۔

ان موضوعات پر حضرت علامہ مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی رحمت اللہ علیہ کی کتاب "جاء الحق" نہایت لاجواب چیز ہے۔ فقیر راقم الحروف نے بھی ان موضوعات پر مستقل رسالہ "سبیل المومنین" کے نام سے تحریر کیا ہے اور ان موضوعات پر تمام احادیث کو "المستند" میں یکجا کر دیا ہے۔

امامت

باجماعت نماز پڑھنا واجب ہے۔ امام فاسق نہ ہو اور اسکی داڑھی ایک مٹھی سے کم نہ ہو۔ نبی کریم ﷺ نے داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کترنے کا حکم دیا ہے (بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۷۵، مسلم جلد اصفحہ ۱۲۹)۔

اس حدیث میں داڑھی بڑھانے کی تاکید موجود ہے۔ یہ حدیث حضرت عبداللہ ابنِ عمر ﷺ نے بیان فرمائی ہے۔ حضرت عبداللہ ابنِ عمر ﷺ کا اپنا عمل یہ تھا کہ مٹھی بھر داڑھی رکھتے اور مٹھی سے فالتو کاٹ دیتے تھے (بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۷۵، المستند صفحہ ۲۶۹)۔

حدیث پر اس کے راوی نے عمل کر کے دکھا دیا۔ نبی کریم ﷺ کی اپنی داڑھی مبارک اتنی تھی کہ آپ کے سینہ مبارک کو بھر دیتی تھی (الشفاء جلد ۱ صفحہ ۳۸، المستند صفحہ ۲۶۸)۔
ظاہر ہے کہ مٹھی سے کم داڑھی سے سینہ نہیں بھرتا خواہ سینے کا اوپر کا حصہ مراد ہو۔ تمام علماء کرام نے داڑھی کو کم از کم سنت لکھا ہے۔ سنت سے مراد اس کا فردِ کامل یعنی سنتِ مؤکدہ ہے۔
مثلاً مُلاَّ علی قاری علیہ الرحمۃ (مرقاۃ جلد ۸ صفحہ ۲۹۱) اور علامہ مرغینانی علیہ الرحمۃ (ہدایہ جلد ۱ صفحہ ۲۲۱) وغیرہ وغیرہ۔ بعض علماء کا قبضہ کو واجب کہنا اسکے تأکد پر واضح قرینہ ہے اور بعض کا قبضہ سے کم پر وعید سنانا بھی تاکید پر قرینہ ہے۔
بالکل چھوڑی ہوئی لمبی داڑھی جو مٹھی سے بہت زیادہ ہو اور دیکھنے میں بے ڈھنگی لگے، ایسی لمبی داڑھی رکھنا ناپسندیدہ ہے۔ اسکا فالتو حصہ کتر دینا مستحب ہے (شرح مسند لعلی القاری صفحہ ۲۱۰)۔
امام کا لاؤڈ سپیکر میں جماعت کرانا جائز ہے اسلئے کہ اس سے منع نہیں کیا گیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کیا اور جس کے بارے میں خاموشی اختیار کی ہے اس کی معافی ہے (ترمذی، مشکوٰۃ صفحہ ۳۶۷، المستند صفحہ ۹۶)۔

نماز میں بے وضو ہو جانا

نماز کے دوران اگر وضو ٹوٹ جائے تو فوراً نماز چھوڑ دیں۔ اگر با جماعت نماز پڑھ رہے ہیں تو جدھر سے بھی راستہ ملے باہر نکل جائیں۔ دوبارہ وضو کریں۔ اب نماز جہاں سے چھوڑی تھی وہیں سے شروع کریں۔ لیکن وہیں سے شروع کرنے کا مسئلہ تھوڑا مشکل ہے۔ اگر اس کی سمجھ نہ آئے تو آسان ترین طریقہ یہ ہے کہ نماز نئے سرے سے پڑھیں۔

قرأۃ کے مسائل

فرض نماز کی پہلی رکعت میں نسبتاً لمبی اور دوسری رکعت میں نسبتاً چھوٹی سورۃ پڑھنا چاہیے۔ اگر ایسا نہ کیا تو نماز بہر حال ہو جائے گی مگر یہ مکروہ ہے۔

پہلی رکعت میں جو سورۃ پڑھی، دوسری رکعت میں ایک سورت چھوڑ کر اس سے اگلی سورۃ پڑھنا مکروہ ہے۔ یہ حکم چھوٹی سورتوں کا ہے اگر لمبی سورۃ ہو تو جائز ہے۔

پہلی رکعت میں بعد والی سورۃ اور دوسری رکعت میں پہلی سورۃ جان بوجھ کر پڑھنا (یعنی سورتوں کی ترتیب بدل دینا) مکروہ تحریمی ہے۔ لیکن اگر بھول کر پڑھا جائے تو معاف ہے، سجدۂ سہو کی بھی ضرورت نہیں۔

امام جہاں بھی غلطی کرے مقتدی اُسے لقمہ دے سکتا ہے۔

پانچ نمازوں میں فرض، وتر، سنت اور نفل کی تعداد

صبح کی نماز میں دو سنت مؤکدہ اور دو فرض ہیں۔ ظہر کی نماز میں چار سنت مؤکدہ، چار فرض، دو سنتِ مؤکدہ اور دو نفل ہیں۔ عصر کی نماز میں چار سنتِ غیر مؤکدہ اور چار فرض ہیں۔ مغرب کی نماز میں تین فرض، دو سنتِ مؤکدہ اور دو نفل ہیں۔ عشاء کی نماز میں چار سنتِ غیر مؤکدہ، چار فرض، دو سنتِ مؤکدہ، دو نفل، تین وتر اور دو نفل ہیں۔ جمعہ کی نماز میں چار سنتِ مؤکدہ، دو فرض، چار سنتِ مؤکدہ پھر دو سنتِ غیر مؤکدہ اور دو نفل ہیں۔

بیس رکعات تراویح

رمضان شریف میں بیس رکعت تراویح باجماعت ادا کرنا سنتِ مؤکدہ ہے۔ نبی کریم ﷺ رمضان میں بیس رکعات پڑھتے تھے۔ اور وتر الگ پڑھتے تھے (ابنِ ابی شیبہ جلد ۲ صفحہ ۲۸۶)۔ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے اپنے اپنے دور میں بیس رکعات تراویح پڑھانے کا حکم دیا (مصنف ابنِ ابی شیبہ جلد ۲ صفحہ ۲۸۵)۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تمام لوگ بیس رکعات تراویح پڑھتے تھے (موطا امام مالک صفحہ ۹۸)۔ اسی طرح کی کئی احادیث موطا امام مالک، مصنف ابنِ ابی شیبہ اور بیہقی وغیرہ میں موجود ہیں۔

قاری پہلی آٹھ رکعتوں کو لمبا پڑھاتا اور باقی بارہ رکعات مختصر پڑھاتا تھا (موطا امام

مالک صفحہ۹۹)۔

بخاری شریف کی جس حدیث میں آٹھ رکعتوں کا ذکر ہے وہاں تہجد کی نماز مراد ہے۔اسی لیے اس حدیث میں ''رمضان اور غیرِ رمضان'' کے الفاظ موجود ہیں اور یہ حدیث بخاری شریف کی کتاب التہجد میں بیان ہوئی ہے۔ نیز اسی حدیث میں محبوب کریم ﷺ کا تین رکعات وتر پڑھنا بھی بیان ہوا ہے (بخاری شریف کتاب التہجد جلد ا صفحہ ۱۵۴)۔

اس پر پوری اُمت کا اجماع و اتفاق ہے کہ تراویح کی تعداد بیس ہے اور آج تک مکہ شریف اور مدینہ شریف میں اسی پر عمل ہو رہا ہے۔

جو شخص فرض نماز جماعت کے ساتھ نہ پڑھ سکا ہو وہ تراویح کی جماعت میں شامل ہوسکتا ہے۔ اسی طرح وہ وتر کی جماعت میں بھی شامل ہوسکتا ہے۔ اس لیے کہ وتر کی جماعت فرض کی جماعت کے ماتحت نہیں ہے بلکہ رمضان کے ماتحت ہے۔

چند اہم نوافل

تہجد کے نوافل رات سو کر اٹھنے کے بعد صبح کی اذان سے پہلے پڑھے جاتے ہیں۔کم از کم دو رکعت اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعت۔ ان میں کوئی خاص سورتیں متعین نہیں ہیں۔

اشراق کے نفل صبح سورج طلوع ہونے کے بیس منٹ بعد پڑھے جاتے ہیں۔ یہ صرف دو نفل ہوتے ہیں۔

چاشت کے نفل اشراق کے بعد زوال کے وقت سے پہلے پڑھے جاتے ہیں یہ دو سے لے کر بارہ تک ہوتے ہیں۔

اوّابین کے نفل مغرب کے بعد پڑھے جاتے ہیں ان کی چھ رکعتیں ہوتی ہیں۔

نماز تسبیح کی چار رکعتیں ہوتی ہیں۔ پہلی رکعت میں ثناء کے بعد پندرہ بار تیسرا کلمہ پڑھا جاتا ہے۔ پھر فاتحہ اور سورۃ پڑھ چکنے کے بعد دس بار، پھر رکوع میں تسبیحات کے بعد دس بار، پھر رکوع کے بعد سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہنے کے بعد دس بار، پھر پہلے سجدے میں دس

بار، پھر دو سجدوں کے درمیان دس بار، پھر دوسرے سجدے میں دس بار۔ یہ ایک رکعت میں پچھتر بار ہوا۔ پھر دوسری رکعت میں فاتحہ سے پہلے پندرہ بار اور باقی پہلی رکعت کی طرح پڑھا جاتا ہے۔ دونوں قعدوں کے دوران تیسرا کلمہ نہیں پڑھا جاتا۔ اگر سجدۂ سہو کرنا پڑ جائے تو سہو کے سجدوں میں بھی تیسرا کلمہ نہیں پڑھا جاتا۔ حدیث شریف میں ہے کہ اس نماز سے تین سو گناہِ کبیرہ معاف ہو جاتے ہیں۔

سجدۂ تلاوت

قرآن پاک میں سجدے کی آیات کی تعداد چودہ ہے۔ انہیں پڑھنے اور سننے والے پر سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔ سجدۂ تلاوت کا طریقہ یہ ہے کہ سجدے کا ارادہ کر کے اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدے میں چلے جائیں اور اللہ اکبر کہتے ہوئے سر اٹھا لیں۔ تکبیر کہتے ہوئے کانوں تک ہاتھ اٹھانے، تشہد پڑھنے اور سلام پھیرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ایک آدمی کی تلاوت کا سجدہ دوسرا آدمی ادا نہیں کر سکتا۔

استخارہ

حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ صحابۂ کرام علیہم الرضوان کو استخارہ اسی طرح سکھاتے تھے جس طرح قرآن کی سورت سکھاتے تھے۔ استخارہ کا طریقہ یہ ہے کہ کسی مباح کام کے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرنا ہو تو دو رکعت نفل پڑھیں۔ پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد قُلْ یَا اَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ اور دوسری میں قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ پڑھیں۔ پھر یہ دُعا سات بار پڑھیں اور اس کے بعد جدھر کو شرح صدر ہو، اُدھر کو چل دیں۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ اَللّٰھُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاقْدِرْهُ لِیْ وَیَسِّرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِكْ لِیْ فِیْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاقْدُرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ كَانَ

ثُمَّ ارْضِنِیْ بِہٖ (بخاری، ترمذی، ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۲۲۲، مشکوٰۃ صفحہ ۱۱۶، المستدرک صفحہ ۱۴۸۔۱۴۹)۔

مریض کی نماز

مریض اپنے مرض کی شدت کے مطابق بیٹھ کر، لیٹ کر یا اشارے سے نماز پڑھ سکتا ہے۔

مسافر کی نماز

جو آدمی اپنی بستی سے ۹۸ کلومیٹر کے سفر کے ارادہ سے نکلے وہ مسافر ہے (بمطابق شامی جلد ۱ صفحہ ۵۸۰)۔ اب وہ چار فرضوں کی بجائے دو پڑھے گا۔ دو فرضوں کو دو اور تین کو تین ہی پڑھے گا۔ سنت اور وتر بھی پورے ہی پڑھے گا۔ جس شہر میں گیا ہے وہاں اگر پندرہ دن سے کم رہنے کی نیت ہے تو قصر پڑھے گا۔ اگر اس سے زیادہ رہنے کا ارادہ ہے تو اب وہ مسافر نہیں رہا۔ پوری نماز پڑھے گا۔

اگر کسی نے بھول کر دو کی بجائے چار رکعت پڑھ لیں تو اگر اس نے درمیانی قعدہ کیا ہے تو پہلی دو رکعت فرض اور آخری دو رکعت نفل ہو گئیں۔ اگر مقامی امام کے پیچھے مسافر نے نماز پڑھی تو پوری پڑھے گا۔ اگر مسافر امامت کرائے تو دو پڑھے اور مقامی لوگ بعد میں اپنی نماز مکمل کریں۔ مگر وہ بقیہ نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھیں بلکہ اندازاً فاتحہ جتنی دیر خاموش کھڑے رہیں۔

مسافر مسافر ہی ہے خواہ وہ سفر جہاز کے ذریعے کر رہا ہو۔ مسافری اپنی بستی سے نکلتے ہی شروع ہو جاتی ہے۔ عارضی رہائش اور مستقل رہائش کے درمیان اگر فاصلہ ۹۸ کلومیٹر کا ہو تو صرف راستے میں مسافر ہوگا۔ ایسے ملازم جو ہر ہفتے گھر کا چکر لگاتے ہیں، اپنی ملازمت والی جگہ پر مسافر ہی شمار ہوں گے۔ مسافر پندرہ دن سے کم سفر میں رہنے کا ارادہ رکھتا ہو مگر بعد میں چند دن مزید ٹھہرنا پڑ جائے، اور جب ارادے میں یہ تبدیلی آئی تو اس دن کے بعد مزید قیام پندرہ دن سے کم ہی بن رہا ہو تو ایسا شخص مسافر ہی شمار ہوگا خواہ اس طرح کرتے کرتے کئی سال گزر جائیں۔

بیوی کے ذاتی گھر اور اپنے ماں باپ کے گھر میں انسان مسافر نہیں ہوتا۔ مسافر پر جمعہ فرض نہیں۔

کشتی، بحری جہاز، ریل گاڑی اور ہوائی جہاز میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ مسافر ایک مرتبہ

قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز شروع کر دے بعد میں اگر سواری کا رخ بدل جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ۔نماز جائز ہے۔

سفر میں آخری وقت کا اعتبار ہوتا ہے یعنی نماز کے آخر وقت میں اگر آپ مسافر ہو گئے تو نماز قصر پڑھیں گے۔اور اگر آخری وقت میں مقیم ہو گئے تو پوری نماز پڑھیں گے۔قصر کی قضا بھی قصر ہی پڑھی جائے گی۔

جمعہ کی نماز

نمازِ جمعہ وہاں فرض ہے جہاں ضروریاتِ زندگی کی تمام اشیاء میسر ہوں اور شرعی فیصلے ہوتے ہوں۔امام کے علاوہ کم از کم دو آدمی ہوں۔ظہر کا وقت ہو اور نماز سے پہلے خطبہ دیا جائے۔ اور جماعت کرائی جائے۔مسافر اور عورت، بچے اور بیمار پر جمعہ فرض نہیں۔اگر کوئی مسافر یا مریض جمعہ میں شامل ہو جائے تو اس کی نماز ہو جائے گی۔خطبہ ادب سے سننا چاہیے۔پہلے خطبے کے دوران ہاتھ باندھ لینا اور دوسرے کے دوران ہاتھ کھول دینا کوئی ضروری نہیں۔یہ پابندی کہیں سے ثابت نہیں لیکن اگر کوئی ایسا کرے تو اس پر سختی نہ کی جائے۔

جو شخص جمعہ کی نماز کے قعدے میں شامل ہو گیا حتیٰ کہ اگر سجدۂ سہو کے بعد والے قعدے میں بھی شامل ہو گیا تو اسے جمعہ کی نماز مل گئی (کنز الدقائق صفحہ ۴۵، وتفصیلہ فی الشروح مثل فتح القدیر والبحر الرائق)۔

عید کی نماز

عید کی نماز بھی جمعہ کی طرح ہے۔فرق یہ ہے کہ جمعہ میں خطبہ شرط ہے جب کہ عید میں خطبہ سنت ہے۔اور عید کا خطبہ بعد میں ہوتا ہے۔عید کی نماز دو رکعت ہوتی ہے۔اس میں چھ زائد تکبیرات ہوتی ہیں۔تین تکبیریں پہلی رکعت میں فاتحہ سے پہلے اور تین تکبیریں دوسری رکعت میں رکوع سے پہلے۔تکبیروں کے درمیان ہاتھ چھوڑنا ہوتے ہیں۔

جنازہ کے مسائل

قریب المرگ کا سر شمال کی طرف اور پاؤں جنوب کی طرف کر کے اس کے سر کو قبلہ کی طرف خم دیں۔اس کے پاس کلمۂ شہادت بلند آواز سے پڑھیں۔جب موت واقع ہو جائے تو اس کے جبڑے باندھ دیں اور آنکھیں بند کر دیں۔

غسل میّت

سب سے پہلے بیری کے پتے ڈال کر گرم پانی تیار کریں۔غسل کا تختہ اچھی طرح صاف کریں۔اسے تین مرتبہ عود یا لوبان کی دھونی دیں۔یعنی تختے کے اردگرد اس دھونی کو گھمائیں۔

غسل دینے والا میت کا قریب ترین رشتہ دار ہو تو بہتر ہے ورنہ کوئی بھی نیک آدمی غسل دے سکتا ہے۔غسل دینے والے کا بدن پاک ہو۔اگر باوضو ہو تو زیادہ بہتر ہے۔

میت کو تختے پر اس طرح لٹائیں کہ سر شمال کو اور پاؤں جنوب کو رہیں۔ناف سے گھٹنوں تک کپڑا ڈال کر باقی کپڑے اُتار دیں۔غسل دینے والا اپنے ہاتھ پر کپڑا لپیٹ کر یا تھیلی چڑھا کر ستر کے کپڑے کے نیچے سے ہاتھ ڈال کر استنجا کرائے۔

منہ اور ناک میں پانی نہ ڈالیں اور باقی وضو کرائیں۔البتہ روئی یا کپڑا بھگو کر دانت، منہ اور ناک صاف کر دیں۔وضو کے بعد میت کی ناک ،مُنہ اور کان میں روئی دے دیں تاکہ پانی اندر نہ جائے۔

سر اور داڑھی کو خطمی یا پاک صابن سے دھوئیں۔پہلے بائیں کروٹ دے کر پانی نیچے تک بہائیں اور پھر دائیں کروٹ دے کر پانی نیچے تک بہائیں۔پھر سہارا دے کر بٹھا دیں اور پیٹ کو آہستہ آہستہ ملیں۔جو کچھ باہر نکلے اُسے دھو دیں۔دوبارہ غسل کی ضرورت نہیں۔بدن کپڑے سے خشک کر دیں۔اب میت کو تختے سے اُٹھا کر کفن پر رکھیں اور اس کے مُنہ، ناک اور کان سے روئی نکال دیں۔

اس کے سر، داڑھی اور سجدے کے اعضاء پر خوشبو لگائیں۔بالوں اور داڑھی میں کنگھی نہ کریں اور نہ ہی اس کے بال اور ناخن کاٹیں۔

کفن میت

میت کو کفن دینا فرض کفایہ ہے۔ کفن سفید رنگ کا ہو۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا سفید لباس پہنا کرو۔ یہ سب سے بہتر لباس ہے اور اسی کا اپنے مردوں کو کفن دیا کرو (مشکوٰۃ صفحہ ۱۴۴، المستند صفحہ ۲۶۶)۔

مرد کے لیے تین چیزیں سنت ہیں۔ ازار (چادر)، قمیض (کفنی) اور لفافہ۔ عورت کے لیے ان تین کے علاوہ دو اور بھی سنتیں ہیں۔ اوڑھنی (ایک طرح کا دوپٹہ) اور سینہ بند۔

لفافہ میت کے قد سے اتنا زیادہ ہو کہ دونوں طرف باندھا جا سکے۔ ازار میت کی چوٹی سے قدم تک لمبا ہو اور قمیض گردن سے لے کر گھٹنوں تک لمبی ہو۔ قمیض آگے اور پیچھے دونوں طرف برابر لمبی ہو۔ قمیض میں چاک اور آستینیں نہ ہوں۔ مرد کی قمیض اور عورت کی قمیض میں فرق یہ ہے کہ مرد کی قمیض کو کندھے پر سے چیرا جائے اور عورت کی قمیض کو سینے کی طرف چیرا جائے۔

عورت کی اوڑھنی ڈیڑھ گز (تین ہاتھ) لمبی اور ایک بالشت چوڑی ہو اور سینہ بند پستان سے ران تک ہو۔

مرد کے لیے پہلے لفافہ پھر اس کے اوپر ازار بچھایا جائے، پھر اس پر میت کو لٹا کر قمیض پہنائی جائے۔ پھر میت کے سر، داڑھی اور بدن پر خوشبو لگائی جائے۔ وضو کے اعضاء پر کافور لگایا جائے۔ پھر ازار پہلے بائیں طرف سے اور پھر دائیں طرف سے لپیٹا جائے۔ پھر اس کے بعد لفافہ بھی پہلے بائیں اور پھر دائیں طرف سے لپیٹا جائے۔ لفافہ کو سر اور پاؤں کی جانب سے پٹی سے باندھ دیا جائے۔ ایک پٹی کمر کے نیچے بھی باندھ دی جائے تاکہ کفن ہوا سے نہ اُڑے۔

عورت کے لیے بھی لفافہ اور ازار مرد کی طرح بچھائے جائیں۔ پھر میت کو ازار کے اوپر رکھا جائے۔ پھر اسے قمیض پہنائی جائے۔ پھر اس کے بالوں کی دو لٹیں کر کے اس کے سینے پر قمیض کے اوپر رکھ دیے جائیں۔ پھر اس کے سر اور بالوں پر اوڑھنی کرا دی جائے۔ پھر ازار اور لفافہ مرد کی طرح لپیٹ دیے جائیں اور آخر میں سینہ بند باندھ دیا جائے۔ سینہ بند کو قمیض کے اوپر یا ازار کے

اوپر باندھنا بھی جائز ہے۔

میت کو غسل دینے کے بعد غسل دینے والے کے لیے مستحب ہے کہ خود بھی غسل کر لے۔ اگر غسل نہیں کرے گا تو کوئی گناہ نہیں۔

نمازِ جنازہ

جو بچہ پیدا ہوتے ہی آواز نکالے اور پھر مر جائے اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی۔ ڈاکو جو مقابلے میں مارا جائے اس کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ خودکشی بہت بڑا گناہ ہے مگر خود کشی کرنے والے کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی۔

نمازِ جنازہ فرض کفایہ ہے۔ یہ کھڑے پڑھی جائے۔ امام میت کے سینے کے سامنے کھڑا ہو اور چار تکبیریں کہی جائیں۔ ثناء، درود اور میت کے لیے دعا کرنا جنازے کی سنتیں ہیں۔ نمازِ جنازہ میں ثناء، درود شریف اور دعا کے مخصوص اور مروّج الفاظ مستحب ہیں۔ یہ نہ آتے ہوں تو نماز والی ثناء، نماز والا درود اور نماز والی دعا پڑھ لینا جائز ہے۔ عام طور پر ایک ہی قسم کے الفاظ عوام کو یاد کرائے جاتے ہیں تاکہ انہیں سہولت رہے۔ لہٰذا ان الفاظ کو یاد کر لینا ہی اچھی بات ہے۔ مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

جنازہ کی نماز پڑھانے کا زیادہ حق دار اسلامی حکومت کا سربراہ ہے۔ اس کے بعد شرعی قاضی، اس کے بعد محلے کا امام، اس کے بعد میت کے وارث درجہ بدرجہ۔ اگر وارث نے نمازِ جنازہ نہ پڑھی ہو تو اس کی خاطر دوبارہ نمازِ جنازہ پڑھانا جائز ہے اور اگر وارث نے نمازِ جنازہ پڑھ لی ہو تو نمازِ جنازہ کی تکرار مکروہ تحریمی ہے۔

اگر کسی مسلمان کو نمازِ جنازہ پڑھے بغیر دفن کر دیا گیا تو اس کی قبر پر تین دن تک نمازِ جنازہ پڑھنا جائز ہے اس کے بعد نہیں۔

شوہر اپنی بیوی کی میت کو کندھا دے سکتا ہے۔ اس کا منہ دیکھ سکتا ہے۔ اسے قبر میں اتار سکتا ہے۔ مگر اسے بلا حائل چھو نہیں سکتا۔ بیوی بھی اپنے شوہر کا منہ دیکھ سکتی ہے۔

سنت یہ ہے کہ قبر میں لحد بنالی جائے لیکن علاقے کی مٹی اگر کچی ہو تو سیدھی قبر بنالی جائے۔ قبر اتنی گہری ہو کہ کم از کم میت کے آدھے قد کے برابر ہو۔ سینے کے برابر یا پورے قد کے برابر بھی درست ہے۔ عام طور پر سینے کے برابر زیادہ مناسب رہتی ہے۔ گہری قبر کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے بونہیں آتی اور میت جانوروں سے محفوظ رہتا ہے۔

میت کو قبلہ کی طرف سے قبر میں اُتارا جائے اور یہ پڑھا جائے: بِسۡمِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوۡلِ اللّٰهِ ﷺ (المستند صفحہ ۱۷۰)۔ قبلہ کی طرف مُنہ کردیا جائے اور بند کھول دیے جائیں۔ قبر کو کچی اینٹوں یا بانس وغیرہ سے بند کردیا جائے۔ اگر زمین گیلی ہو تو لکڑی کے تابوت میں دفن کرنا بھی درست ہے۔ اور قبر پر لکڑی کے تختے لگانا بھی درست ہے پھر اوپر سے مٹی ڈال دی جائے۔ عورت کو پردے میں دفن کیا جائے۔

قبر اندر سے کچی اور باہر سے پختہ ہو تو کوئی حرج نہیں بلکہ اگر زمین ایسی نرم ہو کہ کچی اینٹ کے ناکام ہونے کا واضح اندیشہ ہو تو پکی اینٹ بھی لگا سکتے ہیں ورنہ نہیں۔

مشائخ علماء اور سادات کی قبور پر عمارت (روضہ) بنانا جائز ہے۔ یہ سب مسائل دُرِ مختار اور شامی جلد ۱ صفحہ ۶۴۱ تا جلد ۱ صفحہ ۶۶۲ پر موجود ہیں۔

جنازہ کے تمام مسائل متون، ہدایہ، جوہرہ نیرہ، شامی اور عالمگیری سے لیے گئے ہیں (مع التوضیح)۔

جنازے کے بعد دُعا

جنازے کے بعد دعا مانگنا جائز ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب میت پر نماز جنازہ پڑھ چکو تو اس کیلئے خصوصی دعا کیا کرو (ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۱۰۰، المستند صفحہ ۱۶۸)۔ عام طور پر جنازے میں اَللّٰهُمَّ اغۡفِرۡ لِحَيِّنَا والی دعا پڑھی جاتی ہے۔ اس دعا میں سب زندہ اور مردہ مسلمانوں کیلئے مغفرت طلب کی جاتی ہے اور حاضر میت کیلئے خصوصی الفاظ استعمال نہیں کیے جاتے۔ اس کمی کو پورا کرنے کیلئے رحمۃ للعلمین ﷺ نے اس حدیث میں حاضر میت کے لیے خصوصی دعا کا حکم فرمایا ہے۔

حضرت طلحہ بن براء ﷺ فوت ہو گئے اور حبیب کریم ﷺ ان کے جنازہ میں شامل نہ ہو سکے۔ آپ ﷺ ان کی قبر پر تشریف لے گئے، لوگوں نے صفیں بنائیں اور بعد میں آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر ان کے لیے یہ دعا فرمائی: اَللّٰھُمَّ اَلْقِ طَلْحَۃَ یَضْحَکُ اِلَیْکَ وَتَضْحَکُ اِلَیْہِ یعنی اے اللہ طلحہ تیرے پاس ہنستا ہوا جائے اور تو ہنس کر اس کا استقبال فرما (طبرانی، فتح الباری، عمدۃ القاری، المستند صفحہ ۱۶۸)۔ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کسی کی نمازِ جنازہ سے بچھڑ گئے تو انہوں نے بعد میں میت پر حاضر ہو کر اس کے لیے استغفار فرمایا۔ حضرت عبداللہ ابن سلام ﷺ حضرت عمر فاروق کی نمازِ جنازہ سے بچھڑ گئے۔ جب پہنچے تو آواز لگائی کہ اِنْ سَبَقْتُمُوْنِیْ بِالصَّلٰوۃِ عَلَیْہِ لَا تَسْبِقُوْنِیْ بِالدُّعَاءِ لَہٗ یعنی تم لوگوں نے مجھ سے پہلے نمازِ جنازہ پڑھ لی ہے تو کم از کم مجھے دعا میں تو شامل کر لو (المبسوط جلد ۲ صفحہ ۶۷، المستند صفحہ ۱۶۹)۔ اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان جنازہ کے بعد دعا مانگا کرتے تھے۔

جنازہ کے بعد بلا وجہ تاخیر کرنا منع ہے۔ لیکن جنازے کے بعد دعا پر صرف ہونے والے چند منٹ ممنوع تاخیر کا سبب نہیں بنتے بلکہ اس دعا سے میت کا فائدہ مقصود ہوتا ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ مَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ یَنْفَعَ اَخَاہُ فَلْیَنْفَعْہُ یعنی جو شخص اپنے کسی بھائی کو فائدہ پہنچا سکتا ہو ضرور پہنچائے (مسلم، المستند ۱۶۸)۔

غائبانہ نمازِ جنازہ جائز نہیں

اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے وَصَلِّ عَلَیْھِمْ اِنَّ صَلٰوتَکَ سَکَنٌ لَّھُمْ یعنی اے محبوب آپ اپنے غلاموں پر نماز پڑھا کریں آپکی نماز ان کیلئے سکون کا باعث ہے (التوبۃ: ۱۰۳)۔ اس آیت کے الفاظ کا عموم دعا اور جنازہ دونوں کو شامل ہے بلکہ امام ابن ہمام رحمت اللہ علیہ نے یہاں شرعی معنی یعنی نمازِ جنازہ مراد لینے کو ترجیح دی ہے (فتح القدیر جلد ۲ صفحہ ۱۲۰)۔

اللہ کریم کے اِس حکم کے علاوہ خود محبوب کریم ﷺ بھی اپنے غلاموں کیلئے حریص اور ان

کی بخشش کے لیے فکرمند ہیں حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۔آپ ﷺ نے اعلان کرر کھا تھا کہ لَایَمُوْتَنَّ اَحَدٌ مِّنْکُمْ اِلَّا اٰذَنْتُمُوْنِیْ بِهٖ فَاِنَّ صَلَاتِیْ عَلَیْهِ رَحْمَةٌ لَّهٗ جب بھی کوئی مسلمان فوت ہو تو مجھے جنازہ کیلئے اطلاع دیا کرو، میری نماز، میت کیلئے رحمت ہے (احمد جلد۴ صفحہ ۳۸۸، ابن ابی شیبہ جلد۳ صفحہ ۲۷۵، نسائی جلد۴ صفحہ ۸۴ ـ ۸۵، ابن ماجہ حدیث نمبر ۱۵۲۸، حاکم جلد۳ صفحہ ۵۹۱، ابن حبان حدیث نمبر ۳۰۸۷، بیہقی جلد۴ صفحہ ۳۵، کمافی حاشیہ فتح القدیر جلد۱ صفحہ ۱۲۲)۔حتیٰ کہ اگر آپ ﷺ کو اطلاع دیے بغیر کسی صحابی کو دفن کر دیا جاتا تو آپ ﷺ اسکی قبر پر جا کر نماز جنازہ ادا فرماتے۔احادیث میں اسکی کثرت سے مثالیں موجود ہیں۔آپ ﷺ کا میت کو سامنے رکھ کر نماز جنازہ پڑھنا اور جنازے سے رہ جانے کی صورت میں قبر پر جانے کا تکلف فرمانا اس بات کا ثبوت ہے کہ غائبانہ نمازِ جنازہ جائز نہیں ہے۔ایسی ہی احادیث کو مدِ نظر رکھتے ہوئے علماء اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ میت کا سامنے موجود ہونا نماز جنازہ کی شرائط میں سے ہے۔

حبشہ کی سرزمین پر، بے شمار غزوات میں اور دور دراز کے علاقوں میں بے شمار صحابہ علیہم الرضوان فوت ہوئے، ان میں بیر معونہ کے قاری حضرات بھی فوت ہوئے جو نبی کریم ﷺ کو سب سے زیادہ پیارے تھے، مگر اس کے باوجود آپ ﷺ نے ان کی غائبانہ نمازِ جنازہ نہیں پڑھی۔رحمت کے غلبے، شفقت اور دلجوئی کے تقاضے کے باوجود آپ ﷺ کا ان حضرات کی غائبانہ جنازہ نہ پڑھنا اِس بات کا ثبوت ہے کہ یہاں اباحتِ اصلیہ کا قاعدہ چسپاں نہیں ہوتا اور غائبانہ نمازِ جنازہ جائز نہیں، ورنہ غائبانہ نمازِ جنازہ کثرت سے منقول ہوتی۔

نیز اگر غائبانہ نماز جنازہ جائز ہوتی تو اس دنیا سے ایسی ایسی ہستیاں جا چکی ہیں کہ قیامت تک ان پر غائبانہ نمازِ جنازہ جاری رہتی۔خصوصاً حبیبِ کریم ﷺ کی غائبانہ نماز جنازہ کا سلسلہ کبھی منقطع نہ ہوتا اور قیامت تک پیدا ہونے والے غلام اس سعادت سے محروم نہ رہتے خواہ اس کا طریقہ مخصوص ہی ہوتا۔

آپ ﷺ نے نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی ہے مگر احادیث میں تصریح موجود ہے کہ

معجزہ کے طور پر ان کا جنازہ آپ کے سامنے رکھ دیا گیا تھا (ابنِ حبان، احمد، فتح القدیر جلد ۱ صفحہ ۱۲۰، المستند صفحہ ۱۶۶)۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھنا نبی کریم ﷺ کا خاصہ ہے اور نجاشی کی نمازِ جنازہ اسی پر محمول ہے۔ کسی اور کے لیے غائبانہ نمازِ جنازہ جائز نہیں اَلصَّلوٰۃُ عَلَی الْغَائِبِ مِنْ خَصَائِصِہٖ ﷺ (الخصائص الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۴۱۷)۔

ساری صورتِ حال کو مدنظر رکھنے کے بعد بڑے بڑے علماء نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ غائبانہ نمازِ جنازہ جائز نہیں (فتح القدیر جلد ۱ صفحہ ۱۲۱، مرقاۃ جلد ۳ صفحہ ۴۶)۔

ہاں البتہ اگر کوئی شخص اپنے کسی پیارے کے لیے ارمان پورے کرنا چاہے تو اس کے حق میں استغفار، دعا، صدقہ وخیرات اور قرآن کے ایصالِ ثواب کے دروازے کھلے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی نمازِ جنازہ

حبیب کریم ﷺ کی نمازِ جنازہ مخصوص طریقے سے ادا کی گئی تھی۔ نہ کوئی امام تھا اور نہ ہی عام جنازے والی دعا اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا پڑھی گئی بلکہ دس دس آدمیوں کی ٹولیاں اندر جا کر درود شریف اور حضور کریم ﷺ کی شان کے لائق دعا پڑھتی تھیں اور یہی طریقہ تین دن تک جاری رہا۔ ان میں سے ایک دعا اس طرح ہے جو حضرت ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے پڑھی۔

اے اللہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ہم تک تیرا سارا پیغام پہنچا دیا جو ان پر نازل ہوا تھا اور آپ ﷺ نے اپنی اُمت کی خیر خواہی کی اور اللہ کی راہ میں جہاد فرمایا حتیٰ کہ اللہ نے اپنے دین کو غالب کر دیا اور اسکا وعدہ پورا ہوا۔ اے اللہ ہمیں ان لوگوں میں سے کر دے جو اس کلام کے پیروکار ہوئے جو تو نے اپنے رسول پر نازل فرمایا اور قیامت کے روز ہمیں حضور کی سنگت عطا فرما حتیٰ کہ غلام کی حیثیت سے ہم انکی شناخت ہوں اور آقا کی حیثیت سے وہ ہماری شناخت ہوں کیونکہ حضور ﷺ مومنین پر رؤف اور رحیم تھے۔ ہم حضور ﷺ پر ایمان لانے کا کچھ بدلہ نہیں مانگتے اور نہ ہی اس کے بدلے میں کوئی سودا کریں گے۔ حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما یہ دعا مانگ رہے تھے اور لوگ آمین آمین کہہ رہے تھے (سیرت حلبیہ جلد ۳ صفحہ ۴۷۸)۔

آپ ﷺ کی نمازِ جنازہ تمام اہلِ مدینہ واطرافِ مدینہ اور مہاجرین وانصار نے فوج در فوج ادا کی اور تین دن تک دس دس کی ٹولیوں میں نماز ادا کرتے رہے (جلاء العیون صفحہ ۳۶)۔ تمام اہلِ مدینہ وعوالی نے شرکت کی (اصول کافی جلد ا صفحہ ۱۱۱ مطبوعہ ایران/قم)۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے باری باری جنازہ پڑھنے والوں کو کنٹرول کیا حتیٰ کہ تمام مسلمانوں نے فوج در فوج نمازِ جنازہ ادا کرنے کی سعادت حاصل کی حتیٰ کہ مردوں کے بعد عورتیں بھی اس سعادت سے بہرہ مند ہوئیں (الوفا صفحہ ۷۹۶)۔

دفن کے بعد

قبر میں ہر میت پر تین سوال ہوتے ہیں۔ تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ اور یہ ہستی کون ہے جسے تمہاری طرف بھیجا گیا تھا؟ (ابوداؤد، مشکوٰۃ صفحہ ۲۵)۔ واضح رہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ سے پہلے کسی نبی کے بارے قبر میں سوال نہیں ہوتا تھا، یہ نبی کریم ﷺ کا خاصہ ہے (الخصائص الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۳۲۵)۔

نبی کریم ﷺ جب میت کو دفن کرنے کے بعد فارغ ہو جاتے تو وہاں ٹھہر جاتے۔ اور لوگوں کو فرماتے کہ اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو پھر اس کی ثابت قدمی کے لیے دعا کرو۔ اس پر اب سوال ہو رہے ہیں (ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۱۰۳، مستدرک حاکم جلد ا صفحہ ۳۷۰ الحدیث صحیح)۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ وفات کے وقت دیوار کی طرف منہ کر کے رو رہے تھے۔ آپکے بیٹے نے عرض کیا اے ابا جان کیا آپ کو نبی کریم ﷺ نے خوشخبریاں نہیں دی تھیں؟ آپ نے فرمایا سب سے اچھی گواہی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی ہے۔ مجھ پر تین دور گزرے ہیں۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ میں رسول اللہ ﷺ سے شدید بغض رکھتا تھا۔ اس وقت اگر میں مر جاتا تو سیدھا دوزخی تھا۔ پھر جب مجھے اللہ نے اسلام کی ہدایت دی تو میں نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوا، میں نے عرض کیا اپنا ہاتھ آگے کریں میں بیعت کروں گا۔ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک آگے کیا تو میں نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ فرمایا عمرو تجھے کیا ہوا ہے؟ میں نے عرض کیا میری ایک شرط ہے فرمایا وہ کیا؟ میں

نے عرض کیا "میری بخشش ہو جائے" فرمایا اسلام قبول کرنا، ہجرت کرنا اور حج کرنا پہلے والے تمام گناہوں کو دھو دیتا ہے۔ اسکے بعد نبی کریم ﷺ جتنا محبوب مجھے دنیا میں کہیں نظر نہیں آتا تھا۔ میں آپکی طرف ادب کی وجہ سے آنکھ بھر کر دیکھتا بھی نہ تھا۔ اگر کوئی مجھے کہتا کہ حضور کے نقش بیان کرو تو میں نہ کر سکتا کیونکہ میں نے کبھی آنکھ جما کر آپکی طرف دیکھا ہی نہ تھا۔ اگر میں اس حال میں مرجاتا تو امید ہے کہ میں جنتی ہوتا۔ اس کے بعد ہمیں کچھ ذمہ داریاں سونپ دی گئیں۔ اب مجھے کچھ معلوم نہیں میرا کیا انجام ہوگا۔ تم لوگ میری موت کے بعد میرے جنازے کے ساتھ نہ تو بین کرنے والیاں بلانا اور نہ آگ ساتھ لے جانا۔ جب مجھے دفن کر چکو تو مٹی ڈالنے کے بعد میری قبر پر اتنی دیر ٹھہرنا جتنی دیر میں ایک اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت بانٹا جا سکے۔ تاکہ میں آپ لوگوں سے اُنس حاصل کر سکوں اور مجھے پتہ چلے کہ میں فرشتوں کو کیا جواب دیتا ہوں (مسلم جلد ا صفحہ ۷۶)۔

میت پر رونا جائز ہے۔ میت پر رحم کی وجہ سے رونا آتا ہے اور میت سے بچھڑنے پر بشری تقاضوں سے بھی رونا آجاتا ہے۔ مگر نوحہ یا ماتم کرنا حرام ہے کہ یہ بے صبری کا مظاہرہ ہے اور قرآن وسنت میں اس سے منع کیا گیا ہے۔

قبر پر اذان

قبر پر اذان پڑھنا جائز ہے، اس لیے کہ اس سے منع نہیں کیا گیا اور بذاتِ خود اذان ایک اچھی چیز ہے۔ نیز اس سے میت کا دل بہلتا ہے، رحمتِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے، اذان کی آواز سن کر شیطان بھاگتا ہے اور فرشتوں کے سوالات کے صحیح جواب دینے میں میت کو مدد ملتی ہے۔ علماء نے نومولود بچے کے کان میں اذان پر قیاس کرتے ہوئے دفن کے بعد اذان کو بھی پسند فرمایا ہے (فتاویٰ شامی جلد ا صفحہ ۲۸۳)۔

ایصالِ ثواب

قرآن شریف، درود شریف، استغفار، کلمہ طیبہ وغیرہ پڑھ کر میت کو ایصالِ ثواب کرنا جائز ہے۔ محبوب کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اُس کے تمام اعمال منقطع ہو جاتے

ہیں، مگر اسے تین چیزوں کا ثواب ملتا رہتا ہے۔ صدقۂ جاریہ یا اس کا وہ علم جس سے لوگ فائدہ اُٹھائیں یا نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی رہے (مسلم، المستند صفحہ ۱۷۲)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مرنے والا قبر میں ڈوبنے والے شخص کی طرح ہوتا ہے، اسے اپنے ماں باپ، بھائی اور دوست کی طرف سے دعا کا انتظار رہتا ہے۔ جب اس تک کسی کی دعا پہنچتی ہے تو وہ اسے دنیا اور اس کی ہر چیز سے زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ زمین والوں کی دعا سے قبروں والوں کو پہاڑوں کے برابر ثواب پہنچاتا ہے اور زندہ لوگوں کا مرے ہوئے لوگوں کے لیے بہترین تحفہ استغفار ہے (مشکوٰۃ صفحہ ۲۰۶)۔

سیدالانبیاء ﷺ نے فرمایا مَنْ مَرَّ عَلَی الْمَقَابِرِ وَقَرَءَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اِحْدیٰ عَشَرَةَ مَرَّةً ثُمَّ وَهَبَ اَجْرَهَا لِلْاَمْوَاتِ اُعْطِیَ مِنَ الْاَجْرِ بِعَدَدِ الْاَمْوَاتِ یعنی جو قبرستان میں سے گزرا اور گیارہ مرتبہ قل ھو اللہ شریف پڑھ کر اس کا ثواب قبرستان والوں کو ہدیہ کر دیا، اُسے مردوں کی تعداد کے برابر اَجر ملے گا (فتاویٰ شامی جلد ۲ صفحہ ۲۵۷)۔

اسکے علاوہ میت کی طرف سے کھانے پینے کی اشیاء کی خیرات جائز ہے۔ خود نبی کریم ﷺ نے دو قربانیاں دیں اور سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو آپ نے حکم دیا کہ ہر سال دو قربانیاں دینا۔ ایک اپنی طرف سے اور ایک میری طرف سے (ترمذی جلد ۱ صفحہ ۲۷۵)۔

حضرت سعد بن عبادہ ؓ کی والدہ کا انتقال ہوا تو انہوں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ میں اپنی ماں کی طرف سے کون سا صدقہ دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا پانی۔ انہوں نے کنواں کھدوایا اور اسکا نام "بیرِ اُمِّ سعد" رکھا۔ یعنی "سعد کی ماں کا کنواں" (ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۲۴۳)۔

حضرت سعد نے نبی کریم ﷺ سے پوچھ کر پھلوں کا باغ والدہ کی طرف سے صدقہ کر دیا (بخاری جلد ۱ صفحہ ۳۸۶)۔

زیارتِ قبور

قبروں کی زیارت کرنا سنت ہے۔ حبیب کریم ﷺ نے فرمایا کُنْتُ نَهَیْتُکُمْ عَنْ

زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا فَاِنَّهَا تُزَهِّدُ فِي الدُّنْيَا وَتُذَكِّرُ الْاٰخِرَةَ یعنی میں تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا کرتا تھا مگر اب اس کی اجازت ہے، اس سے دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہے اور آخرت کی یاد آتی ہے (مسلم، ابنِ ماجہ، مشکوٰۃ صفحہ ۱۵۴، المستند صفحہ ۱۷۵)۔ اس حدیث کے عموم میں مرد اور عورتیں سب شامل ہیں بشرطیکہ عورت پردہ کر کے اپنے کسی محرم کے ہمراہ جائے اور وہاں جا کر واویلا نہ کرے (حاصلِ عبارت مشکوٰۃ صفحہ ۱۵۴)۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ میرے حجرے میں دفن ہوئے تو میں پردہ کیے بغیر سادہ کپڑوں میں قبرِ انور پر چلی جاتی تھی۔ اور میں کہتی تھی کہ یہاں میرے شوہر اور میرے والد ہی تو ہیں، پردے کی کیا ضرورت۔ مگر جب عمر اُن کے ساتھ دفن ہوئے تو میں عمر سے حیا کرتے ہوئے پردہ کر کے جاتی تھی (احمد، مشکوٰۃ صفحہ ۱۵۴)۔ بے پردہ جانے والی اور واویلا کرنے والی عورتوں کے لیے حدیث شریف میں لعنت وارد ہوئی ہے اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ لَعَنَ زَوَّارَاتِ الْقُبُوْرِ (احمد، ترمذی، ابنِ ماجہ، المستند صفحہ ۱۷۵)۔

محبوب کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے ہر جمعہ کو اپنے ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک کی قبر کی زیارت کی تو اس کی بخشش ہو گئی اور وہ نیک لوگوں میں لکھ دیا گیا (بیہقی، المستند صفحہ ۱۷۵)۔ نبی کریم ﷺ اُحد کے شہداء کی قبروں پر ہر سال کے آغاز میں جایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ یعنی آپکے صبر کے بدلے میں آپ پر سلامتی ہو اور آخرت بہترین گھر ہے۔ ابو بکر، عمر اور عثمان بھی ایسا ہی کرتے تھے (مصنف عبدالرزاق، بیہقی، المستند صفحہ ۱۷۵)۔

قبرستان میں جا کر یوں کہنا چاہیے۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ اَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ یعنی اے قبروں والو تم پر سلام ہو، اللہ ہماری اور تمہاری مغفرت کرے، تم ہم سے پہلے آ گئے ہو اور ہم تمہارے پیچھے آنے والے ہیں (ترمذی، مشکوٰۃ صفحہ ۱۵۴، المستند صفحہ ۱۷۵)۔ مسلمان کی قبر کی بے حرمتی حرام ہے۔

دعا کے لیے ہاتھ اُٹھانا

نبی کریم ﷺ کا عمومی طریقہ یہ تھا کہ آپ ﷺ جب بھی دعا فرماتے تو اپنے ہاتھ مبارک اُٹھا کر دعا فرماتے تھے۔ حدیث شریف میں ہے کہ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَرفَعُ یَدَیہِ فِی الدُّعَاءِ حَتّٰی یُرٰی بَیَاضَ اِبطَیہِ یعنی رسول اللہ ﷺ دعا کے وقت ہمیشہ ہاتھ اُٹھایا کرتے تھے حتیٰ کہ آپ ﷺ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگتی تھی (بیہقی، المستند صفحہ ۱۷۴)۔

بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۳۸ اور ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۷۶ پر باب رفع الایدی فی الدعا موجود ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اِنَّ رَبَّکُمْ حَیِیٌّ کَرِیمٌ یَستَحیِی مِن عَبدِہٖ اِذَا رَفَعَ یَدَیہِ اِلَیہِ اَن یَرُدَّھُمَا صِفراً یعنی تمہارا رب حیاء والا مہربان ہے جب اُس کا کوئی بندہ دعا کے لیے ہاتھ اُٹھاتا ہے تو اُسے اُن ہاتھوں کو خالی واپس لوٹاتے وقت حیا آتی ہے (ابوداؤد، ترمذی، المستند صفحہ ۱۷۴)۔

اس حدیث سے یہ قاعدہ معلوم ہوا کہ ہاتھوں کا اُٹھانا دعا کی قبولیت کا سبب ہے۔ لہٰذا ہر دعا کے لیے ہاتھ اُٹھانا ہی احسن ہے خواہ کسی موقع پر بالخصوص ہاتھ اُٹھانے کی تصریح قرآن وسنت میں موجود نہ بھی ہو (فتاویٰ علماء الحرمین صفحہ ۱۷۰۲)۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ حضرت طلحہ بن براء رضی اللہ عنہ کی قبر پر حبیب کبریاء ﷺ تشریف لے گئے اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی رَفَعَ یَدَیہِ (طبرانی، فتح الباری، عمدۃ القاری، المستند صفحہ ۱۶۸)۔

مُردے سنتے ہیں

قبروں والے، باہر والوں کی آواز سنتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب میت کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے گھر والے واپس آنے لگتے ہیں تو وہ ان کے پیروں کی آواز کو بھی سنتا ہے۔ پھر اس کے پاس دو فرشتے آکر سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ اور تو اس ہستی محمد (ﷺ) کے بارے میں کیا کہتا تھا؟ (اُس وقت حضور ﷺ اُس کے سامنے موجود ہوتے ہیں: بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۷۸)۔ بخاری شریف کے جس باب میں یہ حدیث موجود ہے اس باب کا نام

ہے "اَلْمَيِّتُ يَسْمَعُ خَفْقَ النِّعَالِ" یعنی میت پاؤں کی آواز سنتا ہے۔

جنگ بدر کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے کافروں کی نعشیں بدر کے کنویں میں پھنکوا کر ان مُردوں سے فرمایا کہ جو کچھ میں کہتا تھا کیا تم نے اسے حق پایا؟ حضرت عمر فاروق ؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا یہ سن سکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم ان سے زیادہ نہیں سنتے مگر یہ جواب نہیں دے سکتے (بخاری جلد ا صفحہ ۱۸۳، مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۸۷)۔ اس سے پہلے حضرت عمرو ابن عاص ؓ کی وفات والی حدیث ہم نقل کر چکے ہیں۔

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى میں کفار کو مُردوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور سماع قبول کی نفی کی گئی ہے۔ مشبہ بہ میں وجہ شبہ کا حقیقی ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا (اعراف:۵۱) یہاں کفار کا نسیان مشبہ بہ ہے اور اگر ان کا نسیان حقیقی مان لیا جائے تو وہ سارے بے گناہ اور معذور ثابت ہو جائیں گے۔ اسی طرح حدیث شریف میں ہے کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں۔ یہاں ستاروں میں ہدایت نہ حقیقی ہے اور نہ اقوی بلکہ اگر حقیقی مان لی جائے تو اس سے شرک لازم آئے گا۔

سماع موتی کے موضوع پر حضرت علامہ شیخ الحدیث محمد اشرف سیالوی کی کتاب "جلاء الصدور" نہایت مدلل اور جامع کتاب ہے۔

میراث کے مسائل

میت کے ترکہ میں سب سے پہلے کفن دفن کا خرچ نکالا جائے۔ بیوی کا شوہر اگر زندہ ہو تو اس کا کفن شوہر پر واجب ہے۔ اگر کوئی دوسرا شخص فی سبیل اللہ کفن دفن کا خرچ دینا چاہے تو یہ جائز ہے۔ لیکن یہ ضروری سمجھنا کہ داماد اور بیٹی کا کفن بیٹی کے میکے کے ذمے ہے یا نواسے نواسی کا کفن ننہال کے ذمے ہے۔ یہ محض بے اصل چیز ہے اور اسے شرعی حیثیت دینا تو اور بھی قبیح ہے۔

تعزیت کرنے والوں پر چائے پانی اور روٹی کا خرچ اور میت کے ایصال ثواب کے

لیے جو کچھ خرچ ہو وہ یا تو ورثاء اپنی جیب سے خرچ کریں یا اگر میت کے ترکہ میں سے خرچ کرنا ہے تو تمام وارثوں سے اس کی اجازت لی جائے۔

کفن دفن کے بعد میت کے ترکہ میں سے اس کا قرض ادا کیا جائے۔ قرض خواہ اگر چاہیں تو معاف کر سکتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ مومن کی روح قرض کی وجہ سے لٹکی رہتی ہے (مشکوٰۃ صفحہ ۲۵۲)۔

جو مال کفن دفن اور قرض کی ادائیگی سے بچ جائے اس میں سے میت کی وصیت پوری کی جائے۔ کفن دفن اور قرض سے بچے ہوئے مال کے تیسرے حصہ (1/3) تک وصیت کرنا جائز ہے (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۳۲)۔

اولاد کو عاق کرنے کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں۔ وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۳۲، ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۴۰)۔ خلاف شرع کام کی وصیت بھی جائز نہیں۔ بعد والے اس پر عمل نہ کریں۔ وصیت کرنے والے کا عاقل، بالغ ہونا ضروری ہے ورنہ وصیت جاری نہ ہوگی۔ اگر مرنے والے کو معلوم ہو کہ اسکے مرنے کے بعد لوگ خلاف شرع حرکتیں کریں گے تو ان حرکتوں سے باز رہنے کی وصیت کرنا اس پر واجب ہے۔

اب کفن، دفن، قرض اور وصیت بالترتیب ادا کرنے کے بعد میت کی میراث اس کے وارثوں میں اسلامی قانونِ میراث کے مطابق تقسیم کر دی جائے۔ تمام وارثوں کی صحیح صحیح تعداد اور میت سے ان کا رشتہ اپنے علاقے کے کسی جید عالم کو جا کر بتایا جائے اور میراث کی تقسیم کا طریقہ معلوم کیا جائے۔

بیٹیوں کو میراث سے محروم رکھنا (جیسا کہ پنجاب میں رواج ہے) حرام ہے۔ بیٹی کا حصہ سورۃ النسآء میں صاف صاف بیان ہوا ہے۔

فقیر نے میراث کے موضوع پر نظم الفرائض کے نام سے شعروں میں کتاب لکھی ہے۔ اس کے اشعار پنجابی زبان میں ہیں۔ ان کے ذریعے اہم رشتے اور حصے یاد کرنا آسان ہے۔

ریاضی، سائنس اور جغرافیہ کی دینی اہمیت

ریاضی

آدھے سے زیادہ اسلام کو سمجھنے کے لیے علمِ ریاضی کی شدید ضرورت ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ میراث کا علم آدھا علم ہے (ابنِ ماجہ صفحہ ۱۹۵)۔

میراث کے مسائل میں ریاضی کا مکمل عمل دخل ہے۔ اسکے علاوہ زکوٰۃ کی ضروریات اور بیت المال کی آمدنی اور خرچ، شرکت اور مضاربت (بینکاری) وغیرہ شماریات کے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتے۔ قرآن شریف میں گنتی کے تمام اعداد، جمع، تفریق، ضرب، تقسیم، نسبت، تناسب اور حساب کے پیچیدہ ترین مسائل حل کر کے دکھائے گئے ہیں۔ سورۃ النساء میں وارثوں کے یہ حصے بیان ہوئے ہیں۔

۱/۲ ، ۱/۴ ، ۱/۸ ، ۱/۶ ، ۱/۳ اور ۲/۳

مثلاً اولاد کی موجودگی میں بیوی ۱/۸ حصہ لے گی اور اگر اولاد نہ ہو تو ۱/۴ لے گی۔ اولاد ہو تو شوہر ۱/۴ اور نہ ہو تو ۱/۲ لے گا۔ اکیلی لڑکی ۱/۲ لے گی۔ ایک سے زائد لڑکیاں ۲/۳ کو آپس میں بانٹ لیں گی۔ بیٹے کی موجودگی میں ایک بیٹے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہوگا۔

اگر مرنے والے کی ایک بیوی، ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہو تو میراث اس طرح تقسیم ہوگی کہ بیوی ۱/۸ حصہ لے گی۔ باقی ۷/۸ بچے گا۔ اس میں سے لڑکے کا حصہ لڑکی سے دوگنا ہوگا۔ تینوں کے حصے اس طرح ہوں گے۔

ماں	بیٹا	بیٹی
۱/۸	۷/۸ x ۲/۳	۷/۸ x ۱/۳

ذواضعاف اقل ۲۴ ہوگا۔

$$\frac{۳ \ ، \ ۱۴ \ ، \ ۷}{۲۴}$$

کل جائیداد کے ۲۴ حصے کر کے ان میں سے تین ماں کو، ۱۴ بیٹے کو اور سات بیٹی کو

دیے جائیں گے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان کو ان مسائل میں اتنی زبردست مہارت حاصل تھی کہ زبانی ہر سوال کو حل کر لیتے تھے۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے تقریر کے دوران کسی نے اچانک سوال پوچھ لیا کہ اگر ایک بیوی، دو لڑکیاں، ماں اور باپ وارث ہوں تو بیوی کو کتنا حصہ ملے گا۔ اب یہ مسئلہ اچھا خاصا مشکل تھا۔ آپ نے فوراً فرمایا بیوی کو 1/9 ملے گا۔ یہ جواب آپ نے منبر پر بیٹھے بیٹھے دیا تھا۔ اس لیے یہ مسئلہ منبریہ کے نام سے مشہور ہے۔

میراث کے موضوع پر سراجی بڑی مشہور کتاب ہے۔ اس کی ایک شرح حضرت میر سید شریف جرجانی علیہ الرحمہ نے لکھی ہے جس کا نام شریفیہ ہے۔ آج تقریباً ہر عالم کے پاس یہ دونوں کتابیں ضرور موجود ہوتی ہیں۔ شریفیہ کی شرح قطب الاقطاب حضرت پیر سائیں محمد قاسم مشوری قدس سرہٗ نے لکھی ہے جس کا نام معلم الفرائض ہے۔ یہ سندھی زبان میں ہے۔

سائنس

سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے جس تیزی سے اس مسئلے کا حل بتایا اتنا تیز آج کا کمپیوٹر بھی نہیں ہو سکتا۔ کمپیوٹر کو ایک صحیح خادم العلوم کے طور پر استعمال کرنا جائز ہے۔ بلکہ انسان کی جائز سہولیات کے لیے سائنس کو جس قدر ترقی دی جائے درست ہے۔ اسلام میں طے زمانی، طے مکانی اور طے لسانی وغیرہ بطور معجزہ و کرامت صادر ہو چکے ہیں۔ آج برق کی رفتار اگر ۱۸۶۰۰۰ میل فی سیکنڈ ہے تو کیا ہوا؟ ہمارے ہاں صدیوں پہلے براق کی رفتار کو آزمایا جا چکا ہے۔

طبی سائنس کے معاملے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ کا اعلان فرما کر مسلم اطباء کو تحقیق کے بے کنار میدان میں اتار دیا ہے۔

ایک مشورہ یہ ہے کہ طلباء اسلام کے لیے طب کا ایک تخصص بنایا جائے۔ جیسا کہ طب کا نصاب مشہور ہے۔ اور مسلم ڈاکٹروں کے تعاون سے اس میں جدت پیدا کر دی جائے۔

فقیر راقم الحروف نے طب جدید کے موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھ دی ہے جس کا نام

دستور الطبیب ہے۔ یہ کتاب حکماء کو نصاب میں پڑھائی جا رہی ہے۔

جنگی لحاظ سے وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ (انفال: ۶۰) فرما کر ہر قسم کے بمب، راکٹ، میزائل وغیرہ کو تیار کرنے کا حکم دے دیا گیا ہے۔

آئندہ زمانے میں سائنس اس سے بھی بہت آگے جا سکتی ہے اور ایسی ایسی ایجادات کا واضح امکان موجود ہے جس کا قبل از وقت اظہار کر کے ہم اس کتاب کو تماشا نہیں بنانا چاہتے۔

فقیر کے پاس ایک غیر مسلم مفکر کی لکھی ہوئی کتاب The Bible,The Quran and science. موجود ہے۔ مصنف کا نام Maurice Bucaille ہے۔

اس نے قرآنی سائنس کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے۔ سنا ہے کہ اب وہ شخص مسلمان ہو چکا ہے۔

ایک مشورہ یہ ہے کہ تعلیمی اداروں میں براہ راست کمپیوٹر پڑھانے کے علاوہ بعض طلباء کو پہلے ایٹم کا مرکز اور مدار، الیکٹران کا انتقال اور برقی رو کا اجراء سمجھایا جائے۔ پھر بنیادی پرزے (Basic devices) اور مختلف سرکٹ بتائے جائیں۔ پھر موٹر اور جنریٹر پڑھایا جائے۔ یہ پہلا سمسٹر ہوا۔

دوسرے سمسٹر میں ابتدائی ترسیل (primary transmission) اور تیسرے سمسٹر میں ثانوی ترسیل (Secondary transmission) اور چوتھے سمسٹر میں کمپیوٹر پڑھایا جائے۔ اور جدید ترین ٹیکنالوجی پڑھائی جائے اور حکومت خود اس کام میں دلچسپی لے اور سہولیات فراہم کرے۔ غیر مسلموں کی ٹیکنالوجی ہائی جیک کر لینا جائز ہے۔ وہ اس سے پہلے ہمارے بے شمار علوم کو ہائی جیک کر چکے ہیں۔

اس علم کا ایک تخصص (speciality) قائم کر دیا جائے اور ان علماء کو سائنس کے شعبوں میں ملازمتیں دلوائی جائیں۔ موجودہ سائنسدانوں کے دلوں میں دینی حوالے سے تحقیق کا جذبہ اُجاگر ہو اور وہ اس تخصص کے لیے اپنے شاگردوں کو تیار کریں۔ اور تعلیمی اداروں سے پاس ہو کر آنے والے ان (specialists) کی راہنمائی کریں۔ اس تجویز میں ماہرین اپنی صوابدید

کے مطابق ردّ و بدل کر سکتے ہیں۔

جغرافیہ

نمازوں اور افطار کیلئے سورج کے طلوع، غروب اور استواء کو جاننا واجب ہے۔ ناپ کے لحاظ سے اس مسئلے کا تعلق ریاضی سے ہے اور خطوطِ ارضیہ کے لحاظ سے اسکا تعلق جغرافیہ سے ہے۔

قبلہ کی سمت کو جاننا، اس کا تعین کرنا اور اس کے لیے ستاروں کے علم (stronomy) کو ضرورت کی حد تک جاننا واجب ہے۔ اس کے علاوہ جنگی نقطۂ نظر سے پہاڑوں، دریاؤں اور جنگلوں وغیرہ کے محل وقوع کا علم اور ان کا مکمل جائزہ لے کر حملے کے امکانات کے مکمل زاویے معلوم کر کے ان کی جوابی کارروائی کے لیے اقدامات کرنا ضروری ہے۔ اس کے لیے جغرافیہ کے ماہر ترین کمانڈروں کی ضرورت ہے۔

عبرت حاصل کرنے کے لیے سفر کرنا اور اقوامِ گزشتہ کے احوال معلوم کرنا، روحانی ترقی کا زبردست ذریعہ ہے۔ حکم یہ ہے کہ زمین میں سیر کرو اور جھٹلانے والوں کا حشر معلوم کرو (آلِ عمران: ۱۳۷)۔

سیدنا غوثِ اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ نے سیاحت کو تصوف میں بہت بڑی اساس قرار دیا ہے۔ حضرت داتا صاحب علیہ الرحمۃ نے کشف الاسرار میں اسے بہت اہم قرار دیا ہے۔ اور یہ جغرافیہ جانے بغیر مشکل ہے یا پھر اس کے بعد جغرافیہ کا علم حاصل ہو جاتا ہے۔

معاشی نقطۂ نظر سے جغرافیہ بہت اہم ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ یعنی زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو (جمعہ: ۱۰)۔

مختلف علاقوں اور ملکوں میں اشیاء کی طلب اور رسد کو جان کر وہاں پر معاشی تعلق اسی صورت میں مضبوط ہو سکے گا کہ ہمیں اس علاقے کی سمت، جغرافیہ اور فصلوں وغیرہ کا مکمل علم ہو۔

اس کے علاوہ حج کی ادائیگی کے لیے سفر کا اور وہاں پہنچ کر بیت اللہ، منیٰ، مزدلفہ وغیرہ کا جغرافیہ جاننا ضروری ہے۔ خواہ نقشے میں سمجھ لیا جائے یا وہاں جا کر کسی سے پوچھ لیا جائے۔

خطبات

جمعہ کا پہلا خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتَابَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ عِوَجاً
وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ
خَیْرُ الْوَرٰی اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ الدُّنْیَا خُضْرَةٌ وَّحُلْوَةٌ وَاِنِّیْ مُسْتَخْلِفُکُمْ فِیْهَا فَنَاظِرٌ
کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ ۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ۔ سُبْحَانَ
رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ۔ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

جمعہ کا دوسرا خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۔اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِیْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ
وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْهِ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً
عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِکَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا
عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْماً۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ اَفْضَلَ صَلَوَاتِكَ عَدَدَ
مَعْلُوْمَاتِكَ وَعَلٰٓی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ اَجْمَعِیْنَ خُصُوْصاً عَلٰٓی اَفْضَلِ النَّاسِ
بَعْدَ النَّبِیِّیْنَ اَبِیْ بَکْرِ نِالصِّدِّیْقِ وَعُمَرَ الْفَارُوْقِ وَعُثْمَانَ ذِی النُّوْرَیْنِ وَعَلِیِّ
نِالْمُرْتَضٰی وَالْحَسَنَیْنِ وَعَلٰی سَیِّدَةِ النِّسَآءِ فَاطِمَةَ الزَّهْرَآءِ وَعَلٰی عَمَّیْهِ
الْمُکَرَّمَیْنِ الْحَمْزَةَ وَالْعَبَّاسِ وَعَلٰی کُلِّ مَنِ اخْتَارَهُ اللّٰهُ بِصُحْبَةِ نَبِیِّهِمْ
بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلاًّ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ -
عِبَادَ اللّٰهِ رَحِمَکُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُکُمْ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی

وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ تَعَالٰى اَعْلٰى وَاَوْلٰى وَاَجَلُّ وَاَعَزُّ وَاَتَمُّ وَاَعْظَمُ وَاَكْبَرُ۔

جمعہ کا پہلا خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمَا لِمُحَمَّدٍ

اَعْطٰی کَمَالاً کَامِلاً فِی الْاَنْبِیَا لِمُحَمَّدٍ

لَوْلَاكَ قَالَ خِطَابُہٗ اُمُّ الْکِتَابِ کِتَابُہٗ

خَیْرُ الْمَابِ مَابُہٗ سَعْدُ الْعُلٰی لِمُحَمَّدٍ

اَسْرٰی لِعِزَّةِ شَانِہٖ وَحْیٌ بِنُطْقِ لِسَانِہٖ

قَوْسَیْنِ حَدُّ قِرَانِہٖ قُرْبُ الدُّنٰی لِمُحَمَّدٍ۔

وَالشَّمْسِ فِیْ تَوْصِیْفِہٖ وَاللَّیْلُ فِیْ تَعْرِیْفِہٖ

یٰسِیْنُ فِیْ تَشْرِیْفِہٖ نَزَلَ الضُّحٰی لِمُحَمَّدٍ

وَیَدٌ سَخِیٌّ بَازِلٌ قَلْبٌ عَلِیْمٌ شَاغِلٌ

وَحْیٌ بُرِیْدُ نَازِلٌ صَدْرُ الصَّفَا لِمُحَمَّدٍ

یَمُّ الْعِنَایَةِ وَالْکَرَمْ نُوْرُ الْهِدَایَةِ وَالنِّعَمْ

اِذْنُ الشَّفَاعَةِ لِلْاُمَمْ یَوْمَ الْجَزَا لِمُحَمَّدٍ

اَعْلَی الْمَدَارِجِ فِی الْحَمَلْ خَتْمُ النُّبُوَّةِ فِی الرُّسُلْ

وَالْاَمْرُ فِی الْقُرْاٰنِ قُلْ یَا اَیُّهَا لِمُحَمَّدٍ

نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ الْحَشَمْ رَأْسٌ رَفِیْعٌ فِی الْخَدَمْ

لَیْنُ الْحِجَارَةِ فِی الْقَدَمْ فَتْحُ الْقُرٰی لِمُحَمَّدٍ

صِدِّیْقٌ فِیْ تَصْدِیْقِهٖ فَارُوْقٌ فِیْ تَوْفِیْقِهٖ

عُثْمَانُ فِیْ تَرْفِیْقِهٖ حَیْدَرُ فَتیٰ لِمُحَمَّدٖ

سِبْطَاهُ فِیْ غُفْرَانِهٖ عَمَّاهُ فِیْ رِضْوَانِهٖ

وَبَنَاتُهٗ فِیْ جَنَابِهٖ خُلُقُ الصَّفَا لِمُحَمَّدٖ

بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ فِی الْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمِ وَنَفَعَنَا وَاِیَّاكُمْ بِالْاٰیَاتِ وَالذِّكْرِ

الْحَكِیْمِ اِنَّهٗ تَعَالیٰ جَوَادٌ كَرِیْمٌ قَدِیْمٌ مَلِكٌ بَرٌّ رَّءُوْفٌ رَّحِیْمٌ

جمعہ کا دوسرا خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ قَدْ عَمَّنَا نُعَمَائُهٗ

وَتَحِیَّةُ الْمَوْلیٰ عَلیٰ مَنْ صَادِقٌ اَنْبَائُهٗ

وَاُرِیٰ وَاَشْهَدُ اَنَّهٗ فَرْدٌ وَّاَحْمَدَ عَبْدُهٗ

وَرَسُوْلُهٗ صَلّٰی عَلَیْهِ اللّٰهُ جَلَّ ثَنَائُهٗ

وَعَلیٰ اَبِیْ بَكْرٍ وَفَارُوْقَ وَعُثْمَانَ الزَّكِیْ

وَالْمُرْتَضیٰ وَعَلیٰ كِلَا الْحَسَنَیْنِ هُمْ خُلَفَائُهٗ

وَعَلَی الْبَتُوْلِ الْفَاطِمَةِ وَعَلیٰ كِلَا الْعَمَّیْنِ لَهٗ

وَعَلَی الصَّحَابَةِ كُلِّهِمْ رِضْوَانُهٗ وَرِضَائُهٗ

فَاغْفِرْلَنَا یَا رَبَّنَا وَانْصُرْ بِفَضْلِكَ دَائِمًا

وَانْشُرْ عَلَیْنَا رَحْمَتَكَ لَازَالَ اِسْتِعْلَائُهٗ

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ تَعَالیٰ اَعْلیٰ وَاَوْلیٰ وَاَعَزُّ وَاَجَلُّ وَاَتَمُّ وَاَهَمُّ وَاَكْبَرُ

عید الفطر کا پہلا خطبہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَھُوَ الْعَلِیُّ الْاَکْبَرُ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْعَلِیِّ الْمَجِیْدِ۔ اَلْوَلِیِّ الْحَمِیْدِ۔ ذِی اللُّطْفِ وَالْجُوْدِ فِی الْقَدِیْمِ وَالْجَدِیْدِ اَشْھَدُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَھُوَ اَقْرَبُ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَالتَّمْجِیْدُ۔ سُبْحَانَ الَّذِیْ اَعَزَّنَا بِشَھْرِ رَمَضَانَ شَھْرِ الرَّحْمَۃِ وَالْغُفْرَانِ شَھْرٌ فِیْہِ لَیْلَۃُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ مَنْ صَامَ وَقَامَ فِیْ اَیَّامِہٖ وَلَیَالِہٖ اِسْتَحَقَّ الثَّوَابَ الْمَزِیْدَ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ۔اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَالتَّمْجِیْدُ۔ سُبْحَانَہٗ مَا اَعْظَمَ شَانَہٗ وَعَدَ لِلصَّائِمِیْنَ وَالْقَائِمِیْنَ النَّجَاۃَ مِنْ مَّھَالِکِ یَوْمِ الْوَعِیْدِ۔ قَائِلًا وَّلَدَیْنَا مَزِیْدٌ۔ کَیْفَ اَشْکُرُہٗ وَکَیْفَ لَا اَشْکُرُہٗ عَلٰی مَا اَعَادَ عَلَیْنَا عَوَائِدَ الْاِحْسَانِ وَاَظَلَّ عَلَیْنَا یَوْمَ الْعِیْدِ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَالتَّمْجِیْدُ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ الَّذِیْ ھَدَی الْخَلْقَ اِلَی الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِیْمِ۔ وَاَخْرَجَھُمْ مِنْ شَفَا حُفْرَۃِ النَّارِ اِلٰی دَارِ النَّعِیْمِ۔ وَتَکَفَّلَ لِشَفَاعَۃِ الْعُصَاۃِ یَوْمَ الْوَعِیْدِ۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلَّمَ صَلٰوۃً دَائِمَۃً لَا تَنْقَطِعُ وَلَا تَبِیْدُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَالتَّمْجِیْدُ۔ وَبَعْدُ فَیَا اَیُّھَا الْاَکْیَاسُ مِنَ الْجِنَّۃِ وَالنَّاسِ۔ قَدْ اَظَلَّکُمْ یَوْمُ الْعِیْدِ۔ یَوْمُ الْفِطْرِ مِنَ الصِّیَامِ۔ وَالتَّوْبَۃِ مِنَ

الْاَنَــامِ۔ يَـوْمُ السُّـرُوْرِ وَالْـفَـرْحَةِ وَالْاِ نَــابَةِ۔ تَتَنَزَّلُ فِيْـهِ مَلَائِكَةُ الرَّحْمَةِ مِنَ السَّمٰوٰتِ لِمُعَايَنَةِ عِبَادَاتِ الْعَبِيْدِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاجْتَهِدُوْا فِي الْعِبَادَةِ طَلَباً لِلْحُسْنٰى وَالزِّيَادَةِ وَتُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ قَدِيْمٍ وَّجَدِيْدٍ۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالتَّمْجِيْدُ۔ وَاعْلَمُوْا لَيْسَ الْعِيْدُ لِمَنْ نَسِيَ الْعُقْبٰى وَاٰثَرَ الدُّنْيَا وَاشْتَغَلَ بِاَسْبَابِ الْمَسَرَّةِ الْمُضِلَّةِ كَاشْتِغَالِ فِرْعَوْنَ وَالْوَلِيْدِ۔ اِنَّمَا الْعِيْدُ لِمَنْ هَجَرَ مَا نَهٰى عَنْهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ۔ يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ اِنَّ فِي اللّٰهِ عِزَاءً مِنْ كُلِّ مُصِيْبَةٍ وَخَلَفاً مِنْ كُلِّ فَائِتٍ فَبِاللّٰهِ فَثِقُوْا وَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْا وَاسْتَغْفِرُوْهُ وَلَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَتِهٖ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ التَّوَّابُ الْحَمِيْدُ۔ بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ فِي الْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ وَنَفَعَنَا وَاِيَّاكُمْ بِالْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ۔ اِنَّهٗ تَعَالٰى جَوَادٌ كَرِيْمٌ مَلِكٌ بَرٌّ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔

عیدالاضحیٰ کا پہلا خطبہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ بِالسِّرِّ وَالْاِعْلَانِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ الْاِنْسَانَ وَعَلَّمَهُ الْبَيَانَ۔ وَجَعَلَ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَاماً لِّلنَّاسِ وَجَعَلَ الْحَرَمَ اٰمِناً لِّلنَّاسِ مِنْ كُلِّ شَرٍّ وَّطُغْيَانٍ۔ سُبْحَانَ الَّذِيْ جَعَلَ الْحَجَّ مُطَهِّراً عَنِ الذُّنُوْبِ وَدَافِعاً لِّلْكُرُوْبِ وَوَعَدَ لِلْحُجَّاجِ وَالْمُعْتَمِرِيْنَ بِدَارِ الْجِنَانِ۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ بِالسِّرِّ وَالْاِعْلَانِ۔ سُبْحَانَهٗ مَآ اَعْظَمَ شَانَهٗ وَضَعَ لِلنَّاسِ اَوَّلَ بَيْتٍ وَجَعَلَهٗ مُبَارَكاً وَجَعَلَ الْاَفْئِدَةَ تَهْوِيْ اِلَيْهِ فِيْ كُلِّ

زَمَانٍ۔ اَحْمَدُهٗ حَمْداً جَمِيْلاً وَاَشْكُرُهٗ شُكْراً جَلِيْلاً عَلٰىٓ اَنْ اَظَلَّ عَلَيْنَا اَيَّاماً مُتَبَرَّكَةً ذَوِى الرُّتْبَةِ وَالْقَدْرِ۔ اَيَّامُ الْعَشْرِ۔ خِتَامُهَا يَوْمُ النَّحْرِ۔ وَهِىَ الَّتِىْ اَقْسَمَ اللّٰهُ بِهَا فِى الْقُرْاٰنِ۔ كَيْفَ اَحْمَدُهٗ وَكَيْفَ لَآ اَحْمَدُهٗ عَلٰىٓ اَنْ اَعَادَ عَلَيْنَا عَوَآئِدَ الْاِحْسَانِ۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ بِالسِّرِّ وَالْاِعْلَانِ۔ اَشْهَدُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِىْ شَاْنٍ كُلُّ شَىْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهُ الرَّحْمٰنِ فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ سَيِّدُ اَهْلِ الْبَوَادِىْ وَالْعُمْرَانِ۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰىٓ اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ۔ وَعَلٰى سَائِرِ الْاَنْبِيَآءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ لَا سِيَّمَا سَيِّدِنَا اِسْمٰعِيْلَ ذَبِيْحِ اللّٰهِ وَسَيِّدِنَا اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلِ الرَّحْمٰنِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ بِالسِّرِّ وَالْاِعْلَانِ۔ اَمَّا بَعْدُ مَعَاشِرَ الْاِخْوَانِ وَالْخُلَّانِ اُشْكُرُوا اللّٰهَ عَلٰى نَعْمَآئِهِ السَّائِلَةِ وَاٰلَآئِهِ الْكَامِلَةِ فِىْ كُلِّ زَمَانٍ۔ وَاذْكُرُوْهُ صَبَاحاً وَّمَسَآءً فَاِنَّ ذِكْرَهٗ اَمَانٌ اَىُّ اَمَانٍ۔ وَتَحَسَّرُوْا عَلٰى مَا فَاتَ مِنْكُمْ مِنَ الْحُضُوْرِ حَضْرَةَ بَيْتِ الرَّحْمٰنِ۔ طُوْبٰى لِلَّذِيْنَ قَطَعُوا الْقِفَارَ۔ وَرَكِبُوا الطَّيَّارَاتِ عَلَى الْمَطَارِ۔ وَتَرَكُوا الْاَوْلَادَ وَالْاَحْبَابَ۔ وَالْاَحْفَادَ وَالْاَصْحَابَ وَالْاَوْطَانَ شَوْقاً اِلٰى كَعْبَةِ الرَّحْمٰنِ۔ فَطَافُوْا بِهَا طَوَافاً عُتِقُوْا بِهٖ مِنَ النِّيْرَانِ۔ وَحَصَلَتْ لَهُمُ الْمُنٰى۔ بِالْوُصُوْلِ اِلٰى مِنٰى۔ وَنَالُوا الدَّرَجَاتِ۔ بِوُقُوْفِ عَرَفَاتٍ۔ وَبَاهٰى بِهِمْ رَبُّهُمْ فَرَضُوْا عَنْهُ وَرَضِىَ عَنْهُمْ وَاَسْبَلَ عَلَيْهِمْ سِجَالَ الْغُفْرَانِ وَحِيْنَ اَتَمُّوا الْمَنَاسِكَ غُفِرَتْ ذُنُوْبُهُمْ وَسُتِرَتْ عُيُوْبُهُمْ وَحُطَّتْ عَنْهُمْ تَبِعَاتُهُمْ وَرُفِعَتْ دَرَجَاتُهُمْ وَكُتِبَتْ لَهُمُ النَّجَاةُ مِنَ النِّيْرَانِ۔ اَيُّهَا الْمُتَخَلِّفُوْنَ لَا

تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ فَاِنَّهٗ حَلِيْمٌ كَرِيْمٌ رَحِيْمٌ مَنَّانٌ فَتُوْبُوْآ اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ مِنْ كُلِّ عِصْيَانٍ۔ وَبَادِرُوْا فِیْ اَدَآءِ مَا فَرَضَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فِیْ هٰذَا الْيَوْمِ مِنْ اَدَآءِ رَكْعَتَيْنِ مَعَ سِتِّ تَكْبِيْرَاتٍ زَوَائِدَ ثُمَّ تَضْحِيَةِ الْحَيَوَانِ وَهٰذِهٖ سُنَّةُ خَلِيْلِ الرَّحْمٰنِ۔ عَلٰى مَا تَلٰى عَلَيْنَا رَبُّنَا قِصَّتَهٗ فِی الْقُرْاٰنِ۔ فَاِنَّ اِبْنَهٗ لَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ يٰبُنَیَّ اِنِّیْ اَرٰی اَنِّیْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی قَالَ يٰا اَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنْ اَهْلِ الصَّبْرِ وَالْاِذْعَانِ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ۔ تَزَلْزَلَتْ سُكَّانُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرَضِيْنَ۔ وَضَجَّتِ الْمَلٰٓئِكَةُ بِالدُّعَاءِ حَضْرَةَ الرَّحْمٰنِ فَنَادٰی خَلِيْلَهٗ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَاءَ وَفَدٰی اِبْنَهٗ بِكَبْشٍ عَظِيْمٍ ذِیْ رُتْبَةٍ عُلْيَا۔ فَصَارَ ذٰلِكَ سُنَّةً مِنْ عَهْدِهٖ اِلٰی قِيَامِ يَوْمِ الْاِحْسَانِ۔ وَقَدْ وَرَدَ فِی الْخَبَرِ عَنْ سَيِّدِ بَنِیْ عَدْنَانَ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ كُلَّهَا بِاَوَّلِ قَطْرَةٍ تَقْطُرُ مِنْ دَمِ الْحَيَوَانِ فَسَمِّنُوْا ضَحَايَاكُمْ فَاِنَّهَا عَلَی الصِّرَاطِ مَطَايَاكُمْ وَمُوْصِلَةٌ اِلٰی دَارِ الْجِنَانِ۔ وَعَلَيْكُمْ بِتَقْوَی اللّٰهِ فِی السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ فَاِنَّهَا اَرْبَحُ بِضَاعَةٍ وَهِیَ الْمُنْجِيَةُ مِنْ كُلِّ نُقْصَانٍ وَّخُسْرَانٍ وَادْعُوا اللّٰهَ بِخُلُوْصِ الْجَنَانِ قَآئِلِيْنَ اَللّٰهُمَّ يَا مَنَّانُ يَا رَحْمٰنُ۔ يَاحَنَّانُ۔ يَا دَيَّانُ۔ اِرْحَمْنَا وَعَافِنَا وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْلَنَا وَنَجِّنَا مِنْ عَذَابِ النِّيْرَانِ۔ بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ فِی الْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ۔ وَنَفَعَنَا وَاِيَّاكُمْ بِالْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ۔ اِنَّهٗ تَعَالٰی جَوَادٌ كَرِيْمٌ مَلِكٌ بَرٌّ رَّءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔

عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کا دوسرا خطبہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ اَللّٰهُ

اَکْبَرُ۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَھُوَ الْعَلِیُّ الْاَکْبَرُ۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ الْخَلْقَ وَدَبَّرَ۔ وَاَحْکَمَ نَظْمَ الْعَالَمِ وَقَدَّرَ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ
سُبْحَانَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاِنْسَانَ وَعَلَّمَہُ الْبَیَانَ وَبِاَحْسَنِ الصُّوَرِ صَوَّرَ۔ وَجَعَلَہٗ
اَشْرَفَ الْمَخْلُوْقَاتِ فِی الدُّنْیَا وَالْمَحْشَرِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَشْھَدُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ
وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ شَھَادَۃً تُنَجِّیْنَا مِنْ حَسَرَاتِ یَوْمِ الْاَرْضِ الْاَکْبَرُ۔ اَللّٰہُ
اَکْبَرُ۔ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَاحِبُ الْفَضْلِ
الْاَبْھَرِ وَالْعِزِّ الْاَنْوَرِ۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَعَلٰی سَائِرِ الْاَنْبِیَآءِ
وَالْمُرْسَلِیْنَ۔ وَمَلَائِکَۃِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِیْنَ صَلٰوۃً دَائِمَۃً بِدَوَامِ الشَّمْسِ
وَالْقَمَرِ۔ اَمَّا بَعْدُ فَیَآ اَیُّھَا الْحَاضِرُوْنَ مِنَ الْجِنِّ وَالْبَشَرِ۔ اُشْکُرُوْا اللّٰہَ عَلٰی
نِعَمِہٖ الْفَائِضَۃِ وَمِنَنِہٖ السَّابِغَۃِ حَیْثُ اَعَادَ عَلَیْکُمْ عَوَائِدَ اللُّطْفِ وَالْمِنَّۃِ وَاَظَلَّ
عَلَیْکُمْ ھٰذَا الْیَوْمَ الْاَزْھَرَ۔ یَوْمٌ تُغْفَرُ فِیْہِ الذُّنُوْبُ۔ وَتُکْشَفُ فِیْہِ الْکُرُوْبُ
وَتُقْبَلُ فِیْہِ الْعِبَادَاتُ۔ وَتُحَطُّ فِیْہِ السَّیِّئَاتُ۔ فَیَا لَہٗ مِنْ فَضْلٍ اَنْوَرَ۔ فَاَکْثِرُوْا فِیْہِ
مِنَ الطَّاعَۃِ وَالْاِنَابَۃِ وَاجْتَھِدُوْا فِیْہِ فِی الْعِبَادَۃِ وَالْاِصَابَۃِ۔ لِتَفُوْزُوْا بِالْعِزِّ
وَالْقَدْرِ۔ وَاَکْثِرُوْا فِیْہِ الصَّلٰوۃَ وَالسَّلَامَ عَلٰی سَیِّدِ الْبَشَرِ وَاٰلِہٖ الْاَطْھَرِ۔ فَاِنَّ
صَلَاتَکُمْ مَعْرُوْضَۃٌ عَلَیْہِ وَمَقْبُوْلَۃٌ لَّدَیْہِ وَشَافِعَۃٌ فِی الْمَحْشَرِ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ
وَسَلِّمْ وَبَارِکْ وَاَنْعِمْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی جَمِیْعِ الْمَلَائِکَۃِ
وَالْاَنْبِیَاءِ ذَوِی الْمَقَامِ الْاَشْھَرِ وَعَلٰٓی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّصَحْبِہٖ وَمَنْ تَبِعَھُمْ
وَانْقَادَ الشَّرْعَ الْاَطْھَرَ۔ لَاسِیَّماً عَلٰی رَفِیْقِ النَّبِیِّ الْمُخْتَارِ فِی الْغَارِ وَصَاحِبِہٖ
فِی الْاَسْفَارِ سَیِّدِنَا اَبِیْ بَکْرٍ عَبْدِاللّٰہِ الصِّدِّیْقِ الْاَکْبَرِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَاَرْضَاہُ

فِی الْمَحْشَرِ وَعَلٰی قَامِعِ اَسَاسِ الْکُفْرِ وَالْاِلْحَادِ۔ قَالِعِ بُنْیَانِ الشِّرْکِ وَالْفَسَادِ سَیِّدِنَا عُمَرَ فَازَ بِالْحَظِّ الْاَوْفَرِ۔ وَعَلٰی جَامِعِ الْقُرْاٰنِ رَفِیْعِ الْمَکَانِ صَاحِبِ الْحَیَاءِ الَّذِیْ هُوَ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ سَیِّدِنَا عُثْمَانَ ابْنِ عَفَّانَ ذِی النُّوْرِ الْاَنْوَرِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَخَذَلَ اَعْدَآءَهٗ فِی الْمَحْضَرِ۔ وَعَلٰی بَابِ مَدِیْنَةِ الْعِلْمِ النَّبَوِیِّ ذِی الْفَضْلِ الْجَلِیِّ وَالْخَفِیِّ سَیِّدِنَا عَلِیِّنِ الْحَیْدَرِ کَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ وَطَهَّرَ وَعَلَی السِّبْطَیْنِ النَّیِّرَیْنِ السَّعِیْدَیْنِ الشَّهِیْدَیْنِ۔ سَیِّدِنَا الْحَسَنِ وَسَیِّدِنَا الْحُسَیْنِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا الْعَلِیُّ الْاَکْبَرُ۔ وَعَلٰی اُمِّهِمَا السَّیِّدَةِ فَاطِمَةَ الزَّهْرَآءِ فِی الدُّنْیَا وَالْمَحْشَرِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا وَاَسْکَنَهَا فِی الْبَیْتِ الْاَنْوَرِ وَعَلٰی سَآئِرِ اَزْوَاجِ النَّبِیِّ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ وَبَنَاتِهٖ وَاَبْنَآئِهِ الطَّاهِرِیْنَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَخَصَّهُمْ بِمَزِیْدِ اللُّطْفِ وَالْقَدْرِ وَعَلٰی عَمَّیْهِ الْمُعَظَّمَیْنِ عِنْدَ الْجِنِّ وَالْبَشَرِ سَیِّدِنَا حَمْزَةَ وَسَیِّدِنَا الْعَبَّاسِ الْمُطَهَّرَیْنِ مِنَ الدَّنَسِ وَالْاَرْجَاسِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا الْوَلِیُّ الْاَکْبَرُ۔ وَعَلٰی سَآئِرِ الْمُهَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَاَصْحَابِهِ الْاَخْیَارِ۔ وَعَلٰی مَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الْعَرْضِ الْاَکْبَرِ۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ الْاَحْیَاءِ مِنْهُمْ وَالْاَمْوَاتِ الْاَکْبَرِ مِنْهُمْ وَالْاَصْغَرِ اَللّٰهُمَّ انْصُرْ مَنْ نَصَرَ دِیْنَ الْاِسْلَامِ الْاَنْوَرِ۔ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَ الدِّیْنَ الْمُنَوَّرَ۔ اُذْکُرُوا اللّٰهَ یَذْکُرْکُمْ وَادْعُوْهُ یَسْتَجِبْ لَکُمْ وَلَذِکْرُ اللّٰهِ تَعَالٰی اَوْلٰی وَاَعْلٰی وَاَعَزُّ وَاَجَلُّ وَاَتَمُّ وَاَهَمُّ وَاَقْوٰی وَاَکْبَرُ۔

(شعری خطبہ اور عیدین کے خطبے خطبات غفاریہ سے لیے گئے ہیں۔ انہیں رئیس الاتقیاء حضرت پیر سائیں عبدالغفار صاحب نقشبندی قدس سرہ رحمت پور شریف لاڑکانہ والوں نے تحریر فرمایا ہے)

خطبہ نکاح

خطبے سے پہلے لڑکے اور لڑکی کو کم از کم پہلا کلمہ طیبہ پڑھا لیا جائے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ يَااَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْراً وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْباً يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلاً سَدِيْداً يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزاً عَظِيْماً وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اَلتَّزَوُّجُ النِّسَآءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِىْ فَلَيْسَ مِنِّىْ۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهِ الْكَرِيْمِ سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

خطبے کے بعد ایجاب وقبول کرائیں اور اسکے بعد میاں بیوی کے لیے دعا کریں۔

تقریر کرنے کا طریقہ

سب سے پہلے خطبہ پڑھیں (وہی نکاح والا خطبہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ تک)

اس کے بعد اپنے موضوع کے مطابق آیت مبارکہ پڑھیں۔ آیت کے بعد صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ

الْعَظِیْم پڑھیں پھر تین مرتبہ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ پوری آیت پڑھیں۔ پھر اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ پوری آیت پڑھ کر درود شریف پڑھیں اور نہایت اطمینان سے تقریر شروع کریں۔

معزز بزرگو! بھائیو! عزیزو! یا بھائیو اور بہنو! یا حسب موقع۔ اپنی قدرتی رفتار سے کم رفتار میں بولیں۔ صاف صاف الفاظ ادا کریں۔ تقریر میں جلدی نہ کریں۔ کچی اور غلط بات زبان پر نہ لائیں۔ آخر میں وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہہ دیں۔

رحم کی اپیل

واعظ کے لیے عالم ہونا شرط ہے۔ علم کے بغیر وعظ کرنا حرام ہے۔ آج کل بے شمار لوگ حصول علم کے بغیر دین کی تبلیغ کرنے نکل پڑے ہیں جسکے بے شمار منفی اثرات اور نقصانات دیکھنے میں آ رہے ہیں۔ ان پڑھ لوگ علماء کی مخالفت کر رہے ہیں اور محض کسی سنت زائدہ کے ترک پر علماء کو بے عمل کہنے لگے ہیں۔ حبیب کریم ﷺ نے فرمایا ثَلٰثَۃٌ لَا یَسْتَخِفُّ بِھِمْ اِلَّا مُنَافِقٌ ذُوالشَّیْبَۃِ فِی الْاِسْلَامِ وَ ذُوالْعِلْمِ وَاِمَامٌ مُقْسِطٌ یعنی تین آدمیوں کی بے حرمتی صرف منافق ہی کرتا ہے۔ بوڑھا مسلمان، عالم دین اور عادل حکمران (مجمع الزوائد جلد ا صفحہ ۱۲۷)۔ یہ لوگ عوام میں تشدد پھیلا رہے ہیں اور ہر کسی کو اپنے ہی مشائخ اور اساتذہ کا پابند دیکھنا چاہتے ہیں۔ اگر یہ نیم حکیم اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں تو مریض خود بخود شفا پا جائے گا۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان جاہل مبلغین کو مساجد سے نکال دیا کرتے تھے۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ جب بصرہ میں تشریف لائے تو آپ نے بصرہ کے تمام خطیبوں کا امتحان لیا اور نتیجے میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے سوا تمام مبلغین کو تبلیغ سے روک دیا۔ اور ان کے منبر توڑ کر پھینک دینے کا حکم دیا (تذکرۃ الاولیا صفحہ ۱۳)۔

لہٰذا اس نازک کام کو ہاتھ ڈالنے سے پہلے اپنے گریبان میں جھانک لینا ضروری ہے۔

باب چہارم

زکوٰۃ کی اہمیت

اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے۔

۱۔ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ یعنی نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو(البقرہ:۱۱۰)۔

۲۔ وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ یعنی ان کے مالوں میں سائل اور محروم کا بھی حق ہے(الزاریات:۱۹)۔

۳۔ حدیث شریف میں ہے۔ مَنْ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالاً فَلَمْ يُؤَدِّ زَكٰوتَهٗ مُثِّلَ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعاً اَقْرَعَ لَهٗ زَبِيْبَتَانِ يُطَوَّقُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ يَاخُذُ بِلِهْزِمَتَيْهِ يَعْنِىْ شِدْقَيْهِ ثُمَّ يَقُوْلُ اَنَا كَنْزُكَ ثُمَّ تَلَا وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْراً لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ یعنی جسے اللہ نے مال دیا ہو اور وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرتا ہو، قیامت کے دن اس کا مال ایک خوفناک اژدھا کی شکل میں اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔ وہ اس کی باچھوں سے پکڑ کر اسے کہے گا میں تمہارا مال اور دولت ہوں۔ پھر نبی کریم ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ ”جو لوگ اللہ کے دیے ہوئے مال میں بخل کرتے ہیں وہ اسے اپنے لیے اچھا نہ سمجھیں بلکہ یہ ان کے حق میں برا ہے۔ جس میں یہ بخل کرتے ہیں قیامت کے دن ان کے گلے میں ڈالا جائے گا(بخاری جلد ا صفحہ ۱۸۸)۔

زکوٰۃ کی ادائیگی میں باہمی ہمدردی اور اخوت کا اظہار ہے۔ اور یہ امیر اور غریب میں فاصلہ کم کر کے معاشی توازن قائم کرنے کا معقول ذریعہ ہے۔

زکوٰۃ کے مسائل

7½ تولے سونا یا 52½ تولے چاندی یا اِن میں سے کسی ایک کی قیمت کا سامان تجارت یا نقد رقم جس کے پاس موجود ہو اور وہ قرض سے فالتو ہو اور اس پر ایک سال گزر جائے تو زکوٰۃ فرض ہوتی ہے۔

گھریلو استعمال کے برتن، کپڑے، رہائشی مکان، کرائے پر دیا ہوا مکان، فیکٹری یا گھریلو مشین، فریج، ٹی وی، کار، سائیکل وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

گھر میں بندھے ہوئے قیمتی چارہ کھانے والے جانوروں پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ صرف ان جانوروں پر زکوٰۃ ہے جو باہر چرتے ہوں۔ کم از کم پانچ اونٹوں، تیس بھینس، تیس گائے اور چالیس بکریوں پر زکوٰۃ لاگو ہوتی ہے۔

اگر سونا اور چاندی دونوں موجود ہوں تو آج کے دور میں سونے کی قیمت کو چاندی کی قیمت میں تبدیل کیا جائے گا اور چاندی کو زکوٰۃ کے لیے بنیاد بنایا جائے گا۔ مثلاً دو تولے سونا اور تیس تولے چاندی ہو تو ہم معلوم کریں گے کہ دو تولے سونا کتنی چاندی کے برابر ہے۔ سونے کی چاندی بنا کر پھر تیس تولے چاندی اس میں جمع کریں گے، پھر دیکھیں گے کہ کیا یہ ½52 تولے چاندی بنتی ہے یا نہیں۔ اگر بن جائے تو زکوٰۃ دینا پڑے گی ورنہ نہیں۔

زمین کی فصل پر عُشر دینا پڑتا ہے۔ اگر زمین قدرتی پانی اور بارش سے سیراب ہوتی ہو تو عشر یعنی دسواں حصہ اور اگر پانی قیمتاً دیا جاتا ہے تو نصف عُشر یعنی بیسواں حصہ دینا پڑتا ہے۔

فصل خواہ تھوڑی ہو یا زیادہ بہرحال عُشر یا نصف عُشر دینا پڑے گا اور وہ کل پیداوار پر لاگو ہو گا یعنی اس میں سے کھیت کا خرچ، بیج کا خرچ، مزدوری وغیرہ نہیں نکالی جائے گی۔

زکوٰۃ کی رقم مسجد کی تعمیر پر نہیں لگائی جا سکتی۔ زکوٰۃ دینے کے لیے ضروری ہے کہ جسے زکوٰۃ دی جائے اسے زکوٰۃ کی رقم یا چیز کا مالک بنا دیا جائے۔ ماں، باپ، اولاد، میاں اور بیوی کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی۔ بھائی، بہنیں اور داماد اگر غریب ہوں تو انہیں زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔

صدقۂ فطر

گھر کے تمام بالغ اور نابالغ افراد حتیٰ کہ عید کے دن صبح صادق سے پہلے پیدا ہونے والے بچے کی طرف سے بھی اسکے والدین پر صدقۂ فطر واجب ہے۔ فطرانہ کی مقدار دو سیر تین چھٹانک چھ ماشے گندم ہے۔ جو تقریباً دو کلوگرام بنتی ہے۔ فطرانہ نمازِ عید سے پہلے پہلے دے دینا چاہیے۔

فطرانہ اس شخص پر واجب ہے جو صاحب نصاب ہو یعنی زکوٰۃ دینے کی اہلیت رکھتا ہو۔ فرق صرف یہ ہے کہ زکوٰۃ اس وقت فرض ہوتی ہے جب مال ایک سال تک جمع رہے۔ مگر فطرانے پر سال گزرنا ضروری نہیں۔ اگر آپ عید کے دن صبح مالدار ہوئے ہیں تو فطرانہ واجب ہو جائے گا۔

صدقات کی اقسام

صدقہ چار قسم کا ہوتا ہے۔

۱۔ فرض جیسے زکوٰۃ۔ مالدار پر زکوٰۃ فرض ہے۔ یہ صرف غریب اور حقدار آدمی لے سکتا ہے۔

۲۔ واجب جیسے صدقۂ فطر اور منت۔ یہ بھی صرف غریب اور مستحق ہی لے سکتا ہے۔

۳۔ نفلی صدقہ، یہ صدقہ عام طور پر لوگ مشکل کے وقت اور بلا کو ٹالنے کے لیے دیا کرتے ہیں۔ یہ بھی صرف غریبوں کا حق ہے۔

۴۔ خیرات، یہ دوسرے صدقات سے جُدا چیز ہے۔ جیسے محافل ختم قرآن میں، تراویح میں ختم قرآن کے بعد، محفلِ میلاد اور گیارہویں شریف میں خیرات بانٹنا۔ اسے امیر غریب سب کھا سکتے ہیں۔ حتیٰ کہ خود خیرات دینے والا بھی کھا سکتا ہے۔ عقیقہ اور قربانی کا گوشت بھی امیر غریب سب کھا سکتے ہیں اور دینے والا خود بھی کھا سکتا ہے۔

اسلام کا معاشی ضابطہ

انفرادی سطح پر

ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ دولت کمانے سے پہلے تین اُصولوں کو مدِ نظر رکھے۔

۱۔ انسان کی پیدائش کا مقصد دولت کمانا نہیں اور نہ ہی انسان ایک معاشی کیڑا ہے بلکہ اس کی تخلیق کا مقصد اللہ کی عبادت و معرفت ہے۔ اور وہ ملکِ آخرت کا مسافر ہے۔ جو لوگ اس اصول کو مدِ نظر نہیں رکھتے وہ کھرب پتی ہونے کے باوجود بھی لالچی اور دل کے غریب ہی رہتے ہیں۔ اور اُن کی آنکھ سے بھوک کبھی نہیں مرتی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا انسان دولت سے امیر نہیں ہوتا بلکہ

امیر وہ ہے جس کا دل امیر ہے (بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۵۴)۔

نیز فرمایا کہ امیر لوگ قیامت کے دن غریب ہوں گے (بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۵۳)۔

۲۔ جو بھی رزق کمایا جائے حلال طریقے سے کمایا جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

یَآاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْآ اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ یعنی اے ایمان والو ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے مت کھاؤ (النساء: ۲۹)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس کا کھانا پینا لباس اور غذا حرام ہے وہ لمبا سفر کر کے آئے اور بکھرے ہوئے گرد و غبار والے بال ہوں۔ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر یا رب یا رب کہہ کر دعا کرتا ہے اس شخص کی دعا قبول نہیں ہوگی (مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۲۴۱، المستند صفحہ ۲۱۲)۔

۳۔ انسان کو چاہیے کہ اس مال و دولت کا اصلی مالک اللہ کریم جل شانہٗ کو سمجھے اور اپنے پاس اسے اللہ کی امانت سمجھے۔

اَللّٰهُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ یعنی اے اللہ تو ہی مالک الملک ہے (آل عمران: ۲۶)۔

دولت کی پیدائش اور تقسیم

دولت کی پیدائش کے وہی چند ذرائع ہیں جو ہر معاشی نظریے میں تسلیم شدہ ہیں۔ یعنی حیوانات، نباتات، جمادات، معدنیات، مصنوعات اور محنت۔

اصل مسئلہ دولت کی تقسیم اور گردش کا ہے۔ اسلام نے دولت کے ارتکاز اور چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جانے کا مکمل سدِ باب کیا ہے۔ تقسیمِ دولت کے اسلامی اصولوں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ زکوٰۃ:۔ زکوٰۃ امیروں سے حاصل کی جائے اور غرباء میں تقسیم کر دی جائے۔ حدیث شریف میں ہے کہ امیروں سے لو اور غریبوں کو دے دو (بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۹۶)۔

قرآن شریف میں اس کی حکمت یوں بیان ہوئی ہے۔

کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَةً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ یعنی تاکہ دولت صرف امیروں کے ہاتھوں میں گردش نہ کرتی رہے (حشر: ۷)۔

۲۔سود کی ممانعت:۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

یَمۡحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرۡبِي الصَّدَقٰتِ یعنی اللہ سُود کو برباد کرتا ہے اور صدقات کو قوت دیتا ہے (بقرہ:۲۷۶)۔

جو شخص پہلے ہی قرض لینے پر مجبور ہے اسے سُود کے بوجھ تلے دبانا ظلم ہے۔لہٰذا اسلام نے سود کو قطعی طور پر حرام قرار دے دیا ہے۔

۳۔ اجارہ داری کی ممانعت:۔ اجارہ داروں کا طریقہ واردات جھوٹی اشتہار بازی (Advertisement) ہے۔

اللہ کریم کا ارشاد ہے۔

لَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡيَآءَهُمۡ یعنی لوگوں کو انکی چیزیں گھٹا کر مت دو (ھود:۸۵)۔

ناپ اور تول میں کمی یا گھٹیا چیز کو اعلیٰ بتا کر بیچنا سب اس کے عموم میں شامل ہیں۔اجارہ داروں کا دوسرا حربہ ارزانی کے وقت ذخیرہ اندوزی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا اَلۡجَالِبُ مَرۡزُوۡقٌ وَالۡمُحۡتَكِرُ مَلۡعُوۡنٌ یعنی مال کھولنے والے کو رزق ملتا ہے اور ذخیرہ کرنے والے پر لعنت ہے (ابنِ ماجہ صفحہ ۱۵۶، المستد صفحہ ۲۱۵)۔

اجارہ داروں کا تیسرا اور آخری حربہ یہ ہوتا ہے کہ اپنی اجارہ داری کو قائم رکھنے کے لیے مال کو ضائع تک کر دیتے ہیں۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الۡاَرۡضِ لِيُفۡسِدَ فِيۡهَا وَيُهۡلِكَ الۡحَرۡثَ وَالنَّسۡلَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الۡفَسَادَ یعنی فسادی آدمی اس کوشش میں رہتا ہے کہ زمین میں فساد پھیلائے اور فصل اور جانوروں کو تلف کرے۔حالانکہ اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا (البقرہ:۲۰۵)۔

۴۔سٹہ کی ممانعت:۔غائب مال کی سوداگری کو سٹہ کہتے ہیں۔کھڑی فصل کا پکنے سے پہلے سودا یا منڈی میں پہنچنے سے پہلے پہلے مال راستے میں ہی جا کر خرید لینا اور پھر منڈی میں لا کر مہنگا بیچنا۔

ان طریقوں سے مال کئی ہاتھوں میں سے گزرنے کی وجہ سے مہنگا ہو جاتا ہے۔ اسلام میں اس طریقہ کو منع کر دیا گیا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا لَا یَحِلُّ بَیْعَ مَا لَیْسَ عِنْدَکَ یعنی جو چیز تیرے ہاتھ میں نہیں اس کی کوئی خرید و فروخت نہیں (ابن ماجہ صفحہ ۱۵۸)۔

لہٰذا محض بینک بیلنس کے بل بوتے پر اور صرف ٹیلیفون کے ذریعے گھر بیٹھے بٹھائے کاروبار کر لینا ممنوع ہے۔

۵۔ فضول خرچی کی ممانعت: ۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا یعنی کھاؤ اور پیو اور فضول خرچی مت کرو (اعراف: ۳۱)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا اَلْاِقْتِصَادُ فِی النَّفَقَةِ نِصْفُ الْمَعِیْشَةِ یعنی خرچ میں میانہ روی آدھی معاشیات ہے (مشکوٰۃ صفحہ ۴۳۰، المستند صفحہ ۲۱۲)۔

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے معاشی حکمتِ عملی کی وہ خیرات بانٹی ہے کہ دنیا کے تمام معاشی مریضوں کے درد کا درماں کر چھوڑا ہے۔ اگر مغرب کے تمام معاشی کیڑے اپنے آباء و اجداد کی تفکرات کا مغز نکال لائیں تو اس چادر اوڑھنے والے کے اس سادہ سے جملے کی نظیر نہ لا سکیں گے۔

اس کے علاوہ اسلام کا قانونِ وراثت، صدقات، اُجرت، منافع، ماعون (استعمال کے لیے کوئی چیز ادھار دینا)، میزبانی، وصیّت (مرنے والا اپنی میراث میں سے 1/3 حصہ تک کے بارے میں وصیّت کر سکتا ہے۔) نذر، کفارہ، مزارعت، مضاربت (کسی کی رقم سے کاروبار کرنا اور منافع آپس میں تقسیم کر لینا۔ اسلامی ضابطے کے مطابق بینک کا نظام زیادہ تر مضاربت ہی سے چلتا ہے۔)، لگان اور کرایہ تقسیم دولت کے ذرائع ہیں۔

سرکاری سطح پر

اسلامی حکومت کے ذرائع آمدنی مندرجہ ذیل ہیں۔ زکوٰۃ، عشر، لگان، خراج، جزیہ، خمس (مالِ غنیمت یا دفینہ۔ کسی آدمی کی زمین میں سے اگر کوئی کان یا تیل وغیرہ نکلے تو اس کا پانچواں

حصہ حکومت لے گی۔) ، عشور (بیرونی ممالک سے آنے والے مال پر کسٹم ڈیوٹی) ، ضرائب (ہنگامی ٹیکس) ، بیت المال کی زمین کی آمدنی، محصول چونگی، ضبط شدہ مال (مثلاً مرتد کا مال، لاوارث کا مال، ناجائز کمائی کا مال۔) ، ذرائع مواصلات کی آمدنی، بجلی کی آمدنی، سیاحت وزیارت کی آمدنی، صنعت کی آمدنی، تجارت کی آمدنی، صدقات کی آمدنی اور اوقاف کی آمدنی۔

اسلامی حکومت کے مال میں سے زکوٰۃ ان چیزوں پر خرچ ہوتی ہے۔ فقراء، مساکین، عملے کی تنخواہیں، مؤلفۃ القلوب (اسلام کی تبلیغ) ، غلاموں کی آزادی، مقروض، مسافر اور جہاد۔ زکوٰۃ کے یہ آٹھ مصارف قرآن شریف کی سورۃ توبہ آیت نمبر ۶۰ میں بیان ہوئے ہیں۔

اگر عوام کی بنیادی ضروریات زکوٰۃ میں سے پوری نہ ہوتی ہوں تو بیت المال کے باقی فنڈ میں سے ان ضروریات کو ترجیحی بنیادوں پر پورا کیا جاتا ہے۔ ملک میں ایک شخص بھی بنیادی ضرورت سے محروم نہیں رہتا حتیٰ کہ ایک غیر مسلم بھی روٹی، کپڑا اور رہائش کی بنیادی ضرورت حاصل کرلیتا ہے۔ یہ سب اخراجات بیت المال کے ذمے ہوتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ رہنے کیلئے گھر، پہننے کیلئے کپڑے، کھانے کیلئے روٹی اور پانی انسان کے بنیادی حقوق ہیں (ترمذی، مشکوٰۃ صفحہ ۴۴۲)۔

حضرت عمر فاروق ﷛ نے فرمایا کہ اگر دریائے فرات کے کنارے ایک اونٹ بھی بھوکا مرگیا تو مجھے ڈر ہے کہ خدا مجھے اسکے بارے پوچھ گچھ کرے گا (طبقات ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۳۰۵)۔

بیت المال کی جو آمدنی بنیادی ضروریات سے بچ جائے اسے رفاع عامہ، سڑکوں، پلوں کی تعمیر، بجلی، پانی اور سوئی گیس کی فراہمی پر خرچ کیا جاسکتا ہے۔ ملکی اور عوامی اصلاح وترقی کے لیے ہر وہ کام جائز ہے جس سے شریعت نے منع نہ کیا ہو۔

سرکاری آمدنی و اخراجات کی اس تفصیل کو مغربی اصطلاح میں مالیاتِ عامہ (Public Finance) کہتے ہیں۔

مالیاتی پالیسی (Fiscal Policy)

۱۔ طلب اور رسد کے توازن سے قیمت مقرر کرنے میں یہ خامی ہے کہ اگر طلب زیادہ ہوتو

مہنگائی بڑھ جاتی ہے اور اگر رسد زیادہ ہو تو ذخیرہ اندوزی شروع ہو جاتی ہے۔

اس کے برعکس اسلام قیمتوں کا تعین لاگت پر مناسب منافع لگا کر کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص کثیر منافع خوری سے باز نہ آئے تو دوسرے تاجر اسے اپنے ریٹ کے ذریعے کم منافع لینے پر مجبور کر دیں گے۔ اور اگر تمام تاجر کثیر منافع خوری پر متفق ہو جائیں اور اجارہ داری قائم ہونے لگے تو حکومت اخلاقی طریقہ سے بڑھ کر ڈنڈا بھی استعمال کر سکتی ہے۔ البتہ اگر مہنگائی مصنوعی اسباب کی بجائے قدرتی وجوہات سے پیدا ہو جائے مثلاً قحط پڑ جائے یا پیدائش پر خرچ زیادہ آ رہا ہو تو ایسی صورت میں تاجروں پر پابندی لگانا اور ریٹ مقرر کرنا ظلم ہے۔

ایک مرتبہ قحط پڑا تو نبی کریم ﷺ سے لوگوں نے عرض کیا کہ چیزوں کے ریٹ مقرر فرما دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ ایسے کام کے بارے میں مجھ سے پوچھے گا جس کا اس نے مجھے حکم نہیں دیا اور میں اسے اپنی طرف سے رائج کر دوں۔ تم لوگ اللہ سے قحط ختم کرنے کی دعا مانگو (کنز العمال حدیث نمبر ۱۳۶۴۳)۔

۲۔ اسلامی ضابطے میں زکوٰۃ اور ٹیکس دونوں بلا واسطہ (Directly) وصول کیے جاتے ہیں تا کہ اس کا اثر قیمتوں پر نہ پڑے۔ اسلامی نظام میں معیاری قیمت اور بازاری قیمت میں بہت کم فرق ہوتا ہے۔

۳۔ حدیث شریف میں ہے کہ گھر، کپڑا، روٹی اور پانی انسان کی بنیادی ضروریات ہیں (مشکوٰۃ صفحہ ۴۴۲)۔

ان بنیادی ضروریات کے ہر کسی کو مل جانے کے بعد ملک کا ہر فرد معاشی دوڑ میں مکمل حصہ لے سکتا ہے۔ جائز اور حلال طریقے سے جتنا چاہے کما لے۔

بنیادی ضروریات کی فراہمی اور غریب پروری کے ان اقدامات کے بعد بے روزگاری کی شکایت بھی باقی نہیں رہتی۔ روزگار ملتا ہے تو کما لے اگر نہیں ملتا تو گھر بیٹھا روٹی کھاتا رہے۔ بنیادی ضرورت تو حکومت کے ذمے ہے ہی۔

ملازم اور مزدور کے مسائل (Labour Policy)

محنت کشوں کے سلسلے میں اسلام کی بنیادی ہدایات کی تفصیل اس طرح ہے۔

۱۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا

تمہارے ماتحت تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ نے انہیں تمہارے ماتحت کیا ہے۔ جس کے ماتحت اس کا بھائی ہو اسے چاہیے کہ جو کچھ خود کھائے اسی میں سے اسے بھی کھلائے۔ جو کچھ خود پہنے اسی میں سے اس کو بھی پہنائے۔ ان کی برداشت سے زیادہ ان سے کام نہ لے۔ اگر کام زیادہ ہو تو اس کا ہاتھ بٹائے (بخاری جلد ۱ صفحہ ۹، مسلم جلد ۲ صفحہ ۵۲، المسند صفحہ ۲۱۹)۔

اس حدیث شریف میں مزدور کے متعلق چار بنیادی ہدایات فراہم کی گئی ہیں۔

''تمہارے ماتحت تمہارے بھائی ہیں'' ان الفاظ سے مزدور کی عزت نفس اور معاشرے میں اس کے باعزت مقام کو تسلیم کرایا گیا ہے۔

''جو کچھ خود کھائے اسی میں سے اسے بھی کھلائے اور جو خود پہنے اسی میں سے اسے بھی پہنائے''۔ ان الفاظ سے بنیادی ضروریات میں امیر اور غریب کی برابری کا استحباب بیان فرما کر انتہا پسندانہ طبقاتی امتیاز کو ختم کر دیا گیا ہے۔

بنیادی ضروریات مل جانے کے بعد فاضل دولت کمانا اور اس میدان میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانا جائز اور درست ہے۔ بنیادی ضروریات کی فراہمی مساوات کا تقاضا ہے۔ اور فاضل دولت کمانے کی اجازت معاشی آزادی کا تقاضا ہے۔

''ان کی برداشت سے زیادہ ان سے کام مت لے''۔ ان الفاظ سے معلوم ہوا کہ فیکٹریوں کے مالک مزدور سے زیادہ کام نہ لیں۔ اگر زیادہ کام لیں تو فاضل تنخواہ (Over time) دیں۔ پیداوار میں کمی ہو یا پیداوار کی قیمت گر جائے تو اس کی سزا مزدور کو نہیں ملنی چاہیے جس نے اپنا کام مکمل تندہی سے سرانجام دیا تھا۔

''اگر کام زیادہ ہو تو ان کا ہاتھ بٹائے''۔ ان الفاظ سے معلوم ہوا کہ ایک آدھ مزدور

سے زیادہ کام لینا پڑے تو اسکی خود مدد کرو۔ لیکن اگر سینکڑوں مزدوروں کی مدد کرنی پڑے تو اس کا طریقہ کیا ہوگا؟

اس کا طریقہ یقیناً یہی ممکن ہے کہ مزدور زیادہ بھرتی کیے جائیں تاکہ محنت کا بوجھ تقسیم ہو جائے (بنفسہ او بغیرہ شرح نووی جلد۲ صفحہ ۵۲)۔

صرف اس ایک حدیث نے مزدور کے تمام اصولی مسائل کو حل کر کے دکھا دیا ہے۔

۲۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اَعْطُوا الْاَجِیْرَ اَجْرَہٗ قَبْلَ اَنْ یَّجِفَّ عَرَقُہٗ یعنی مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو (ابن ماجہ، مشکوٰۃ صفحہ ۲۵۸، المستند صفحہ ۲۱۹)۔

۳۔ اسلام کا اخلاقی اور معاشرتی نظام مزدور کو احساس کمتری کا شکار نہیں ہونے دیتا اور مِل مالک یا افسر کو احساسِ برتری نہیں ہونے دیتا۔ یہ دونوں اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ معاشی اُونچ نیچ ایک قدرتی نظام ہے۔ اللہ کریم کسی کو رزق دے کر آزماتا ہے اور کسی سے رزق چھین کر آزماتا ہے۔

۴۔ اسلام کا نظام عدل وانصاف ایسا عظیم اور شفاف ہے کہ ایک مزدور، بادشاہِ وقت کے خلاف بھی عدالت کا دروازہ کھٹکھٹا سکتا ہے۔ فیصلہ جلد اور منصفانہ ہوتا ہے۔ اس سے مزدور کی مشکلات بہت کم ہو جاتی ہیں اور مزدور انجمنوں اور تنظیموں کے ذریعے ہڑتالوں اور نعرہ بازیوں کی نوبت نہیں آتی۔

اسلام اور سرمایہ دارانہ نظام

سرمایہ دارانہ نظام (capitalism) میں زکوٰۃ، صدقہ اور رحم وکرم نام کی کوئی چیز بلکہ شرافت نام کی بھی کوئی چیز نہیں۔ کاروباری آدمی صرف اور صرف سُود کی زبان میں بات کرتا ہے۔ سٹہ کا کاروبار مکمل طور پر جائز ہوتا ہے۔ ان وجوہات کی بنا پر امیر اور غریب کا درمیانی فاصلہ بڑھتا چلا جاتا ہے اور دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جاتی ہے۔ یہ نظام اس وقت امریکہ میں رائج ہے۔ اسلام زکوٰۃ وصدقات کو نافذ کرتا ہے۔ سُود سے منع کرتا ہے اور سٹہ کو ممنوع قرار دیتا ہے۔ جس سے امیر اور غریب کا درمیانی فاصلہ کم ہو جاتا ہے۔

اسلام اور اشتراکیت

سرمایہ دارانہ نظام کی ضد اشتراکیت ہے۔ امیر اور غریب کا امتیاز ختم کرنے کے لیے مادہ پرستانہ دماغ نے یہ سوچ لڑائی کہ ذاتی ملکیت کو ختم کر کے پوری معیشت سرکاری تحویل میں لے لی جائے اور سب لوگوں میں مساوات قائم کر دی جائے۔ ایک انتہا کا جواب دوسری انتہا سے دیا گیا۔ اس کے برعکس اسلام ذاتی ملکیت کو اللہ کی تقسیمِ رزق کا نتیجہ قرار دیتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

نَحۡنُ قَسَمۡنَا بَیۡنَهُم مَّعِیۡشَتَهُمۡ یعنی لوگوں میں معیشت ہم نے تقسیم کی ہے (زخرف: ۳۲)۔

ایک اور جگہ فرمایا

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعۡضَكُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ فِى الرِّزۡقِ یعنی اللہ نے تمہیں ایک دوسرے پر رزق میں فضیلت دی (النحل: ۷۱)۔

معلوم ہوا کہ اشتراکیت کی بھونڈی مساوات اس کائنات کے نظام کی حکمتوں اور مصلحتوں کو نہ سمجھنے کی بنا پر اختیار کی گئی ہے۔ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ اس کے علاوہ زکوٰۃ، حج، قربانی، فطرانہ، تقسیم میراث وغیرہ کے مسائل سب کے سب ذاتی ملکیت پر موقوف ہیں لہٰذا اشتراکیت کا بطلان بالکل واضح ہے۔

بھیک مانگنا

نبی کریم ﷺ نے فرمایا صرف تین آدمیوں کو سوال کرنے کی اجازت ہے۔ پہلا وہ شخص جو دیت وغیرہ کے بوجھ تلے دب جائے۔ وہ اپنی ضرورت پوری ہونے تک سوال کر سکتا ہے۔ جب ضرورت پوری ہو جائے تو مانگنا فوراً بند کر دے۔ دوسرا وہ شخص جسے کوئی ناگہانی آفت آ پڑے اور وہ اُجڑ جائے۔ یہ بھی اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے تک سوال کر سکتا ہے۔ تیسرا وہ شخص جس کے حالات ایسے ہو جائیں کہ فاقوں کی نوبت آ جائے اور اس کے حالات جاننے والے تین بندے اس کی تنگدستی کی گواہی دیں۔ یہ بھی اپنی ضرورت پوری ہونے تک سوال کر سکتا ہے۔ ان تینوں کے علاوہ

جو بھیک مانگتا ہے وہ حرام کھاتا ہے (رواہ مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۱۶۲)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ اور اوپر والے ہاتھ سے مراد دینے والا ہے اور نیچے والے ہاتھ سے مراد مانگنے والا ہے (مسلم، بخاری، مشکوٰۃ صفحہ ۱۶۲)۔

یہ باتیں بھیک مانگنے والوں کے پڑھنے اور عمل کرنے کی ہیں۔ اسکے برعکس بھیک دینے والوں کو یہ حکم ہے کہ وہ حسن ظن سے کام لیں۔ اگر کچھ پاس ہو تو دے دیں اگر نہ ہو تو معذرت کر لیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ اے آدم کے بیٹے خرچ کر تجھ پر خرچ کیا جائے گا (مسلم، بخاری، مشکوٰۃ صفحہ ۱۶۴، المستند صفحہ ۱۸۵)۔ نیز فرمایا کہ مانگنے والے کا تجھ پر حق ہے خواہ وہ گھوڑے پر سوار ہو (المستند صفحہ ۲۱۴)۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ کسی کے حالات کا کچھ پتہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا خواہ مخواہ باتیں سنانا غلط ہے۔

بلکہ اہلِ طریقت تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ "جو حق دار ہے اس پر بھی خرچ کر اور جو حق دار نہیں ہے اس پر بھی خرچ کر، تاکہ تجھے وہ کچھ بھی عطا ہو جس کا تو حق دار ہے اور وہ بھی عطا ہو جس کا تو حق دار نہیں ہے (جلاء الخواطر، ملفوظات حضور سیدنا قطب الاقطاب والغوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ)۔

مصنوعی غربت

عام طور پر انسان کے لیے دو وقت کی روٹی، کپڑوں کے ایک یا دو سوٹ، ایک جوتا اور رہنے کے لیے چھوٹا سا ہوادار گھر کافی ہوتا ہے۔ آج ہم نے تین وقت کا کھانا، تینوں ٹائم سالن کا استعمال، کپڑوں کے کئی کئی سُوٹ اور کئی کئی جوتے، رہائش کے لیے اُونچی اُونچی عمارتیں، فریج اور ٹی وی کو اپنا بنیادی حق سمجھ کر نہ صرف اپنے اوپر مصنوعی غربت طاری کر لی ہے بلکہ بسیار خوری، سالن بازی اور ٹھنڈے پانی کے ذریعے اپنی صحت بھی برباد کیے بیٹھے ہیں۔ ٹی وی دیکھ دیکھ کر اکثر بچوں کی نظر خراب ہو رہی ہے اور بعض کا کردار تباہ ہو رہا ہے۔

جن لوگوں نے دین سمجھ کر سادگی اور شرافت کو اختیار نہیں کیا، آج وہ حالات کے ہاتھوں پریشان ہو کر سادگی اور شرافت کی طرف پلٹنے پر مجبور نظر آتے ہیں۔

بیمہ پالیسی

بیمہ پالیسی کا موجودہ طریقۂ کار ناجائز ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا کاروبار سُودی ہے۔اور سُود سیدھا سیدھا حرام ہے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ بیمہ کرانے والے کی موت کے بعد اس کی رقم اس کے وارثوں میں اسلامی میراث کے اصولوں کے مطابق تقسیم نہیں ہوتی بلکہ فردِ واحد کو اس کا مالک بنا دیا جاتا ہے۔تیسری وجہ یہ ہے کہ جو شخص چند قسطیں جمع کرانے کے بعد پالیسی چھوڑ دے اس کی جمع شدہ رقم غصب کر لی جاتی ہے۔یہ صاف ظلم اور زیادتی ہے۔

چند اہم مسائل کا حل

۱۔ انعامی بانڈ خریدنا جائز ہے۔اس میں نہ سُود ہے اور نہ جواء۔

۲۔ نقد کی نسبت قسطوں کی چیز مہنگی بیچنا جائز ہے۔

۳۔ مزارع کو زمین اس طرح بٹائی پر دینا جائز ہے کہ فصل مالک اور مزارع میں طے شدہ طریقے سے بانٹی جائے اور اگر یہ طے کر لیا جائے کہ زمین کا یہ ٹکڑا تیرا ہے اور یہ میرا ہے تو یہ ناجائز ہے۔

۴۔ غیر سُودی کھاتے (مضاربت یعنی PLS) میں پیسہ جمع کرانا جائز ہے۔اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ بینک اندر خانہ سُودی کاروبار کرتا ہے۔تو وہاں پیسہ جمع کرانا ناجائز ہے۔

۵۔ اگر سُود کی رقم ہاتھ آ جائے تو اس سے جان چھڑانے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے ایسے قحط زدگان تک پہنچا دیا جائے جو بھوک کے مارے حرام اور خنزیر کھانے پر مجبور ہیں۔یا دینی مدارس اور خانقاہوں میں دے دیا جائے تاکہ اس سے مدارس کے ٹائلٹ وغیرہ بنا دیے جائیں۔

۶۔ غیر مسلموں کی امداد سے مسجد تعمیر کرنا جائز نہیں۔اس کی بہت سی دوسری وجوہات کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ غیر مسلم سادہ لوح مسلمانوں میں اپنی آبرو بنا لیتے ہیں۔عام لوگ اِن باریکیوں کو نہیں سمجھتے۔

اسلامی معاشیات کے موضوع پر حضرت علامہ مفتی غلام سرور قادری کی کتاب "معاشیاتِ نظامِ مصطفیٰ" ایک اچھی کتاب ہے۔

باب پنجم

روزه

روزے کی اہمیت

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ یعنی اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض تھے تاکہ تم متقی بن جاؤ (البقرہ: ۱۸۳)۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا

فَمَنْ شَھِدَ مِنْکُمُ الشَّھْرَ فَلْیَصُمْہُ یعنی تم میں سے جو بھی اس مہینے (رمضان) کو پالے اُسے چاہیے کہ اس کے روزے رکھے (البقرہ: ۱۸۵)۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا

۱۔ اِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّۃِ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ جَھَنَّمَ وَسُلْسِلَۃِ الشَّیٰطِیْنُ یعنی جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیطانوں کو باندھ دیا جاتا ہے (مسلم، بخاری، مشکوٰۃ صفحہ ۱۷۳، المستند صفحہ ۱۸۶)۔

۲۔ مَنْ لَّمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِہٖ فَلَیْسَ لِلّٰہِ حَاجَۃٌ فِیْ اَنْ یَّدَعَ طَعَامَہٗ وَشَرَابَہٗ یعنی جو بری بات اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑے اس کے محض بھوکا پیاسا رہنے کی اللہ کو کوئی حاجت نہیں (بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۵۵، المستند صفحہ ۱۸۷)۔

۳۔ کُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ یُضَاعَفُ ، اَلْحَسَنَۃُ بِعَشْرِ اَمْثَالِھَا اِلٰی سَبْعِمِائَۃِ ضِعْفٍ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِلَّا الصَّوْمَ ، فَاِنَّہٗ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ یَدَعُ شَھْوَتَہٗ وَطَعَامَہٗ مِنْ اَجْلِیْ، لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ ، فَرْحَۃٌ عِنْدَ فِطْرِہٖ وَفَرْحَۃٌ عِنْدَ لِقَآءِ رَبِّہٖ ،

وَلَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطیَبُ عِندَ اللّٰهِ مِن رِیحِ المِسكِ ، وَالصِّیَامُ جُنَّةٌ وَاِذَا كَانَ یَومُ صَومِ اَحَدِكُم فَلَا یَرفُثُ وَلَا یَصخَبُ فَاِنْ سَآبَّهُ اَحَدٌ اَو قَاتَلَهُ فَلیَقُلْ اِنِّی امْرَءٌ صَائِمٌ یعنی ہر نیکی کا بدلہ دس گنا سے سات سو گنا تک ہے لیکن اللہ فرماتا ہے روزہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ روزہ میرے لیے ہے اور میں خود اس کا بدلہ دوں گا۔ بندہ میری خاطر شہوت اور کھانا چھوڑتا ہے۔ روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں۔ ایک خوشی افطار کے وقت اور دوسری خوشی اپنے رب سے ملتے وقت۔ روزہ دار کے مُنہ کی بُو اللہ کو کستوری سے بھی زیادہ پسند ہے۔ روزے ڈھال ہیں۔ روزہ دار کو چاہیے کہ گندی بات اور ہذیان نہ بکے۔ اگر اُسے کوئی گالی دے تو یہ کہے کہ میرا روزہ ہے (مسلم، بخاری، مشکوٰۃ صفحہ ۱۷۳، المستدرصفحہ ۱۸۷)۔

۴۔ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اَجوَدُ النَّاسِ بِالخَیرِ وَكَانَ اَجوَدُ مَا یَكُونُ فِی شَهرِ رَمَضَانَ حَتّٰی یَنسَلِخَ ، فَیَأتِیهِ جِبرِیلُ فَیَعرُضُ عَلَیهِ القُرآنَ ، فَاِذَا لَقِیَهُ جِبرِیلُ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اَجوَدَ بِالخَیرِ مِنَ الرِّیحِ المُرسَلَةِ یعنی رسول اللہ ﷺ خیرات کرنے میں سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے۔ اور رمضان شریف میں آپ کی سخاوت زیادہ عروج پر ہوتی تھی حتیٰ کہ پورا رمضان سخاوت میں گزر جاتا تھا۔ حضرت جبریل آپ کے پاس حاضر ہوتے اور قرآن کا دور کراتے تھے۔ جب جبریل آنا شروع ہو جاتے تو آپ ﷺ کی سخاوت بادل برسانے والی تیز ہوا کی طرح ہوتی تھی (شمائل ترمذی، المستدر صفحہ ۱۸۷)۔

۵۔ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دَخَلَ شَهرُ رَمَضَانَ اَطلَقَ كُلَّ اَسِیرٍ وَاَعطٰی كُلَّ سَائِلٍ یعنی جب رمضان کا مہینہ آ جاتا تو رسول اللہ ﷺ ہر جنگی قیدی کو آزاد کر دیتے اور ہر مانگنے والے کو عطا کرتے تھے (بیہقی، المستدر صفحہ ۱۸۷)۔

روزے کا مقصد حصولِ تقویٰ اور برائی کا ترک ہے۔ بھوکا اور پیاسا رہنے سے غریبوں کی بھوک اور مجبوروں کی پیاس کا اندازہ ہوتا ہے۔ روزے سے شہوت مغلوب ہوتی ہے اور معدے

کو آرام ملتا ہے۔ روزہ ترکِ دُنیا اور اللہ سے جُڑنے کا سالانہ تربیتی کورس ہے۔ سالانہ اعتکاف میں بیٹھنا رہبانیت اور دنیا پرستی کے درمیان اعتدال کا راستہ ہے۔

روزے کے مسائل

رمضان شریف کا چاند دیکھنے کی کوشش کرنا ہر مسلمان کے لیے سنت مؤکدہ ہے۔ اپنے ملک کی رؤیت ہلال کمیٹی کے اعلان پر روزہ رکھنا اور عید کرنا جائز ہے۔ اگر کوئی شخص رمضان کا چاند دیکھ لے تو لوگ اس کی بات مانیں یا نہ مانیں، وہ خود روزہ ضرور رکھے (کنز الدقائق صفحہ ۶۷، قدوری صفحہ ۴۵)۔

روزے کا وقت طلوع فجر ثانی سے لے کر سورج غروب ہو جانے تک ہے۔ سحری کا وقت ختم ہوتے ہی روزہ رکھ لینا چاہیے۔ سحری آخری وقت میں کھانا اور افطار کا وقت ہوتے ہی فوراً افطار کر دینا زیادہ ثواب کا باعث ہے۔

سُرمہ لگانے، تیل لگانے، خوشبو لگانے، تھوک نگلنے، بیوی کو بوسہ دینے، ٹیکہ لگوانے (خواہ گوشت میں ہو یا رگ میں) اور سطحی زخم پر دوا لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ کسی چیز کا صرف ذائقہ چکھ کر تھوک دینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اگر قدرتی طور پر خود بخود قے آ گئی تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ نہاتے وقت کان میں پانی پڑ جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ البتہ کان میں تیل ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ سگریٹ، حقہ، بیڑی، نسوار، ہر قسم کے مشروب (دودھ، پانی، جوس وغیرہ)، طعام اور کسی بھی چیز کے حلق کے اندر چلے جانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ بیوی سے صحبت کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

جس نے جان بوجھ کر قے کر دی اور منہ بھر کر ہوئی تو روزہ ٹوٹ گیا، مگر اس پر کفارہ ادا نہیں کرنا پڑے گا صرف ایک روزہ قضا کر کے رکھنا پڑے گا۔ مسافر اگر روزہ رکھ سکے تو اچھی بات ہے ورنہ اسے بعد میں قضا کر کے رکھنے کی اجازت ہے۔ ایسا ضعیف یا بیمار آدمی جو فی الحال بھی روزہ نہیں رکھ سکتا اور آئندہ اس کے صحت یاب ہونے کی توقع بھی نہیں، اس کی طرف سے ہر روزے کے بدلے ایک مسکین آدمی کو صبح و شام کا کھانا بطور فدیہ کے کھلانا چاہیے۔ عام صحت مند یا وقتی طور پر

مجبور آدمی ایسا ہرگز نہیں کرسکتا۔ بھول کر کھا پی لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

جان بوجھ کر روزہ توڑنے کا کفارہ یہ ہے کہ یا تو ساٹھ روزے مسلسل رکھے، یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے، یا ایک غلام آزاد کرے۔

افطار کا وقت

سورج کی ٹکیہ کے غائب ہونے کے فوراً بعد افطار کا وقت بلا تاخیر شروع ہو جاتا ہے۔ یہ بات احادیث شریفہ سے ثابت ہے اور اس پر پوری امت کا اجماع ہے۔ مثلاً بخاری شریف میں ہے کہ حِیْنَ غَابَ قُرْصُ الشَّمْسِ یعنی جب سورج کی ٹکیہ غائب ہو جائے (بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۶۲)۔ مسلم شریف میں ہے کہ وَغَابَتِ الشَّمْسُ یعنی سورج غائب ہو جائے تو افطار کا وقت ہو گیا (مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۵۱)۔ اور احکام القرآن میں ہے کہ اِذَا سَقَطَ الْقُرْصُ اَفْطَرَ وَلَا خِلَافَ فِیْ اَنَّهٗ اِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ فَقَدْ اِنْقَضٰی وَقْتُ الصَّوْمِ یعنی جب ٹکیہ گر جائے تو افطار ہو گیا اور اس پر اجماع ہے کہ جب سورج غائب ہو جائے تو روزے کا وقت ختم ہو جاتا ہے (احکام القرآن جلد ۱ صفحہ ۲۴۲)۔

افطار کا یہ وقت ستارے نکلنے سے پہلے پہلے تک بلا کراہت جاری رہتا ہے کُلُّ ذَالِكَ لَا بَأْسَ بِهٖ یعنی اس سارے وقت میں کوئی حرج نہیں (موطا امام محمد صفحہ ۱۸۸)۔ البتہ جلدی روزہ کھول دینا مستحب ہے اور سورج کی ٹکیہ کے غائب ہونے کے بعد جتنی جلدی کی جائے گی اتنا ہی ثواب زیادہ ملے گا۔

اعتکاف

آخری عشرے کا اعتکاف سنت مؤکدہ کفایہ ہے۔ بیس رمضان کو عصر اور مغرب کے درمیان اعتکاف شروع کرنا چاہیے اور عید کا چاند نظر آنے پر ختم کرنا چاہیے۔ اعتکاف کے دوران شرعی باتیں کرنا، دینی کتب کا مطالعہ کرنا، تقریر کرنا، مسجد میں کھانا پینا سونا سب جائز ہیں۔

نبی کریم ﷺ کو ہر سال ایک مرتبہ قرآن کا دور کرایا جاتا تھا لیکن جس سال آپ کا وصال شریف ہوا اس سال دو مرتبہ دور کرایا گیا۔ آپ ﷺ ہر سال دس دن اعتکاف فرماتے تھے لیکن جس سال آپ کا وصال ہوا اُس سال آپ نے بیس دن اعتکاف فرمایا (بخاری، مشکوٰۃ صفحہ ۱۸۳، المستند صفحہ ۱۹۲)۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اَلسُّنَّۃُ عَلَی الْمُعْتَکِفِ اَنْ لَا یَعُودَ مَرِیضاً، وَلَا یَشْھَدَ جَنَازَۃً، وَلَا یَمَسَّ الْمَرأۃَ وَلَا یُبَاشِرَھَا، وَلَا یَخْرُجَ لِحَاجَۃٍ اِلَّا لِمَا لَا بُدَّ مِنْہُ، وَلَا اِعتِکَافَ اِلَّا بِصَومٍ، وَلَا اِعتِکَافَ اِلَّا فِی مَسجِدٍ جَامِعٍ یعنی معتکف کے لیے سنت یہ ہے کہ مریض کی عیادت نہ کرے، جنازے پر نہ جائے، عورت کو نہ چھوئے نہ مباشرت کرے، اور مسجد سے شرعی حاجت کے سواء نہ نکلے۔ روزے کے بغیر کوئی اعتکاف نہیں اور اعتکاف صرف اسی مسجد میں ہو سکتا ہے جس میں باجماعت نماز ہوتی ہو (ابوداؤد، مشکوٰۃ صفحہ ۱۸۳، المستند صفحہ ۱۹۲)۔

اعتکاف کے دوران مسجد سے باہر نکل کر نہانے سے حتی المقدور بچنا چاہیے البتہ احتلام ہو جائے تو فوراً نہا لینا چاہیے۔ اگر معتکف کی مسجد جامع نہ ہو تو قریبی جامع مسجد میں جمعہ کے لیے جانے سے اعتکاف نہیں ٹوٹتا۔

مسجد کا محراب مسجد کے ساتھ اس قدر پیوست ہوتا ہے کہ معتکف کا محراب میں چلے جانا جائز ہے۔ البتہ مسجد سے ملحق درسی کمرے اور مسجد کا مینار ایسی جگہیں ہیں کہ مسجد کے فنا میں شامل ہونے کے باوجود معتکف کا وہاں چلے جانا درست نہیں۔ ایسی جگہوں پر جانے سے بے جا تفریح ملتی ہے جو اعتکاف کی روح کے منافی ہے۔

حدیث شریف میں ہے: اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یَعْتَکِفُ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتّٰی تَوَفَّاہُ اللّٰہُ، ثُمَّ اعْتَکَفَ اَزْوَاجُہٗ مِن بَعدِہٖ یعنی نبی کریم ﷺ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کرتے تھے حتیٰ کہ آپ کا وصال شریف ہو گیا۔ پھر آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات نے اعتکاف کیا (مسلم، بخاری، مشکوٰۃ صفحہ ۱۸۳)۔

اس حدیث کی شرح میں حضرت ملا علی قاری رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ثُمَّ اعْتَكَفَ اَزْوَاجُهٗ مِنْ بَعْدِهٖ اَیْ فِیْ بُیُوْتِهِنَّ لِمَا سَبَقَ مِنْ عَدَمِ رِضَائِهٖ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ لِفِعْلِهِنَّ وَكَذَا قَالَ الْفُقَهَاءُ يُسْتَحَبُّ لِلنِّسَاءِ اَنْ تَعْتَكِفْنَ فِیْ مَكَانِهِنَّ یعنی ازواجِ مطہرات کے اعتکاف سے مراد ان کا اپنے گھروں میں اعتکاف کرنا ہے۔ اس لیے کہ آپ ﷺ نے عورتوں کا مساجد میں اعتکاف بیٹھنا ناپسند فرمایا ہے۔ اسی وجہ سے فقہاء نے فرمایا ہے کہ عورتوں کے لیے اپنے گھروں میں اعتکاف بیٹھنا مستحب ہے (مرقاۃ جلد ۲ صفحہ ۳۲۶)۔

لیلۃ القدر

قرآن شریف کی پوری سورۃ القدر، لیلۃ القدر کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دَخَلَ الْعَشْرَ شَدَّ مِیْزَرَهٗ وَاَحْيَا لَيْلَهٗ وَاَيْقَظَ اَهْلَهٗ یعنی جب آخری عشرہ داخل ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اپنا تہبند مبارک مضبوط کر لیتے تھے، یعنی خوب تیاری کر لیتے تھے، راتوں کو جاگتے تھے اور گھر والوں کو بھی جگاتے تھے (مسلم، بخاری، مشکوٰۃ صفحہ ۱۸۲)۔

محبوب کریم ﷺ نے فرمایا تَحَرُّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ یعنی لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری عشرے میں تلاش کرو (موطا امام مالک، المستند صفحہ ۱۹۲)۔

خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اِنِّیْ اُرِيْتُ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ فِیْ رَمَضَانَ حَتّٰی تَلَاحَی الرَّجُلَانِ فَرُفِعَتْ فَالْتَمِسُوْهَا فِی التَّاسِعَةِ وَ السَّابِعَةِ وَالْخَامِسَةِ یعنی ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے رمضان کے مہینے میں لیلۃ القدر بتا دی گئی مگر دو آدمی باہم جھگڑ رہے تھے جس کی وجہ سے دوبارہ اُٹھا لی گئی۔ اسے انتیس، ستائیس اور پچیس تاریخوں میں تلاش کرو (بخاری، موطا امام مالک، مشکوٰۃ صفحہ ۱۸۲، المستند صفحہ ۱۹۲)۔

کم خوری کے حوالے سے روزہ ایک زبردست طبی اہمیت کا حامل ہے۔ اس مناسبت سے طب کے موضوع پر ایک مستقل مضمون ملاحظہ فرمایئے۔

لَمْسُ الطَّبِيْبِ مِنْ طِبِّ الْحَبِيْبِ

نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ انسانی بدن میں ایک لوتھڑا ہے جب وہ ٹھیک ہوتا ہے تو سارا بدن ٹھیک ہوتا ہے اور جب وہ بگڑتا ہے تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے۔ خبردار وہ لوتھڑا قلب ہے (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۲۴۱، المستند صفحہ ۱۷۲)۔

طبی لحاظ سے جو حالت قلب کی ہوتی ہے وہی حالت پورے بدن کی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اطباء کرام نبض کے ذریعے قلب کی حالت معلوم کر کے مرض کا پتہ چلا لیتے ہیں۔

انسانی جسم پانی، مٹی، آگ اور ہوا سے بنا ہے۔ پانی سے بلغم، مٹی سے سودا، آگ سے صفرا اور ہوا سے خون پیدا ہوتا ہے۔ ہر مرض انہی چار اخلاط میں سے کسی ایک کے بگاڑ سے پیدا ہوتا ہے۔ نبض کا علم ایک بحر بے کراں ہے مگر اسکا مفرد علم یہ ہے کہ سست، گہری، چھوٹی، اور عریض نبض بلغم پر۔ تیز، باریک، طویل اور صلب نبض سودا پر۔ معتدل نبض صفرا پر اور مشرف و ممتلی نبض خون پر دلالت کرتی ہے۔

کلونجی

حدیث شریف میں ہے کہ کلونجی موت کے سوا ہر مرض کا علاج ہے (بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۴۹)۔ اوّلاً کلونجی تمام بلغمی امراض کا براہِ راست علاج ہے اور ہر مرض ابتدائی طور پر بلغمی ہی ہوا کرتا ہے۔ ثانیاً یہ سودا کو خارج کرتی ہے۔ میٹھے شربت یا عرقِ سونف میں اُبال کر دی جائے تو یہ تمام صفراوی امراض میں مفید ہے۔ خون کو صاف کرتی ہے اور چہرے کو نکھارتی ہے۔ یہ سب باتیں کتب مفردات میں درج ہیں۔ ثالثاً کلونجی کو پیس کر شہد میں اس کی معجون بنالی جائے تو یہ معدہ کے تمام امراض کا علاج ہے۔ یہ نسخہ حکیم جالینوس کا ہے اور تمام امراض کی بنیاد معدے کی ہی خرابی سے پڑتی ہے۔ اس لیے کہ اخلاط کی تیاری یہیں سے شروع ہو جاتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ معدہ بدن کا حوض ہے اور نالیاں اسی میں آ کر گرتی ہیں جب معدہ صحیح ہو تو نالیاں (عروق) صحت مند مواد لے کر یہاں سے نکلتی ہیں اور اگر معدہ خراب ہو تو نالیاں بیمار اجزاء لے کر نکلتی ہیں (مشکوٰۃ)۔

بیماری معدے میں جنم لیتی ہے اور اس کا حتمی اثر جگر، دماغ اور عروق میں سے گزرنے

کے بعد قلب پر ظاہر ہوتا ہے۔ رابعاً بعض ایلو پیتھک ڈاکٹروں اور یونانی اطباء کے نزدیک ہر مرض جنسی کمزوری سے جنم لیتا ہے۔ کلونجی اپنے خاصہ اور مزاج (خشک گرم) کے لحاظ سے جنسی امراض کا بہترین علاج ہے۔ خاصا مرکب عوارض کی صورت میں مختلف علامات کو ایک دوا کے تحت لاتے ہوئے کلونجی تجویز کی جاسکتی ہے۔ لہٰذا یہ حدیث حق ہے۔ کلونجی کا طریقۂ استعمال جاننا بہت ضروری ہے۔ یہ کم مقدار میں حیض کو روکتی ہے اور زیادہ مقدار میں حیض کو جاری کرتی ہے۔ اس کا روغن محلل اورام اور مسکن اوجاع ہے۔ خارش، برص اور دردِ سر میں مفید ہے۔ زندہ یا مردہ بچے کو پیٹ سے نکالتی ہے۔ دردِ سینہ، قے، غثیان، کھانسی میں مفید ہے۔ سرکہ کے ہمراہ پیٹ کے کیڑے خارج کرتی ہے۔ سکنجبین کے ہمراہ چوتھیا بخار کا علاج ہے۔ مدرِ بول ہے اور گردہ مثانہ کی پتھری کو خارج کرتی ہے۔ ابتدائی موتیا میں اس کا سرمہ مفید ہے۔ اس کی کلیاں کرنے سے دانتوں کے درد کو آرام ملتا ہے۔ یہ سب باتیں مفردات کی کتابوں میں درج ہیں۔

کلونجی پیس کر دس گنا روغنِ زیتون میں جلا کر چھان لیا جائے تو یہ روغن ۳، ۳ قطرے ناک میں ڈالنے سے پرانا نزلہ زکام ٹھیک ہو جاتا ہے۔

شہد

حدیث شریف میں ہے کہ تین چیزوں میں شفا ہے۔ پچھنے لگوانے میں، شہد میں اور داغ دینے میں۔ اور میں اپنی اُمت کو داغ دینے سے منع کرتا ہوں (بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۴۸)۔ نیز یہ فرمایا کہ جو آدمی ہر ماہ تین دن صبح شہد پیے اُسے کوئی بڑا مرض نہ لگے گا (مشکوٰۃ، المستند صفحہ ۲۷۳)۔

ایک مرتبہ ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے بھائی کو دست لگے ہیں۔ فرمایا اسے شہد پلاؤ۔ اسے شہد دیا گیا تو اس کے دست بڑھ گئے۔ اس آدمی نے تین بار آ کر یہی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ نے سچ فرمایا ہے اور تیرے بھائی کے پیٹ نے جھوٹ بولا ہے۔ اسے چوتھی مرتبہ بھی شہد ہی پلایا گیا تو وہ ٹھیک ہو گیا (مسلم، بخاری، المستند صفحہ ۲۷۳)۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ فِیۡهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ یعنی شہد میں لوگوں کے لیے شفا

ہے(النحل:۶۹)۔

حیرت کی بات ہے کہ شہد تمام اخلاط کے امراض میں نافع ہے۔یہی وجہ ہے کہ کوئی ایسا معجون، اطریفل یا جوارش نہیں ہے جس میں شہد نہ پڑتا ہو۔اس کے ساتھ ساتھ یہ دنیا کا بہترین ٹانک بھی ہے۔آنکھوں کے امراض میں سلائی سے لگانا یا سرمہ میں ملانا مفید ہے۔جسم کے زخموں کو مندمل کرتا ہے۔اسے خطرناک اور لاعلاج زخموں پر لگایا گیا اور شفا ہوگئی۔

ایلو پیتھک نظریے کے مطابق ہر بیماری کمزوری سے جنم لیتی ہے۔یہ بات طب میں بھی مسلّم ہے کہ قوتِ مدافعت کے کم ہو جانے سے ہی بیماری غالب آیا کرتی ہے۔چونکہ شہد ایک زبردست ٹانک بھی ہے یہی وجہ ہے کہ اکیلے شہد کا استعمال یا دوسری دواؤں کے ساتھ بطور معاون اس کا استعمال شفا کی راہیں ہموار کرتا ہے۔ایلوپیتھی کا ایک مشہور ٹانک (Lederplex) ہے جس میں شہد کا استعمال ہوتا ہے۔

شہد کا مزاج گرم تر ہے۔یہی ایک صحت مند آدمی کا مزاج ہوا کرتا ہے۔شیخ اکبر حضرت محی الدین ابنِ عربی رحمت اللہ علیہ نے طریقت والوں کو گرم تر غذائیں کھانے کا مشورہ دیا ہے۔

(التدبیرات الالھیہ لاصلاح المملکۃ الانسانیہ للشیخ الاکبر قدس سرہٗ)

سَنا مکی

حدیث شریف میں ہے کہ اگر کسی چیز میں موت کا علاج ہوتا تو وہ سَنا تھی (ترمذی، مشکوٰۃ صفحہ ۳۸۸)۔

کُتبِ مفردات میں ہے کہ سنا مکی تینوں اخلاط کو خارج کرتی ہے۔یہ زبردست ملیّن (قبض کشا) ہے۔کالی مرچ ا تولہ، ٹھیکری نوشادر 2½ تولہ، سُنڈھ 5 تولہ، سنا مکی 10 تولہ باریک پیس لیں۔مقدار خوراک 1 ماشہ تا 3 ماشہ صبح، دوپہر، شام ہمراہ پانی۔

یہ دوا بدہضمی، گیس، قبض، یرقان، عظمِ جگر (Hepatitus)، بواسیر، ٹی بی، رسولی، جوڑوں کا درد، استسقاء، ہسٹیریا، صلابتِ رحم، دمہ، بند نزلہ، کھانسی، دل کے امراض، مالیخولیا، جنون،

پاگل پن، سوزاک، تقطیر البول، بندشِ بول، آنتوں کے ورم، ہرنیاں، ورم اعورزائدہ (اپنڈے سائٹس)، مروڑ، خونی پیچش وغیرہ کا زبردست علاج ہے۔ یہ نسخہ پاک و ہند کے بے شمار اطباء کے مطب میں ہمیشہ تیار رہتا ہے۔ اگر اس دوا کے ساتھ شہد کا استعمال کیا جائے تو یہ سونے پر سہاگہ ہے۔ لہٰذا یہ حدیث شریف بالکل حق ہے۔

اہم بات

ایک اہم بات یہ ہے کہ آج تک کوئی طب جسمانی مشینری اور اس کی اصلاح کا مکمل احاطہ کرتے ہوئے کوئی حرف آخر نہیں کہہ سکی۔ ادویہ کی گروپ بندی کے قاعدے محض استقرائی (probable) ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک طب کے نزدیک ہرڑ (ہلیلہ) سودا کو پیدا کرتی ہے تو دوسری کے نزدیک سودا کو خارج کرتی ہے۔ نیز بعض ادویہ اپنے مزاج کی وجہ سے اثر دکھاتی ہیں اور بعض اپنے خاصہ کی وجہ سے عمل کرتی ہیں۔ اور کبھی اپنی مقدار کی وجہ سے راست یا معکوس اثر دکھاتی ہیں۔ اسی لیے ایلوپیتھی، ہومیوپیتھی اور طبِ یونانی کی گروپ بندیوں میں بھی فرق ہے جبکہ شفا تینوں طریقوں سے حاصل ہو رہی ہے۔ لہٰذا خالقِ حقیقی کی زبان میں بات کرنے والی ہستی کی بتائی ہوئی کوئی دوا انسانی گروپ بندیوں میں نہ بھی آتی ہو تو چپ چاپ تسلیم کر لینے میں ہی بہتری ہے۔ یہاں تو الحمدللہ طبِ نبوی کی ادویہ کو انسانی قواعد بھی پوری طرح قبول کر رہے ہیں اور ہمارا تجربہ بھی پوری پوری تصدیق کر رہا ہے۔ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحیٰ

دیگر ادویہ

احادیث میں ذات الجنب کا علاج عودِ ہندی، زیتون، قسطِ بحری اور بخار کا علاج پانی بیان ہوا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آج ایلوپیتھی بخار کا علاج ٹھنڈے پانی اور برف سے کرنے لگ گئی ہے۔

حق تو یہ ہے کہ دنیائے طب کے پاس آقائے دو عالم ﷺ کی صرف مسواک کا ہی جواب نہیں ہے۔ مذکورہ بالا تمام احادیث مشکوٰۃ کے باب الطب والرقی میں ہیں جو صفحہ نمبر ۳۸۷ سے شروع ہوتا ہے۔ ''معدہ بدن کا حوض ہے'' اس حدیث شریف کے پیشِ نظر آدابِ طعام پر

مخصوص نوٹ پیش خدمت ہے۔

آدابِ طعام

کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونے اور کلی کرنے سے غذائی زہر آلودگی سے بچا جاسکتا ہے۔ کھانا ٹھنڈا کر کے کھانا بسیار خوری اور گیس کا علاج ہے۔ کھانے کے دوران پانی کم سے کم پینا چاہیے تاکہ معدہ اپنی حدت سے کھانے کو تحلیل کر سکے۔ سرید بنا کر (روٹی کے ٹکڑے شوربے میں ڈال کر) کھانے سے معدہ مشقت سے بچ جاتا ہے۔ ہریسہ (سالن میں مختلف قسم کے غلے ملا کر پکایا ہوا کھانا، جیسے حلیم ہوتا ہے) ایک زود ہضم اور طاقتور غذا ہے۔ دایاں گھٹنا کھڑا کر کے کھانا اپنڈیکس نہیں ہونے دیتا۔ اُکڑوں بیٹھ کر کھانے سے پیٹ نہیں بڑھتا اور گیس نہیں بھرتی۔ ٹیک لگا کر کھانے سے بدہضمی ہوتی ہے۔ کھانا اس وقت کھانا چاہیے جب سخت بھوک لگے اور ابھی بھوک باقی ہو تو کھانا بس کر دینا چاہیے۔ آٹا چھان کر نہیں پکانا چاہیے ورنہ قبض رہنے لگتا ہے۔ یہ سب باتیں احادیث اور اقوالِ مشائخ سے ماخوذ ہیں۔

حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اِیَّاكَ وَالْبِطْنَةَ فَاِنَّهَا تَذْهَبُ بِالْفِطْنَةِ یعنی پیٹ بھر کر کھانے سے بچو۔ اس سے ذہانت ختم ہو جاتی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے علی! نمکین چیز سے کھانا شروع کر اور نمکین پر ہی ختم کر۔ بے شک نمک ستر امراض کا علاج ہے۔ ان میں جنون، جذام، برص، دانتوں کا درد اور پیٹ کا درد شامل ہیں (الوصیہ، رسائل ابن عربی صفحہ ۱۰ ۴۱ للشیخ الاکبر قدس سرہٗ)۔ پھر بھی اگر معدے کے علاج کی ضرورت محسوس ہو تو کلونجی میں شہد ملا کر کھانا معدے کے تمام امراض کا شافی علاج ہے۔

اسکے علاوہ بے شمار ادویہ کا تفصیلی ذکر کُتبِ حدیث کے ابواب الطب میں اور طبِّ نبوی کی کتب میں ملتا ہے۔ یہ تو محض ایک ٹکڑا تھا جو بحرِ شفاء سے اچھلا اور طبیب کے کشکول میں آ گرا۔

طبی نقشہ

علامات و علاج		نبض	مزاج	اخلاط
قارورہ و بدن سفید، بدل ڈھیلا سرد و ملائم، رال ٹپکنا، پیاس کی کمی ضعف ہضم، نیند کی زیادتی، کند ذہنی	علامات	بطی، سست، ضعیف، عریض	سرد تر	بلغم
مفردات: سونف، انیسوں، ملٹھی، سنا، زیرہ، دارچینی، الاچی، کلاں، برنجاسف، بالچھڑ، منقی، کلونجی، ہلیلہ جات، کچلہ، اسطخودوس، زرنبج، شہد، فولاد شنگرف، لونگ مرکبات: معجون فلاسفہ، معجون زنجبیل، جوارش جالینوس اور تمام اطریفلات	علاج			
قارورہ سیاہ یا نیلا اور گاڑھا، جسم لاغر اور نیلا یا کالا، خون سیاہ، فکر اور پریشانی، معدے کی جلن، جھوٹی بھوک، بدن پر زیادہ بال	علامات	صلب، طویل، ضعیف، صغیر	سرد خشک	سودا
مفردات: سپستان، گاؤزبان، تخم خربوزہ، ملٹھی، کلونجی، تخم کنوچہ، ہلیلہ، انجیر، منقی، شہد سنا مکی، ہڑتال ورقیہ مرکبات: سکنجبین، انوشدارو، یاقوتی، شربت گاؤزبان، اطریفل اسطخودوس اطریفل زمانی، لبوب کبیر	علاج			
قارورہ بدن اور آنکھیں پیلی، منہ کا ذائقہ کڑوا، زبان کھردری، منہ اور نتھنے خشک، پیاس زیادہ، بھوک کم، متلی، جلن	علامات	سریع	گرم خشک	صفرا
مفردات: اسپغول، بہی دانہ، خرفہ، کاسنی، تخم خیارین، دھنیا، تخم کاہو، فولاد کافور، شہد، سنا، صندل، املی، گل سرخ، تربوز، طباشیر مرکبات: شربت صندل، شربت آلو بخارا، شربت نیلوفر، خمیرہ گاؤزبان، خمیرہ ابریشم	علاج			
قارورہ سرخی مائل، سر بھاری، انگڑائیاں، جمائی، منہ کا ذائقہ میٹھا، بدن اور زبان سرخ، سرخ پھوڑے پھنسیاں	علامات	سریع، ممتلی، عظیم	گرم تر	خون
مفردات: تخم کاہو، کاسنی، کشنیز، شاہترہ، کلونجی، برگ شیشم، گل سرخ، آلو بخارے کا پانی، ماء العسل، سنا مرکبات: اطریفل شاہترہ، معجون عشبہ، شربت عناب	علاج			

نفسیاتی مسائل کا حل

بے شمار نفسیاتی اُلجھنوں کا واحد علاج یہ ہے کہ انسان ہر حال میں نارمل رہنے کی کوشش کرے۔قبیلہ عبدالقیس کا وفد جب نبی کریم ﷺ کے پاس مدینہ شریف میں پہنچا تو وفد کے سب لوگ آپ ﷺ کی طرف بھاگ پڑے۔مگر ان کا سردار منذر اُن کی سواریوں کے پاس کھڑا رہا۔اس نے اپنی اونٹنی کو آرام سے باندھا،اچھا لباس پہنا اور سب سے آخر میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔آپ ﷺ نے اسے فرمایا :اِنَّ فِيْكَ لَخَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ الْحِلْمُ وَالْاِنَاةُ یعنی تمہاری دو عادتیں ایسی ہیں جو اللہ کو پسند ہیں،حلیمی اور آہستگی (مسلم،مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۹)۔

جو لوگ واقعات وحوادث کو نارمل نہیں لیتے وہ جلد بازی میں پڑ کر سارا کام خراب کر لیتے ہیں۔نارمل نہ لینے سے ہی غصہ آتا ہے۔نارمل نہ لینے سے ہی حسد آتا ہے۔نارمل نہ لینے سے ہی خوف آتا ہے۔نارمل نہ لینے سے ہی احساسِ کمتری،احساسِ برتری اور تکبر پیدا ہوتا ہے۔نارمل نہ لینے سے ہی دل کا دورہ پڑ سکتا ہے۔نارمل نہ لینے سے ہی انسان پاگل ہو جاتا ہے۔نارمل نہ لینے سے ہی لوگ خودکشی کر لیتے ہیں۔نارمل نہ لینے سے ہی طلاق،لڑائی اور قتل کی نوبت آتی ہے۔نارمل نہ لینے والے لوگ ہی راتوں رات امیر بننے کے چکر میں آئے دن اپنا کاروبار تبدیل کرتے اور نقصان اٹھاتے رہتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ آخرت کے امور کے سواء ہر معاملے میں سرد مزاجی بہتر ہے۔

اس موضوع پر مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۹ پر" اَلْحَذَرُ وَ التَّاَنِّي فِي الْاُمُوْرِ "کے نام سے پورا باب موجود ہے۔

ذہنی انتشار،بے سکونی،حافظے کی کمزوری،قوتِ فیصلہ کی کمی اور گیس کا علاج اللہ کا ذکر اور مراقبہ ہے۔مراقبے کا طریقہ یہ ہے کہ صبح کی نماز سے پہلے یا بعد خالی پیٹ قبلہ رُخ التحیات کی حالت یا چار زانو بیٹھ جائیں۔زبان کو تالو سے لگالیں۔گردن کو دل کی طرف جھکا لیں (سینے میں بائیں پستان کے نیچے دل ہوتا ہے)۔زبان سے کچھ نہ پڑھیں اور یہ تصور کریں کہ دل اللہ اللہ کر رہا ہے اور آپ سُن رہے ہیں۔یہ مراقبہ روزانہ دس پندرہ منٹ تک کرنا چاہیے۔

حج کی اہمیت

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا یعنی اور اللہ کی خاطر لوگوں پر کعبہ کا حج فرض ہے بشرطیکہ اس تک پہنچنے کی طاقت رکھتے ہوں (آل عمران: ۹۷)۔

حدیث شریف میں ہے۔

۱۔ مَنْ حَجَّ لِلّٰہِ وَلَمْ یَرْفُثْ وَلَمْ یَفْسُقْ رَجَعَ کَیَوْمٍ وَلَدَتْہُ اُمُّہٗ یعنی جس نے حج کیا اور گناہ وفسق نہ کیا وہ ایسے لوٹا جیسے اُسے آج ہی اسکی ماں نے جنا ہو (بخاری جلد ا صفحہ ۲۰۶، مسلم، مشکوٰۃ صفحہ ۲۲۱)۔

۲۔ اَلْحَاجُّ وَالْعُمَّارُ وَفْدُاللّٰہِ اِنْ دَعَوْہُ اَجَابَھُمْ وَاِنِ اسْتَغْفَرُوْہُ غَفَرَلَھُمْ یعنی حاجی اور عمرہ کرنے والے اللہ کا وفد ہوتے ہیں اگر وہ اس سے دعا کریں تو قبول کرتا ہے اور اگر اس سے معافی مانگیں تو معاف کر دیتا ہے (ابن ماجہ صفحہ ۲۰۸، المسند صفحہ ۱۹۶)۔

حج میں اللہ تعالیٰ کی خاطر سفر کیا جاتا ہے۔ اسلامی یکجہتی، اجتماعیت اور شوکت کا بھرپور مظاہرہ ہوتا ہے۔ اور کعبے کے طواف کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے والہانہ محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور اس کی نشانیاں دیکھ دیکھ کر اس کے خوف اور خشیت کا حصول ہوتا ہے۔ جس کے نتیجے میں انسان روتا ہے اور آنسو بہاتا ہے۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتٰنِ یعنی جو اپنے رب کے مقام سے ڈرا اُس کے لیے دو جنتوں کا وعدہ ہے (الرحمٰن: ۴۶)۔ اور اصل بات یہ ہے کہ وہاں جانے والے کو یہ سب کچھ اُدھر سے ہی نصیب ہوتا ہے۔

حج کے مسائل

عاقل، بالغ، صحت مند مسلمان پر زندگی میں صرف ایک بار حج فرض ہے بشرطیکہ اسے سواری یا کرایہ میسر ہو۔ راستے کا خرچ اور بال بچوں کا خرچ موجود ہو۔ راستے میں کوئی خطرہ نہ ہو اور

اگر عورت ہو تو اس کے ساتھ شوہر یا محرم کا ہونا ضروری ہے۔ جس پر حج فرض ہو وہ پہلے خود حج کرے اور پھر اگر کسی دوسرے کو بھی حج کرانا چاہے تو اپنے فرض کی ادائیگی کے بعد ایسا کرے۔

حج کے تین فرض ہیں۔

۱۔احرام ۲۔طواف زیارت ۳۔وقوف عرفہ

طواف صدر، صفا اور مروہ کے درمیان سعی، قربانی، حلق کرانا اور رمی جمار واجب ہیں۔

طواف قدوم سنت ہے۔

حج کا طریقہ

مکہ شریف میں چاروں طرف سے آنے والے حجاج کے لیے ضروری ہے کہ مکہ میں داخل ہونے سے پہلے ایک مخصوص فاصلے پر احرام باندھ لیا کریں۔ چاروں طرف سے وہ مقامات جہاں احرام باندھ لینا چاہیے، میقات کہلاتے ہیں۔ پاک و ہند سے جانے والوں کے لیے یلملم میقات ہے۔ یلملم ایک جگہ کا نام ہے۔ آج کل ہوائی جہاز میں سفر کے دوران یلملم کے اوپر سے گزر ہوتا ہے۔ جہاز کا عملہ اعلان کرتا ہے کہ یہاں سے احرام باندھ لو۔ لیکن چونکہ جہاز میں احرام باندھنا اور وضو کر کے نفل پڑھنا مشکل ہوتا ہے لہٰذا بہتر یہی ہے کہ جہاز میں سوار ہونے سے پہلے ائیر پورٹ پر غسل یا کم از کم وضو کر کے احرام باندھ لیا جائے اور اس کے بعد دو نفل پڑھ لیے جائیں۔ احرام دو چادروں کا بنا ہوتا ہے۔ ایک چادر کو بطور تہبند باندھ لیا جائے اور دوسری کو اوڑھ لیا جائے اور سر ننگا رکھا جائے۔ نفل پڑھنے کے بعد یہ دعا مانگنی چاہیے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْحَجَّ فَیَسِّرْہُ وَتَقَبَّلْہُ مِنِّیْ یعنی اے اللہ میں حج کا ارادہ کرتا ہوں، اسے میرے لیے آسان بنا دے اور میری طرف سے قبول فرمالے۔ اس کے بعد تلبیہ کہنا چاہیے۔ تلبیہ اس طرح ہے۔ لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ

اب آپ پر احرام کا ادب لاگو ہو گیا۔ اب آپ بیوی سے مباشرت، کسی سے جھگڑا، شکار یا شکار کی نشاندہی نہیں کر سکتے۔

اب آپ قمیض، شلوار، عمامہ، ٹوپی اور موزے نہیں پہن سکتے۔ نہ ہی سر اور چہرے کو کسی طرح ڈھانپ سکتے ہیں، خوشبو نہیں لگا سکتے، سر یا داڑھی کے بال اور ناخن نہیں کاٹ سکتے۔

ہاں نہانا جائز ہے مگر صابن خوشبودار نہیں ہونا چاہیے۔ پیسے ڈالنے کے لیے کمر سے بیلٹ باندھنا جائز ہے۔

ہر نماز کے بعد اور چڑھائی چڑھتے اترتے وقت کثرت سے تلبیہ کہنا چاہیے۔ جب مکہ شریف میں داخل ہوں تو سیدھے مسجدِ حرام پہنچیں۔ جب کعبہ شریف پر نظر پڑے تو پڑھیں اَللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ فِی الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَلِاُمَّۃِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ ﷺ

پھر حجرِ اسود کے سامنے جائیں۔ آج کل نشاندہی کے لیے حجرِ اسود کے سامنے سبز ٹیوب لائٹ جل رہی ہوتی ہے۔ حجرِ اسود کی طرف منہ کر کے اَللّٰہُ اَکْبَرُ اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ پڑھیں اور تکبیر کہتے وقت دونوں ہاتھ بلند کریں۔ اگر ہو سکے تو حجرِ اسود کو بوسہ دیں۔ بشرطیکہ کسی مسلمان کو آپ کی وجہ سے دھکا نہ لگے اور تکلیف نہ ہو۔

پھر احرام کی چادر کا اضطباع کر لیں۔ اضطباع سے مراد یہ ہے کہ احرام کی چادر کو دائیں بغل کے نیچے سے گزاریں اور دایاں کندھا ننگا کر لیں۔ واضح رہے کہ یہ اضطباع صرف طواف کے وقت کرنا ہوتا ہے۔ نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد۔

اب طواف شروع کر دیں اور بیت اللہ شریف کے سات چکر لگائیں۔ ہر چکر حطیم کی دیوار کے باہر باہر سے لگائیں۔ پہلے تین چکروں میں دوڑنے کی طرح حالت بنالیں اور کہنیاں موڑ کر دوڑنے کی طرح بازو ہلائیں۔ باقی چار چکر اپنے قدرتی انداز میں آرام کے ساتھ لگائیں۔ ہر چکر میں جب حجرِ اسود کے پاس سے گزریں تو استلام کریں۔ استلام سے مراد ہاتھوں سے اشارہ ہے۔ سات چکر مکمل ہو جائیں تو پھر استلام کر کے ختم کریں۔

اس کے بعد مقامِ ابراہیم کے پاس جائیں اور جہاں جگہ ملے دو رکعت نفل ادا کریں۔

یہ طواف قدوم کہلاتا ہے۔ یہ سنت ہے واجب نہیں ہے۔ یہ صرف باہر سے آنے والوں نے کرنا ہوتا ہے۔ مکہ شریف کے رہنے والوں نے نہیں کرنا ہوتا۔ اسکے بعد آبِ زمزم خوب پیٹ بھر کر پییں۔

اس کے بعد صفا کی طرف نکلیں۔ اور صفا کے اوپر بلندی پر چڑھ جائیں۔ صفا کی آخری چوٹی پر جانا ضروری نہیں ہے۔ صفا پر چڑھ کر کعبہ شریف کی طرف منہ کرلیں اور اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ پڑھیں اور حبیب کریم ﷺ پر درود شریف پڑھیں اور اللہ کریم سے اپنی حاجت کے مطابق دعا کریں۔ پھر مروہ کی طرف چل پڑیں۔ اور اپنی عام رفتار کے ساتھ چلیں۔ راستے میں دو سبز رنگ کے ستون آئیں گے جو سبز رنگ کی لائٹ سے روشن ہوتے ہیں۔ ان ستونوں کے درمیان سے دوڑ کر گزریں۔ جب مروہ پر چڑھ جائیں تو وہی کچھ کریں جو صفا پر کیا تھا۔ یہ ایک چکر ہوا۔ پھر اسی طرح واپس جائیں۔ اور سات چکر مکمل کریں۔ پہلے چکر کی ابتدا صفا سے ہوئی تھی اور ساتویں چکر کی انتہا مروہ پر ہوگی۔

اس کے بعد مکہ شریف میں احرام کی حالت میں ٹھہرے رہیں۔ اور جب بھی موقع ملے تو کعبہ شریف کا طواف کرتے رہیں۔ وہاں کی سب سے بڑی عبادت یہی ہے۔

سات ذی الحج کو امامِ کعبہ خطبہ دیں گے جس میں وہ لوگوں کو منیٰ کی طرف جانے، عرفات میں نماز پڑھنے، وہاں پر ٹھہرنے اور واپس آنے کا طریقہ سمجھائیں گے۔

آٹھ ذی الحج (یہ ترویہ کا دن کہلاتا ہے) کو مکہ شریف میں صبح کی نماز پڑھ کر سب حاجی منیٰ کی طرف چل پڑیں گے۔ اور نو ذی الحج (یہ عرفہ کا دن کہلاتا ہے) کی صبح کی نماز تک منیٰ میں ہی قیام رہے گا۔ صبح کی نماز منیٰ میں پڑھ کر عرفات کے میدان کی طرف چل پڑیں گے۔ عرفات میں امام صاحب خطبہ دیں گے اور پھر ظہر اور عصر کی نماز اکٹھی پڑھائیں گے۔

اس کے بعد میدانِ عرفات میں ٹھہرے رہیں اور اگر ہو سکے تو جبلِ رحمت کے پاس ٹھہرنے کی کوشش کریں۔ جبلِ رحمت میدانِ عرفات کے کنارے پر واقع ہے۔ میدانِ عرفات میں

خوب دعائیں کریں۔ رَبَّنَـا اٰتِـنَا فِیْ الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِیْ الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ایک عظیم دعا ہے۔

جب سورج غروب ہو جائے تو وہاں سے چل پڑیں اور مزدلفہ میں آ کر امام کے پیچھے مغرب اور عشا اکٹھی پڑھیں۔ پھر صبح تک وہیں ٹھہریں اور رات بھر خوب رو رو کر دعائیں کریں، صبح کی نماز پڑھ کر سورج نکلنے سے پہلے پہلے منیٰ میں پہنچ جائیں۔ منیٰ میں سب سے پہلے پیچھے والے ستون (جسے جمرۂ عقبیٰ کہتے ہیں) پر سات کنکریاں ماریں۔ پہلی کنکری کے ساتھ ہی تلبیہ بند کر دیں۔ اور ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہیں۔

اسکے بعد اپنا قربانی کا جانور ذبح کریں۔ پھر سر منڈا دیں یا بال کترا لیں۔ سر منڈانا زیادہ بہتر اور افضل ہے۔ اب آپ پر بیوی کے سواء ہر چیز حلال ہو گئی اور احرام والی پابندیاں ختم ہو گئیں۔

اب آپ اسی دن یا اس سے اگلے دن یا اس سے بھی اگلے دن مکہ شریف پہنچ جائیں اور کعبہ شریف کا طواف کریں۔ یہ طواف طوافِ زیارت کہلاتا ہے اور یہ طواف فرض ہوتا ہے۔ اب آپ کا حج مکمل ہو گیا اور بیوی بھی آپ کے لیے حلال ہو گئی۔

اب سنت یہ ہے کہ طوافِ زیارت کے بعد منیٰ میں واپس چلے جائیں اور قربانی کے دوسرے دن جب سورج ڈھل جائے تو تینوں جمروں کو کنکریاں ماریں۔ مسجد شریف کے قریب والے جمرہ کو سات کنکریاں ماریں۔ اسکے پاس کچھ دیر ٹھہریں اور دعا کریں۔ پھر اس سے اگلے جمرہ پر اسی طرح کریں اور آخر میں جمرہ عقبہ پر کنکریاں ماریں مگر اس کے پاس مت ٹھہریں۔ اس سے اگلے دن بھی سورج ڈھلنے کے بعد اسی طرح کنکریاں ماریں اور اس سے اگلے دن بھی اسی طرح سورج ڈھلنے کے بعد کنکریاں ماریں یعنی تین دن مسلسل۔

اس کے بعد کعبہ شریف چلے جائیں اور طواف کریں۔ مگر اس طواف میں رمل (پہلے تین چکروں میں دوڑنے جیسی حالت) نہ کریں۔ یہ الوداعی طواف ہے جسے طوافِ صدر کہتے ہیں۔ یہ طوافِ صدر واجب ہوتا ہے۔ مگر مکہ شریف کے رہنے والوں پر واجب نہیں۔

عورت کے حج کا طریقہ مرد جیسا ہی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ عورت نے سر ڈھانپا ہوتا ہے، چہرے کو نہیں ڈھانپا ہوتا، تلبیہ بلند آواز سے نہیں پڑھنا ہوتی بلکہ اسطرح پڑھے جسے اسکے اپنے کان سن سکیں۔ طواف میں رمل نہیں کرنا ہوتا، صفا و مروہ کے سبز ستونوں کے درمیان دوڑنا نہیں ہوتا اور سر نہیں منڈانا ہوتا بلکہ تھوڑے سے بال کترنا ہوتے ہیں۔ حج کا یہ سارا طریقہ قرآن مجید، بخاری و مسلم وغیرہ کی احادیث سے ماخوذ ہے اور قدوری شریف صفحہ ۴۹ تا ۵۴ پر ترتیب سے لکھا ہوا ہے۔

اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئی ہو تو حج کا تفصیلی طریقہ سمجھانے اور عملاً حج کرانے کے لیے وہاں پر عملہ موجود ہوتا ہے۔

اگر حج کے دن جمعہ آ جائے تو اسے حج اکبر کہتے ہیں۔ حبیب کریم ﷺ نے فرمایا اَفْضَلُ الْاَيَّامِ يَوْمُ عَرَفَةَ اِذَا وَافَقَ جُمْعَةً وَهُوَ اَفْضَلُ مِنْ سَبْعِيْنَ حَجَّةٍ یعنی سب سے افضل دن عرفہ کا دن ہے اور اگر اسی دن جمعہ بھی آ جائے تو یہ ستر حجوں سے افضل ہے (طحطاوی صفحہ ۴۰۷)۔

اگر کوئی دائمی معذور یا مجبور آدمی اپنی جگہ کسی دوسرے کو حج پر بھیجنا چاہے تو بھیج سکتا ہے۔ اسے حجِ بدل کہتے ہیں۔ فوت شدہ آدمی کی طرف سے بھی حج بدل کرانا جائز ہے۔ حجِ بدل کسی آدمی سے کرانا چاہیے جس پر اپنا حج فرض نہ ہو۔ حج بدل پر جانے والے کو چاہیے کہ جس کی طرف سے حج کو جا رہا ہے اسی کی طرف سے حج کی نیت کرے۔ جسکی طرف سے حجِ بدل ادا ہو چکا ہو وہ خود اگر تندرست ہو جائے یا اسکی مجبوری ختم ہو جائے تو اس پر دوبارہ حج فرض ہو جائے گا بشرطیکہ اسکے پاس باقی استطاعت موجود ہو (کنز الدقائق صفحہ ۹۴، فتاویٰ عالمگیری جلد ا صفحہ ۲۵۷، شامی جلد ۲ صفحہ ۲۵۸)۔

خطبۂ حجۃ الوداع

محبوب کریم ﷺ نے ایک ہی حج فرمایا۔ اس حج کے موقع پر آپ ﷺ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا وہ رہتی دنیا تک یادگار رہے گا۔ ۱۹۸۷ء کی بات ہے، فقیر راقم الحروف نے پشاور شہر میں مال روڈ کے چرچ کے عیسائی پادری سے پوچھا کہ آپ ہمارے نبی کریم ﷺ کی کسی بات سے متاثر ہوئے؟ اس نے تھوڑی دیر سوچ کر کہا "خطبۂ حجۃ الوداع"۔

اس خطبے میں رحمت کائنات ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ دِمَآءَ کُمْ وَاَمْوَالَکُمْ حَرَامٌ عَلَیْکُمْ کَحُرْمَةِ یَوْمِکُمْ هٰذَا ، فِی شَهْرِکُمْ هٰذَا ، فِی بَلَدِکُمْ هٰذَا ، اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مِنْ اَمْرِ الْجَاهِلِیَّةِ تحتَ قَدَمَیَّ مَوْضُوْعٌ ، وَدِمَآءُ الْجَاهِلِیَّةِ مَوْضُوعَةٌ ، وَاِنَّ اَوَّلَ دَمٍ اَضَعُ مِنْ دِمَآئِنَا دَمُ ابْنِ رَبِیْعَةَ بْنِ الْحَارِثِ (کَانَ مُسْتَرضِعًا فِی بَنِی سَعْدٍ فَقَتَلَهُ هُذَیْلٌ) ، وَ رِبَا الْجَاهِلِیَّةِ مَوْضُوْعٌ وَ اَوَّلُ رِبًا اَضَعُ رِبَانَا رِبَا عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ، فَاِنَّهٗ مَوْضُوْعٌ کُلُّهٗ ، فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِی النِّسَآءِ ، فَاِنَّکُم اَخَذْتُمُوْهُنَّ بِاَمَانِ اللّٰهِ ، وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِکَلِمَةِ اللّٰهِ ، وَلَکُمْ عَلَیْهِنَّ اَنْ لَّا یُوْطِئْنَ فُرُشَکُمْ اَحَدًا تَکْرَهُوْنَهٗ ، فَاِنْ فَعَلْنَ ذٰلِكَ فَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَیْرَ مُبَرِّحٍ ، وَلَهُنَّ عَلَیْکُمْ رِزْقُهُنَّ وَکِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ، وَقَدْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ مَالَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهٗ اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهٖ ، کِتَابَ اللّٰهِ ، وَاَنْتُمْ تُسْاَلُوْنَ عَنِّی ، فَمَا اَنْتُم قَائِلُوْنَ ؟ قَالُوا نَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَاَدَّیْتَ وَنَصَحْتَ ، فَقَالَ بِاُصْبُعِهِ السَّبَّابَةِ یَرْفَعُهَا اِلَی السَّمَآءِ وَیَنْکُتُهَا اِلَی النَّاسِ ، اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ ، اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ ، ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ، (وَفِی رِوَایَةِ اَبِی بَکْرَةَ قَالَ فَلَا تَرجِعُوا بَعْدِی ضَلَالًا یَضْرِبُ بَعْضُکُمْ رِقَابَ بَعْضٍ اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ قَالُوا نَعَمْ قَالَ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ فَلْیُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعیٰ مِنْ سَامِعٍ)

ترجمہ: تمہارے خون اور تمہارے مال آج کے دن کی عظمت کی طرح اس مہینے میں اور اس شہر میں ایک دوسرے پر حرام ہیں۔ آج جہالت کی تمام رسمیں میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ زمانۂ جہالت کی دشمنیاں ختم کر دی گئی ہیں۔ سب سے پہلے میں ابن ربیعہ بن حارث کا خون معاف کرتا ہوں۔ زمانۂ جاہلیت کے تمام سود ختم کر دیے گئے ہیں۔ سب سے پہلے میں عباس ابن مطلب کا سود ختم کرتا ہوں۔ عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا، اللہ نے انہیں تمہاری پناہ میں دیا ہے اور اپنے

کلام کے ذریعے ان کی شرم گاہیں تمہارے لیے حلال کی ہیں۔ عورتوں پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی اور کو نہ سلائیں۔ اگر وہ ایسی حرکت کریں تو انہیں ضرورت کے مطابق محتاط سزا دو۔ عورتوں کا تمہارے اوپر حق یہ ہے کہ تم انہیں اچھے طریقے سے کھانا اور لباس دو۔ میں تم میں اللہ کی کتاب چھوڑ کر جا رہا ہوں، اگر اس پر عمل کرتے رہو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ قیامت کے دن اللہ تم سے میرے بارے میں پوچھے گا تو کیا جواب دو گے؟ سب نے جواب دیا ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے ہم تک احکام پہنچا دیے، تبلیغ کا حق ادا کر دیا اور بھلائی کی انتہا کر دی۔ آپ ﷺ نے اپنی شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی، اسی انگلی سے لوگوں کی طرف بھی اشارہ کیا اور فرمایا اے اللہ گواہ رہنا، اے اللہ گواہ رہنا، اے اللہ گواہ رہنا۔ اے لوگو! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا اور ایک دوسرے کی گردن مت مارنے لگنا۔ بتاؤ، کیا میں نے پیغام پہنچا دیا ہے؟ سب نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ گواہ رہنا۔ جو لوگ حاضر ہیں وہ ان تک میرا پیغام پہنچا دیں جو غیر حاضر ہیں۔ کتنے ہی سننے والے ایسے ہوتے ہیں کہ جب وہ سنی ہوئی بات آگے بتاتے ہیں تو اگلا ان سے زیادہ سمجھدار ہوتا ہے (مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی، المستند صفحہ ۲۰۰)۔

عمرہ

زندگی میں ایک بار عمرہ کرنا سنت مؤکدہ ہے (شامی جلد ۲ صفحہ ۱۶۴، طحطاوی صفحہ ۴۰۷)۔

یہ حج کے دن کے سوا سال کے کسی بھی دن کیا جا سکتا ہے۔ میقات سے احرام باندھ کر کعبہ کا طواف کرنے، صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنے اور سعی کے بعد حلق کرانے یا تقصیر کرانے سے عمرہ مکمل ہو جاتا ہے۔ خواہ کوئی ایک دن میں کئی عمرے کر لے یا روزانہ عمرہ کرتا رہے۔

جس شخص کے پاس حج کی استطاعت نہ ہو مگر عمرے کی استطاعت ہو اور وہ عمرہ کر لے تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔ اس پر حج اسی وقت فرض ہو گا جب اس کے پاس حج کی استطاعت ہو گی۔ یہ بات مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَیۡهِ سَبِیۡلًا سے ظاہر ہو رہی ہے۔

جو شخص شوال کے مہینے میں عمرہ کرے یا مکہ شریف کی حدود میں موجود ہو تو اگر اس کا بس

چلتا ہو تو اس پر لازم ہے کہ حج کر کے آئے لیکن اگر اس کی جیب اجازت نہ دے یا حکومت کی طرف سے پابندی ہو تو حج کیے بغیر واپس آ جانا جائز ہے۔

محبوب کریم ﷺ نے فرمایا کہ اِنَّ عُمْرَةً فِی رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً یعنی رمضان شریف کا عمرہ حج کے برابر ہے (مسلم، بخاری، مشکوٰۃ صفحہ ۲۲۱، المستند صفحہ ۱۹۶)۔

قربانی

اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ یعنی اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر (الکوثر: ۲)۔ حبیب کریم ﷺ نے فرمایا مَنْ كَانَ لَهٗ سَعَةٌ وَلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا یعنی جس نے گنجائش کے باوجود قربانی نہیں دی وہ ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ آئے (ابنِ ماجہ، المستند صفحہ ۱۶۰)۔

نیز فرمایا مَا عَمِلَ ابنُ آدَمَ مِن عَمَلٍ یَومِ النَّحْرِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰهِ مِن اِهرَاقِ الدَّمِ وَاِنَّهٗ لَیَأْتِی یَومَ القِیَامَةِ بِقُرُونِهَا وَاَشعَارِهَا وَاَظلَافِهَا وَاِنَّ الدَّمَ لَیَقَعُ مِنَ اللّٰهِ بِمَكَانٍ قَبلَ اَن یَقَعَ بِالْاَرضِ فَطِیبُوا بِهَا نَفساً یعنی قربانی کے دن اللہ کا سب سے پسندیدہ عمل قربانی کا خون بہانا ہے۔ قیامت کے دن قربانی کا جانور اپنے سینگھوں، بالوں اور کھروں سمیت سامنے آئے گا۔ جانور کا خون زمین پر گرنے سے پہلے پہلے اللہ کے ہاں قبول ہو جاتا ہے۔ اللہ کی اس کرم نوازی پر خوش ہو جاؤ (ترمذی، ابنِ ماجہ، المستند صفحہ ۱۶۰)۔

ایک مرتبہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ قربانی کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ تمہارے باپ ابراہیم کی سنت ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس میں ہمیں کیا اجر ملتا ہے؟ فرمایا ہر بال کے بدلے میں نیکی۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اُون پر کیا اجر ہے؟ فرمایا اُون کے بھی ہر بال پر نیکی ہے (احمد، ابنِ ماجہ، المستند صفحہ ۱۶۰)۔

9 ذی الحج کے دن صبح سے لے کر 13 ذی الحج کی عصر تک ہر فرض نماز کے فوراً بعد بلند

آواز سے کم از کم ایک مرتبہ تشریق پڑھنا واجب ہے اور تین بار پڑھنا مستحب ہے۔ تشریق کے الفاظ یہ ہیں: اَللّٰهُ اَكْبَر اَللّٰهُ اَكْبَر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَر اَللّٰهُ اَكْبَر وَ لِلّٰهِ الْحَمْد

قربانی دینے والے کے لیے مستحب ہے کہ قربانی کا چاند نظر آنے کے بعد قربانی تک بال نہ کٹوائے اور ناخن نہ اتارے تاکہ حاجیوں سے مشابہت ہو جائے۔

عیدالاضحیٰ کی نماز پڑھنے کے بعد قربانی دینا مقیم اور امیر آدمی پر فرض ہے۔ اونٹ پانچ سال کا، گائے اور بھینس دو سال کی، بکرا، چھترا اور دُنبہ ایک سال کا۔ اور چھ ماہ کا ایسا دُنبہ جو دیکھنے میں ایک سال کا لگتا ہو اس کی قربانی جائز ہے۔ اُونٹ، گائے اور بھینس میں سات حصے دار شامل ہوں جبکہ بکرا، دُنبہ، چھترا، ایک کی طرف سے قربانی دیا جائے۔ جہاں عید کی نماز پڑھائی جاتی ہو وہاں اگر کسی آدمی نے عید پڑھنے سے پہلے قربانی ذبح کر دی تو یہ قربانی جائز نہیں ہوئی، نئی قربانی دینا پڑے گی۔

ایسا عیب جو کسی منفعت کو ختم کر دے یا جمال کو خراب کر دے اس سے قربانی جائز نہیں رہتی۔ جس کے پیدائشی سینگ نہ ہوں اس کی قربانی جائز ہے۔ اگر سینگ جڑھ تک ٹوٹا ہوا ہو یا گودا نظر آ رہا ہو تو قربانی جائز نہیں۔ خصی جانور کی قربانی جائز ہے۔ اندھے، کانے، لنگڑے اور لاغر جانور جو قربان گاہ تک چل کر نہ جا سکے، جس کی ایک ٹانگ کٹی ہوئی ہو، آدھے سے زیادہ کان کٹے اور آدھے سے زیادہ دُم کٹے جانور کی قربانی جائز نہیں۔ جس بکری کا ایک تھن یا گائے، بھینس اور اونٹنی کے دو تھن ضائع ہو چکے ہوں اس کی قربانی جائز نہیں لِلْاَكْثَرِ حُكْمُ الْكُل۔

اگر قربانی دینے والا ذبح سے پہلے فوت ہو جائے تو اس کے ورثاء کی اجازت سے اس کی طرف سے قربانی ذبح کر دینا جائز ہے ورنہ نہیں (تنویر الابصار، درمختار، شامی جلد ۵ صفحہ ۲۲۹)۔ اگر قربانی کے حصہ داروں میں کوئی غیر مسلم شامل ہو جائے یا کوئی شخص محض گوشت خوری کی نیت سے شامل ہو جائے تو سب کی قربانی ناجائز ہے (تنویر الابصار، درمختار، شامی جلد ۵ صفحہ ۲۲۹)۔ اگر کسی آدمی نے صحیح سلامت جانور خریدا مگر بعد میں اس جانور میں ایسا عیب پیدا ہو گیا جو قربانی میں مانع ہے تو اگر اس کا مالک امیر آدمی ہے تو وہ اس کی جگہ پر نئی قربانی خریدے اور اگر وہ غریب آدمی ہے تو

وہی جانور قربان کر دینا جائز ہے۔اسی طرح اگر جانور مر جائے تو امیر آدمی نیا خریدے اور غریب آدمی نہ خریدے (تنویر الابصار، درمختار، شامی جلد ۵ صفحہ ۲۲۹)۔

قربانی کا چمڑا صدقہ کر دیا جائے یا خود استعمال کر لیا جائے۔اگر خود استعمال کرے تو براہِ راست چمڑا استعمال کرے یعنی اس کا تھیلہ یا چھلنی یا بچھونا وغیرہ بنا لے۔بیچ کر پیسا استعمال نہیں کر سکتا۔ کسی مدرسہ یا دینی ادارے کو دینا افضل ہے۔

قربانی کے تین حصے کر کے ایک خود کھانا، دوسرا رشتہ داروں کو دینا، خواہ وہ امیر ہوں یا غریب اور تیسرا غرباء کو دینا مستحب ہے۔قربانی خود ذبح کرنا بہتر ہے۔اگر جانور کے پیٹ سے زندہ بچہ نکلے تو اسے ذبح کر دیا جائے اور اگر مرا ہوا بچہ نکلے تو اسے پھینک دیا جائے۔

اگر قصاب وغیرہ سے قربانی ذبح کرائی جائے تو اسکی اُجرت اپنے پاس سے دی جائے۔ گوشت یا چمڑا اُجرت میں دینا جائز نہیں بلکہ قصاب کو خود چاہیے کہ بحیثیت مسلمان یہ چیزیں اُجرت میں لینے سے انکار کر دے۔قربانی کے مسائل کنز الدقائق صفحہ ۴۲۰ تا ۴۲۲، قدوری صفحہ ۱۹۷ تا ۱۹۸، شامی جلد ۵ صفحہ ۲۱۹ تا ۲۳۶ اور عالمگیری جلد ۵ صفحہ ۳۰۶ تا ۳۰۸ سے لیے گئے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے دو قربانیاں ذبح فرمائیں۔ایک اپنی طرف سے اور دوسری اُمت کی طرف سے (طحاوی، احمد، ابوداؤد، ابنِ ماجہ، دارمی، المستند صفحہ ۱۶۱)۔

آپ ﷺ نے حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے علی میرے بعد ہر سال دو قربانیاں دینا۔ایک اپنی طرف سے اور ایک میری طرف سے (ترمذی جلد ۱ صفحہ ۲۷۵)۔

کسی دوسرے کی طرف سے قربانی دینے سے پہلے اپنا واجب ادا کرنا ضروری ہے۔ حبیبِ کریم ﷺ کی طرف سے قربانی کرنا بہت بڑی سعادت ہے۔

ذبح کرنے کا طریقہ:۔ گردن میں چار رگیں ہوتی ہیں۔خوراک کی نالی جسے مری کہتے ہیں، سانس کی نالی جسے حلقوم کہتے ہیں اور دماغ کی طرف خون لے جانے والی دو شریانیں جنہیں ودجان کہتے ہیں۔مری اور حلقوم گردن کے وسط میں آگے پیچھے ہوتے ہیں جب کہ ودجان گردن

کے دائیں بائیں ہوتی ہیں۔ ذبح کرتے وقت ان چار میں سے کم از کم تین کا کٹ جانا ضروری ہے۔ چھری خوب تیز کرلی جائے اور جانور کو بائیں کروٹ قبلہ رخ لٹا کر ذبح کیا جائے۔

زیارت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(۱)۔ حج کے بعد محبوب کریم ﷺ کی زیارت کیلئے جانا واجب کے قریب ہے بلکہ اسے واجب ہی کہنا زیادہ مناسب ہے۔ اس لیے کہ جس ہستی کے طفیل ہمیں اسلام نصیب ہوا، حج کی عبادت عطا ہوئی، جس نے ہمیں حج کے مناسک وآداب سکھائے، آج کوئی شخص حج کر چکنے کے بعد اسی محسن و مربی کو فراموش کر کے گھر واپس آجائے تو یہ اس کی بدنصیبی کی انتہا ہے۔ خصوصاً جب کہ محبوب کریم رؤف ورحیم ﷺ نے فرمایا کہ مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ وَلَمْ يَزُرْنِيْ فَقَدْ جَفَانِي یعنی جس نے حج کیا اور میری زیارت کو نہ آیا اس نے مجھ سے بے وفائی کی (ابن عدی، المستند صفحہ۲۰۲)۔

(۲)۔ اور فرمایا جس نے میری قبر کی زیارت کی اس پر میری شفاعت واجب ہے (دار قطنی جلد۲ صفحہ۲۴۴، الشفاء جلد۲ صفحہ۶۸، الوفا صفحہ۸۰۰، المستند صفحہ۲۰۲)۔ اور فرمایا جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی گویا اس نے میری حیات میں زیارت کی (بیہقی فی شعب الایمان، مشکوٰۃ صفحہ۲۴۱، دار قطنی عن ابنِ عمر رضی اللہ عنہما جلد۲ صفحہ۲۴۴، الوفا عن ابنِ عباس رضی اللہ عنہما صفحہ۸۰۰، المستند صفحہ۲۰۲)۔

(۳)۔ حبیب کریم ﷺ نے فرمایا مَنْ زَارَنِيْ مُتَعَمِّداً كَانَ فِيْ جِوَارِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ یعنی جس نے ارادۃً میری زیارت کی وہ قیامت کے دن میرے پڑوس میں ہوگا (رواہ البیہقی فی شعب الایمان، المستند صفحہ۲۰۲)۔

اس حدیث شریف میں مُتَعَمِّداً (یعنی ارادہ کرتے ہوئے) کے لفظ سے ظاہر ہے کہ مدینہ شریف کی طرف سفر شروع کرتے وقت سرکار دوعالم ﷺ کی زیارت کی نیت اور ارادہ کرنا چاہیے۔ جس حدیث شریف میں ہے کہ تین مسجدوں (یعنی مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ) کے علاوہ سپیشل سفر مت کرو، تو اس حدیث شریف میں صرف مساجد کی بات ہو رہی ہے یعنی ان مسجدوں

کے علاوہ کسی دوسری مسجد میں نماز پڑھنے کی خاطر سپیشل سفر کرنا منع ہے۔ ورنہ حج کے دوران عرفات، مزدلفہ، منٰی میں جانا، جہاد، ہجرت اور ماں باپ کی زیارت وغیرہ سب کام حرام ہو جائیں گے۔

اگر چہ قبرِ نبی، مزارِ نبی اور روضۂ رسول کے الفاظ استعمال کرنا جائز ہے اور بعض احادیث میں بھی سمجھانے کے لیے عام اصطلاح کے طور پر قبر کا لفظ استعمال ہوا ہے اور سمجھانے کے لیے بعض اوقات ہمیں بھی یہ لفظ استعمال کرنا پڑتا ہے، لیکن قبر کی زیارت کا لفظ عوام کی قبروں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی شان کو عام مسلمانوں سے ممتاز رکھنے کا حکم دیا ہے (النور: ۶۳)۔ لہٰذا ہمارے لیے مناسب یہی ہے کہ قبرِ نبی کی زیارت کی بجائے نبی کریم ﷺ کی زیارت کے الفاظ استعمال کریں۔ یہی قول امام مالک رحمت اللہ علیہ کا ہے (الشفاء جلد۲ صفحہ ۶۹)۔ قرآنی الفاظ جَاءُوْكَ (یعنی گناہ گار لوگ تیرے پاس آ جائیں) بھی اسی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ چند سطریں پہلے ایک حدیث گزر چکی ہے جس میں مَنْ زَارَنِیْ کے الفاظ ہیں یعنی جس نے میری زیارت کی۔ حضرت ابو ایوب انصاری ﷛ نے بھی مزارِ اقدس پر حاضر ہو کر یہی کہا تھا کہ اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یعنی میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہوں (مسندِ احمد جلد۵ صفحہ ۴۲۳، مستدرک حاکم جلد۵ صفحہ ۵۱۸)۔ نیز محبوب کریم ﷺ اپنی قبرِ انور میں زندہ ہیں۔ اسی لیے بعض علماء نے زیارت النبی ﷺ ہی کا عنوان قائم فرمایا ہے (مثلاً نور الایضاح صفحہ ۱۸۷)۔

(۴)۔ مدینہ منورہ کی طرف سفر، مدینہ منورہ میں داخلہ، مدینہ منورہ کی مقدس گلیوں میں سفر، سواری سے اترنا اور حرمِ حبیب تک چل کر حاضر ہونا یہ تمام ایسے مراحل ہیں کہ محبت والوں کو قدم قدم پر ہماری راہنمائی کام نہیں دے سکتی۔ ہاں البتہ حرمِ حبیب ﷺ میں حاضری دینے والے خوش نصیبوں کو فقیر راقم الحروف دعا دیتا ہے کہ اللہ کریم آپ کو ادب کی توفیق دے اور محبتِ حبیب ﷺ میں مست بنائے۔

(۵)۔ جب روضۂ انور دور سے نظر آ جائے تو کثرت سے درود و سلام پڑھنا چاہیے۔

(۶)۔ حاضری سے پہلے تازہ وضو، مسواک اور اگر ہو سکے تو غسل کرنا چاہیے۔ بہترین لباس، خوشبو اور سرمہ لگا کر حاضری کے لیے نکلنا چاہیے۔

(۷)۔ مسجد شریف کی حد میں داخل ہونے سے پہلے جوتے اتار لینا مناسب ہے۔

(۸)۔ مسجد شریف کے باہر اپنا موبائل بند کر دیں۔

باب جبریل کے پہلو میں ذرا دھیرے سے
فخر جبریل کو کہتے ہوئے یوں پایا گیا

اپنی پلکوں سے در یار پہ دستک دینا
اونچی آواز ہوئی عمر کا سرمایہ گیا

(حضرت خواجہ محمد فخر الدین سیالوی قدس سرہٗ)

(۹)۔ مسجد شریف کے دروازے پر پہنچ کر درود شریف کی کثرت کرنی چاہیے اور ادب کا ایک انداز یہ ہے کہ داخل ہوتے وقت ایک لمحہ کے لیے رُک جائیں اور رُک کر پھر داخل ہوں، جیسے اجازت لے کر داخل ہو رہے ہوں۔ پھر بسم اللہ پڑھ کر مسجد میں داخل ہونے کی مسنون دعا اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ پڑھنی چاہیے اور دایاں پاؤں پہلے رکھنا چاہیے۔

(۱۰)۔ مسجد شریف میں اگر جماعت تیار ہے تو باجماعت نماز پڑھیں۔ یہی نماز تحیۃ المسجد کے بھی قائم مقام ہو جائے گی۔ اور اگر جماعت کا وقت نہیں تو دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کریں اور اللہ کریم سے محبوب کریم ﷺ کی بارگاہِ ناز میں ادب سے حاضری دینے کی توفیق مانگیں۔

(۱۱)۔ سر جھکائے ہوئے باب السلام کی جانب سے قبر انور کی طرف چلیں۔ دوسرے زائرین کا احترام کریں۔ کسی کو دھکا مت دیں۔ زائرین کی قطاریں لمبی ہوں تو کسی کو کراس نہ کریں۔

(۱۲)۔ حبیب کریم ﷺ بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِھِمْ یُصَلُّوْنَ یعنی انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں نمازیں پڑھتے ہیں (مسند ابی یعلیٰ جلد ۳ صفحہ ۱۴۰، المسند صفحہ ۱۷)۔ لہٰذا قبرِ انور کے سامنے پہنچ کر قبر انور کی طرف مُنہ کر لیں اور قبلہ کی طرف پیٹھ کر لیں اور نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کو قبر انور میں زندہ سمجھتے ہوئے نہایت ادب کے ساتھ نماز کی طرح ہاتھ باندھ لیں اور دھیمی آواز کے ساتھ عرض کریں۔

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا نَبِیَّ اللّٰهِ

اس طرح کے درود شریف جی بھر کر پڑھیں۔ اور پھر محبوب کریم ﷺ کے احسانوں کا شکریہ ادا کریں کہ آپ ﷺ نے ہمیں دین دیا اور سکھایا۔ آپ ﷺ کو قیامت کے دن شفاعت کی درخواست کریں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی قبرِ انور پر قبلہ کی طرف سے آؤ، اپنی پشت قبلہ کی طرف کرلو اور چہرہ قبر انور کی طرف کرلو۔ پھر کہو اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ (مسند امام اعظم صفحہ ۱۲۶)۔

صحابہ کرام اگر نماز میں ہوتے اور انہیں محبوب کریم ﷺ آواز دیتے تو صحابہ کو اللہ کریم نے حکم دیا ہے کہ نماز توڑ کر حبیب کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوجائیں یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ (انفال: ۲۴)۔

ایک مرتبہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے کہ حبیب کریم ﷺ نے حجرہ مبارک کا پردہ اٹھا کر مسجد میں دیکھا۔ تمام صحابہ کرام نے حضور ﷺ کو دیکھنا شروع کر دیا مگر پھر بھی نماز نہیں ٹوٹی (بخاری جلد ۱ صفحہ ۹۳، المستند صفحہ ۱۵)۔

ہر نماز میں ہم اللہ کی بارگاہ میں بیٹھ کر اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ کے الفاظ کے ساتھ محبوب کریم ﷺ کو خطاب کرتے ہیں۔ مگر نماز میں خلل تو درکنار اس کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں۔

ایک نابینا صحابی کو محبوب کریم ﷺ نے یہ دعا سکھائی۔ وہ صحابی اللہ کی بارگاہ میں بیٹھ کر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگ رہے تھے۔ اسی دعا میں وہ کبھی اللہ تعالیٰ کو مخاطب ہوتے اور کبھی حبیب کریم ﷺ کو مخاطب ہوتے تھے۔

دعا یہ ہے کہ: اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی رحمت محمد ﷺ کا تجھے واسطہ دیتا ہوں۔ یا نبی اللہ میں آپ کے ذریعے سے اللہ کی بارگاہ میں متوجہ ہوتا ہوں تا کہ وہ میری حاجت روائی کرے۔ اے اللہ میرے حق میں اپنے نبی کی شفاعت قبول فرما (ترمذی جلد ۲ صفحہ

۱۹۸، ابن ماجہ صفحہ ۹۹، المستند صفحہ ۱۸)۔

اس حدیث شریف سے بھی معلوم ہوا کہ اللہ کی بارگاہ میں دعا کرتے وقت محبوب کریم ﷺ کی خدمت میں بھی درخواست پیش کر دینا اور دونوں طرف کا خطاب باہم گڈمڈ کر دینا جائز ہے۔ ان حدیثوں سے حضور کریم ﷺ کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا ثابت ہے اور حضرت عثمان بن حُنَیف والی حدیث سے ہاتھ اٹھا کر دعا کی طرح عرض کرنا ثابت ہے۔

ایک مرتبہ خادمِ رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ محبوب کریم ﷺ کی قبرِ انور پر حاضر ہوئے، آپ نے کھڑے ہو کر ہاتھ اٹھائے حتیٰ کہ دیکھنے والوں کو یوں لگا کہ انہوں نے نماز شروع کر دی ہے (الشفاء جلد۲ صفحہ ۷۰)۔

چاند کو دیکھ کر مسنون دعا مانگنے والا اَللّٰھُمَّ کہہ کر اللہ کریم سے دعا مانگ رہا ہوتا ہے اور اسی دوران رَبِّیْ وَرَبُّکَ اللّٰہُ کہہ کر چاند کو خطاب کر رہا ہوتا ہے اور اُس وقت اس کا منہ چاند ہی کی طرف ہوتا ہے، اس وقت چاند کی طرف پیٹھ نہیں کی جاتی۔ عام قبرستان میں جا کر سلام اور دعا کرتے وقت اور یَغْفِرُ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ کے دعائیہ الفاظ کہتے وقت زائر کا منہ قبرستان کی طرف ہوتا ہے نہ کہ پیٹھ۔ امام جب سلام پھیرتا ہے تو اپنا چہرہ مقتدیوں کی طرف پھیر کر دعا کرتا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ مقتدیوں سے دعا مانگ رہا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ایک مومن کی شان کعبہ سے بڑھ کر ہے (ابنِ ماجہ صفحہ ۲۸۲)۔ جب ایک مومن کی شان کعبے سے زیادہ ہے تو ایک ولی کا کیا مقام ہوگا، پھر ایک صحابی کا کیا مقام ہوگا، پھر ایک نبی کا کیا مقام ہوگا اور پھر سید الانبیاء ﷺ کا کیا مقام ہو گا؟ حضور ﷺ کے جسمِ اطہر کو چھونے والی مٹی عرش سے بھی اعلیٰ و افضل ہے اور آپ کا روضۂ انور کعبے کا بھی کعبہ ہے، تو کعبے کے مقابلے پر حضور کریم ﷺ کی طرف پیٹھ کر لینا کتنی قبیح حرکت ہوگی؟۔

جب ہم کسی بھی مسلمان کو السلام علیکم کہتے ہیں تو بلاشبہ یہ دعا ہی ہے جو ہم اپنے مسلمان بھائی کو دے رہے ہوتے ہیں مگر یہ دعائیہ جملہ بولتے وقت ہمارا منہ اپنے مسلمان بھائی کی طرف ہوتا ہے نہ کہ پیٹھ۔

یہ نا قابلِ تردید دلائل ہیں جن کی بنا پر علماءِ اسلام نے تصریح فرمائی ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے روضۂ انور کے سامنے نماز کی طرح ہاتھ باندھ کر سرکار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہونا چاہیے۔ چنانچہ فتاویٰ عالم گیری جو علماء کی ایک عظیم جماعت نے مل کر لکھا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں کہ وَيَقِفُ كَمَا يَقِفُ فِي الصَّلٰوةِ یعنی اس طرح کھڑا ہو جس طرح نماز میں کھڑا ہوتا ہے (فتاویٰ عالم گیریہ جلد ا صفحہ ۲۶۵)۔ اور وہیں کھڑے ہو کر روضۂ پاک کی طرف منہ کر کے ہر طرح کی دعائیں مانگنا بھی لکھا ہے۔

سیدنا و مولینا علی المرتضیٰ ﷺ فرماتے ہیں کہ محبوب کریم ﷺ کے دفن ہونے کے تین دن بعد ہم نے ایک اعرابی کو دیکھا۔ وہ محبوب کریم ﷺ کی قبرِ انور پر سر ڈال کر اور اپنے سر پر قبرِ انور کی مٹی ڈال کر عرض کر رہا تھا۔ یا رسول اللہ ہم نے آپ کی زبان مبارک سے اللہ کا فرمان سنا ہے کہ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَاءُوْكَ ۔ یا رسول اللہ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے اور آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا ہوں۔ میرے لیے اللہ سے استغفار فرمائیں۔ قبر انور سے آواز آئی کہ تیری بخشش ہو گئی (مدارک جلد ا صفحہ ۳۹۹، قرطبی جلد ۵ صفحہ ۲۵۵)۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ مروان بن حکم نے کسی آدمی کو محبوب کریم ﷺ کی قبرِ انور پر منہ رکھے ہوئے دیکھا۔ اُس نے اسے گردن سے پکڑ لیا اور کہا جانتے ہو کیا کر رہے ہو؟ اُس آدمی نے کہا ہاں جانتا ہوں کیا کر رہا ہوں، ساتھ ہی جب چہرہ اس کی طرف پھیرا تو وہ سیدنا ابو ایوب انصاری ﷺ تھے۔ فرمانے لگے میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا ہوں، کسی بُت کے پاس نہیں آیا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تک حکمران اہل ہوں تو دین پر مت رونا اور جب دین کی حکمرانی نا اہلوں کے ہاتھ میں ہو تو دین پر رونا (مسندِ احمد جلد ۵ صفحہ ۴۹۳، مستدرک حاکم جلد ۵ صفحہ ۴۱۸، المستند صفحہ ۱۷۶)۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے امیر المومنین ابو جعفر نے مسجد نبوی شریف میں بحث کی تو آپ نے فرمایا اے امیر المومنین اس مسجد میں اپنی آواز بلند مت کرو۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ ۔ ابو جعفر نے پوچھا، میں قبلے کی طرف منہ کر کے دعا مانگوں یا

رسول اللہ کی طرف منہ کر کے دعا مانگوں؟ آپ نے فرمایا تم اس سے اپنا منہ کیوں پھیرتے ہو جو قیامت کے دن تیرا بھی وسیلہ ہے اور تیرے باپ آدم علیہ السلام کا بھی وسیلہ ہے، قبلے کی بجائے نبی کریم ﷺ کی طرف منہ کرو اور شفاعت طلب کرو، اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی شفاعت قبول فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَاءُوْكَ (الشفاء جلد۲ صفحہ۳۳)۔

لہٰذا آج بھی جب دیارِ حبیب پر حاضری نصیب ہو تو عرض کریں کہ یارسول اللہ، اللہ کریم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَاءُوْكَ لہٰذا ہماری شفاعت فرمائیں۔ پھر اگر کسی نے سلام عرض کرنے کو کہا تو اسکی طرف سے بھی سلام عرض کریں خواہ کسی بھی زبان میں سہی۔ محبوب کریم ﷺ تمام زبانیں جانتے ہیں۔

اس کے بعد جو چاہیں دعا مانگیں۔ فقہا علیہم الرضوان نے لکھا ہے کہ ثُمَّ تَدْعُوْ بِمَا شِئْتَ عِنْدَ وَجْهِهِ الْكَرِيْمِ مُسْتَدْبِرًا الْقِبْلَةَ یعنی محبوب کریم ﷺ کی طرف منہ کر کے قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے جو چاہو دعائیں مانگو (نورالایضاح صفحہ۱۹۲)۔

اس کے بعد سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کو باری باری سلام عرض کریں اور ان کے احسانوں کا بھی شکریہ ادا کریں۔ یہ وہ ہستیاں ہیں کہ اسلام کی بنیادوں میں ان کا خون پسینہ لگا ہوا ہے۔ ان دونوں ہستیوں کو عرض کریں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہم آپ کو وسیلہ بناتے ہیں تاکہ ہماری شفاعت ہو جائے نَتَوَسَّلُ بِكُمَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ يَشْفَعُ لَنَا (فتاویٰ عالمگیریہ جلد۱ صفحہ۲۶۶، نورالایضاح صفحہ۱۹۳)۔ وسیلے کے موضوع پر اس کتاب میں دعا کے باب میں مفصل بحث گزر چکی ہے۔

اس کے بعد فقہا علیہم الرضوان فرماتے ہیں کہ ثُمَّ يَدْعُوْ لِنَفْسِهِ وَلِوَالِدَيْهِ وَلِمَنْ اَوْصَاهُ بِالدُّعَاءِ وَلِجَمِيْعِ الْمُسْلِمِيْنَ یعنی اپنے لیے دعا مانگے اور اپنے والدین کے لیے اور جس نے دعا کے لیے کہا تھا اس کے لیے اور تمام اہلِ اسلام کے لیے دعا مانگے (فتاویٰ عالمگیریہ جلد۱ صفحہ۲۶۶، نورالایضاح صفحہ۱۹۳۔۱۹۴)۔

اسکے بعد دوبارہ حبیب کریم ﷺ کے چہرہ انور کے سامنے واپس آجائیں اور دعا کریں کہ اے اللہ کریم آپ نے خود فرمایا ہے اور حق فرمایا ہے کہ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَاءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا یعنی جب یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرلیں تو اے محبوب آپکی بارگاہ میں حاضر ہوجائیں اور اللہ سے معافی مانگیں اور اللہ کا رسول بھی ان کے لیے معافی مانگے تو اللہ کو معاف کرنے والا مہربان پائیں گے۔

اے اللہ کریم ہم تیرے حکم پر عمل کرتے ہوئے تیرے حبیب کی خدمت میں حاضر ہو گئے ہیں اور خطاؤں کا اعتراف کرتے ہیں۔ ہمیں اپنے حبیب کے صدقے بخش دے۔ ہمارے ماں باپ اور حضور کی ساری اُمت کو بخش دے۔ اس کے علاوہ بھی جو دعائیں زبان پر جاری ہوسکیں مانگنا جائے۔ یہ قبولیت کا بلند ترین مقام ہے۔ وَيَدْعُوْ بِمَا حَضَرَهٗ وَيُوَفِّقُ لَهٗ بِفَضْلِ اللّٰهِ (نور الایضاح صفحہ ۱۹۴، فتاویٰ عالمگیریہ جلد ا صفحہ ۲۶۶)۔

اس کے بعد اسطوانہ ابی لبابہ، اسطوانہ عائشہ اور حنانہ شریفہ کے پاس جاکر دعائیں مانگیں اور استغفار کریں۔ اور روضہ (جسے عام طور پر ریاض الجنہ کہتے ہیں) میں جس قدر ہوسکے نوافل پڑھیں۔ یہ تمام متبرک مقامات مسجد نبوی کے اندر موجود ہیں اور دوسرے زائرین اور راہنما عملے سے بہ آسانی معلوم ہوجاتے ہیں۔

حضرت سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے آپ ﷺ کے منبر مبارک پر آپکے بیٹھنے کی جگہ پر ہاتھ رکھا اور پھر اُس ہاتھ کو برکت کے لیے اپنے چہرے پر مل لیا (الشفاء جلد ۲ صفحہ ۷۰)۔

اسکے بعد جنت البقیع (بقیع الغرقد) کی زیارت کریں۔ بقیع میں داخل ہوتے ہی سامنے ذرا دائیں طرف حضرت عباس، حضرت امام حسن، امام زین العابدین، امام باقر، امام جعفر صادق اور سیدنا امام حسین ؓ کا سر مبارک بالکل قریب قریب دفن ہیں۔ اور ان سب کے دائیں طرف قدرے ممتاز قبر انور سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء علیٰ ابیہا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی ہے۔ بقیع کے گیٹ کے سیدھا سامنے سرکار دوعالم ﷺ کی تین شہزادیوں کی قبریں ہیں۔ ان کے ساتھ ہی بائیں طرف نو

ازواج مطہرات کی اکٹھی قبریں ہیں۔تھوڑا آگے حضرت عبداللہ بن حارث اور حضرت عقیل بن ابی طالب کی قبریں ساتھ ساتھ ہیں۔تھوڑا آگے جائیں تو بائیں طرف حضرت عبداللہ ابنِ عمر، حضرت نافع اور حضرت امام مالک کی قبریں ساتھ ساتھ ہیں۔تھوڑا آگے چلیں تو بائیں طرف شہزادۂ رسول حضرت سیدنا ابراہیم ﷺ کی قبر انور خوب بڑی ہے اور اس کے سرہانے خوب موٹا پتھر موجود ہے۔ تھوڑا آگے چلیں تو شہداءِ اُحد کی قبریں ہیں جو ایک پتھریلی چاردیواری سے ممتاز کردی گئی ہیں۔ گیٹ کے اندر داخل ہوں تو بائیں کونے میں محبوب کریم ﷺ کی تین پھوپھیاں دفن ہیں۔ بقیع شریف کے اندر دور چلے جائیں تو تقریباً وسط میں خلیفۂ ثالث سیدنا عثمان غنی ﷺ کی قبر انور ہے جو بقیع کی تمام قبروں سے ممتاز اور مشرف ہے اور اس کے چاروں طرف سڑک یعنی راستہ موجود ہے۔ یہاں سے تقریباً ۵۰ گز کے فاصلے پر بائیں طرف حلیمہ سعدیہ کی قبر انور ہے۔

حضرت ابوسعید خدری اور مولا علی ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت سیدتنا فاطمہ بنت اسد کی قبریں بقیع شریف کے آخری بائیں کونے کے قریب ایک ہی چاردیواری کے اندر موجود ہیں۔

اگر موقع ملے تو ان ہستیوں کو الگ الگ سلام عرض کریں۔ سورۃ فاتحہ، سورۃ اخلاص، آیت الکرسی اور درود شریف پڑھ کر ایصالِ ثواب کریں۔اگر موقع نہ ملے تو اکٹھا سلام اور ایصالِ ثواب کافی ہے۔ عَلٰی حَبِیْبِهِمْ وَعَلَیْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام

حضرت سید الشہداء امیر حمزہ ﷺ کی قبر انور میدانِ اُحد میں ہے۔بعض دیگر شہداءِ اُحد کی قبریں بھی وہیں پر ہیں۔وقت نکال کر وہاں حاضری دیں۔سلام عرض کریں اور ایصالِ ثواب کریں۔

مسجد قبا وہ مسجد ہے جس کا سنگِ بنیاد محبوب کریم ﷺ نے ہجرت کر کے تشریف لاتے وقت مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے پہلے رکھا تھا۔یہ مسجد مدینہ شریف سے باہر تھی،اب آبادی بڑھنے سے شہر مقدس کے اندر آگئی ہے۔محبوب کریم ﷺ ہر ہفتہ کے دن اس مسجد میں جا کر نماز ادا فرماتے تھے اور حضرت عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہما بھی ایسا ہی کرتے تھے (بخاری جلد ا صفحہ ۱۵۹، مسلم جلد ا صفحہ ۴۴۸)۔

مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کے بعد یہ مسجد تمام مساجد سے افضل ہے۔ حبیب کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے گھر سے وضو کیا اور مسجد قبا میں جا کر نماز ادا کی اسے عمرے کا ثواب

ملے گا (ابنِ ماجہ صفحہ ۱۰۲)۔اس مسجد میں خوب دعائیں کرنی چاہئیں۔

(۱۳)۔ جہاں تک ممکن ہو روضۂ انور کی طرف پیٹھ نہ کریں۔

(۱۴)۔ شہر اقدس میں چلتے وقت اگر دور سے گنبد خضریٰ پر نظر پڑے تو روضۂ انور کی طرف منہ کر کے دست بستہ کھڑے ہو جائیں اور صلوٰۃ وسلام پڑھ کر گزریں۔

(۱۵)۔ مدینہ شریف میں اگر کوئی بیمار ہو جائے یا اسے کوئی تکلیف پہنچے حتیٰ کہ ایک معمولی کانٹا بھی چبھے تو اس پر اللہ کا شکر ادا کرے۔اللہ الرحمٰن کی قسم یہ سب تکالیف زائرین کیلئے رحمت ہیں۔شفیع المذنبین ﷺ نے فرمایا لَا یَصْبِرُ عَلٰی لَاوَآءِ الْمَدِیْنَةِ وَشِدَّتِهَا اَحَدٌ مِنْ اُمَّتِیْ اِلَّا كُنْتُ لَهٗ شَفِیْعاً یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یعنی میری اُمت کا جو بھی شخص مدینہ کی مشکلات اور سختیوں پر صبر کرے گا قیامت کے دن میں اُسکی ضرور شفاعت کروں گا (مسلم،مشکوٰۃ صفحہ ۲۳۹،المستند صفحہ ۲۰۳)۔

(۱۶)۔ قیام کے دوران نماز باجماعت اور شریعت کی پابندی کریں۔

(۱۷)۔ ہر نماز کے بعد قبرِ انور پر حاضری دینے کی کوشش کریں۔

(۱۸)۔ رخصت ہوتے وقت صلوٰۃ وسلام عرض کریں، کسی خاص عنایت کی توقع رکھیں، دوبارہ حاضری کی درخواست کریں، دورانِ قیام بے خبری میں ہونے والی بے ادبیوں کی معافی مانگیں، اور نہایت ادب سے درود شریف پڑھتے ہوئے، پیٹھ کیے بغیر رخصت ہوں، عشاق کے لیے دیارِ حبیب سے رخصت ہونے کی گھڑی بڑی سخت ہوتی ہے۔

☆......☆......☆......☆

سوالات

۱۔ اس کتاب میں سب سے لمبا مضمون کون سا ہے اور آپ کے خیال میں اس موضوع پر اتنی تفصیلی بحث کیوں کی گئی ہے؟

۲۔ اس کتاب میں کون کون سے جدید علوم کی بنیاد رکھی گئی ہے؟

۳۔ اس کتاب کے کل کتنے ابواب ہیں ہر باب کا نام بتایئے؟

۴۔ آپ کے خیال میں اس کتاب کا کون سا ایسا مضمون ہے جسے آپ پوری کتاب کا خلاصہ کہہ سکتے ہیں؟

۵۔ آپکے خیال میں اس کتاب کا نام ضابطۂ حیات کیوں رکھا گیا ہے؟

اگر!

آپ نے اِن پانچ سوالوں کے صحیح جواب دے دیے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے اس کتاب کو غور سے پڑھ لیا ہے ورنہ نہیں!

آپ کا اپنا اعتماد بتائے گا کہ آپ کے جوابات درست ہیں یا نہیں۔

V. Good

☆......☆......☆

اِنتساب

اگر یہ کتاب صحیح ہے تو یہ سب اُنہی کے کرم کا صدقہ ہے

اس میں میرا ہے ہی کیا جسے میں اُن کی نذر کروں۔

اور اگر!

اس کتاب میں غلطیاں ہیں تو میں کس مُنہ سے اُن کی

طرف اپنی خطاؤں کا انتساب کروں۔

میں یہی سوچتے سوچتے کتاب کے آخر تک پہنچ گیا۔

ورنہ اگر مجھ میں ہمت ہوتی تو کتاب کے شروع

میں ہی انتساب لکھ دیتا۔

مجھے کچھ پتہ نہیں۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیک وعلیٰ آلک وسلم

میں خاموش ہوں۔

☆......☆......☆

مصنف کی دیگر تصانیف
المستند
(عربی مع ترجمہ تخریج)
ضربِ حیدری
احسن البیان
فی علوم القرآن
ضربِ خاتم
ابواب القرآن
صافیہ لماوقع بین
علی ومعاویۃ
جواز الاحتفال
بمیلاد صاحب
الجمال
اصلاحِ نفس
دستور الطبیب
کتاب الخصائص
اسرار السلوک
علمِ ترجیحات
(ایک نیا علم)
عیسائیت سے
اسلام تک
محاسبہ قادیانیت
معلم الاسلام
خیر الکلام
فی مدحِ سید الانام
اصول الفقہ
اسلامی تعلیمات
سانحہ کربلا
مسلمانی (پنجابی)
ملنے کا پتہ
مکتبہ رحمۃ للعالمین
سیٹھی پلازہ اسلحہ والی گلی بلاک 5 سرگودھا
Phone: 0300-6004816, 048-3010361
E-mail: msarwarq@yahoo.com